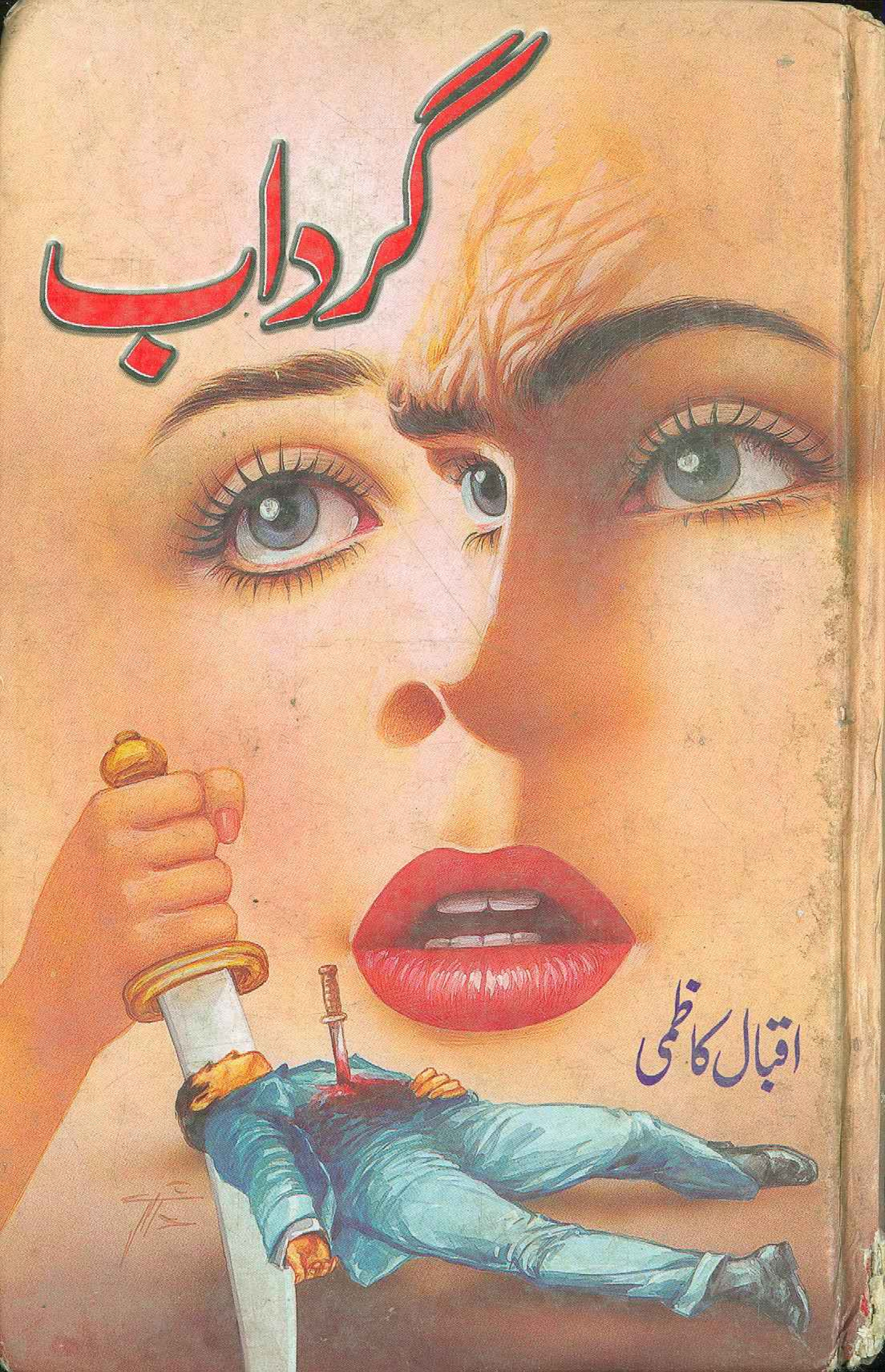


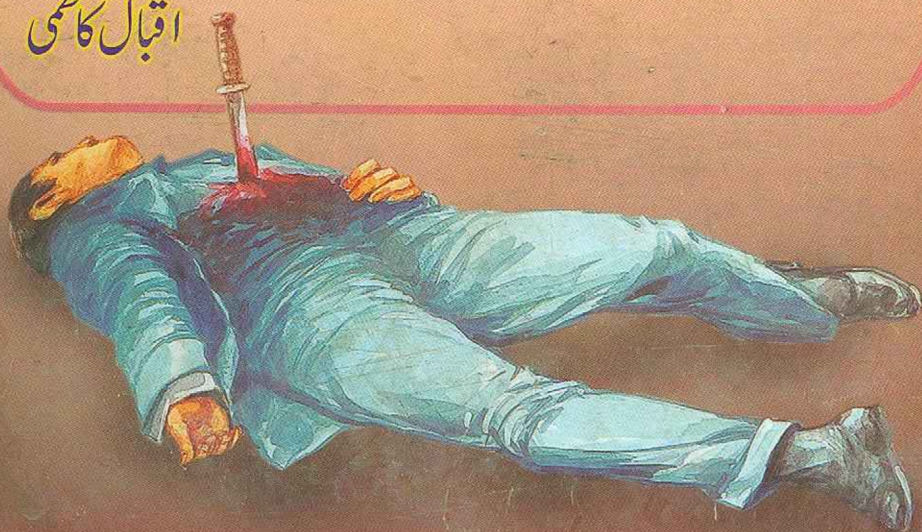
گرداب
اقبال کاظمی

یہ کہانی عاشی کی ہے۔ جو اپنی زندگی کے ایک انتہائی ہولناک اور ناقابل یقین تجربے سے گذری ہے، اسے پڑھتے ہوئے آپ یقینی طور پر ان پریشانیوں اور مصائب کو محسوس کریں گے۔ جن سے عاشی کو قدرت کی ستم ظریفی کے باعث گذرنا پڑا ہے، معصوم اور حرماں نصیب عاشی کی یہ روداد نہ جانے کب تک آپ کے اندر گونجتی رہے گی،

”گرداب“ کا اپنا ایک بیان ہے، دلکش انداز ہے، اس بیان میں گہرائی اور تیکھا پن ہے، یہ دلکش اور جدید کہانی ابتدا ہی سے آپ کی توجہ اپنی جانب کھینچ لے گی، آپ اسے آسانی سے نہیں بھولیں گے،

اُمید ہے میری پہلی کہانیوں کی طرح یہ بھی آپ کو پسند آئے گی،

اقبال کاظمی



قدرت کی ستم ظریفی کا شکار

معصوم اور حرماں نصیب عاشق کی نہ بھولنے والی روداد

گرداب

اقبال کاظمی

اسٹاکسٹ:-

مکتبہ القریش سرکلر روڈ

اردو بازار، لاہور۔۲

دیباچہ

آج کے دور میں معاشرے میں نفسیاتی گھٹن کا عنصر بڑھ رہا ہے۔ انسانوں کے درمیان بہت تیزی سے تشدد اور نفرت جیسے منفی رجحانات جنم لے رہے ہیں۔ ایسے ماحول میں تفریحی ادب کا مطالعہ ادبی ذوق کی تسکین کے ساتھ ساتھ انسان کی سماجی تربیت میں بھی اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ تفریحی ادب کے مطالعے سے حالات کے ستائے ہوئے انسانوں کے پژمردہ چہرے چند لمحوں کے لئے ہی سہی، کھل اُٹھتے ہیں۔ تفکرات تحلیل ہو جاتے ہیں۔ قلب و ذہن پر طاری کثافتیں دھل جاتی ہیں۔

اس کہانی کا تانا بانا بھی معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں سے بنا گیا ہے۔ عاشی ڈاکٹر سلطان جمیل کی اکلوتی بیٹی ہے۔ جو بے حد خوبصورت ہے۔ ڈاکٹر سلطان جمیل کی بیوی کے انتقال کے بعد عاشی کی پرورش کی ذمہ داری اس کا ماموں لے لیتا ہے۔ عاشی کے ساتھ نو عمری میں ایک حادثہ پیش آتا ہے جس سے اسے شدید ذہنی صدمہ پہنچا تھا۔ اس واقعے سے وہ خوفزدہ ہو گئی تھی اور ہمیشہ یہ محسوس کرتی تھی کہ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے لیکن وہ اس کا سبب جاننے سے قاصر تھی۔ عاشی کے ساتھ جو شخص دوستی کی کوشش کرتا، اُسے قتل کر دیا جاتا تھا۔ قتل کی واردات کے پیچھے وہ اپنے والد کا ہاتھ سمجھتی تھی، لیکن اس کا کوئی ثبوت اسے نہیں ملتا تھا لیکن ان وارداتوں کی یکسانیت سے پتہ چلتا تھا کہ جائے وقوعہ پر ملنے والے انگلیوں کے نشانات عاشی کے ہیں۔

اس لئے تفتیشی ماہرین کے لئے عاشی کی شخصیت ایک معمہ بنی رہی۔ کیا قاتل عاشی تھی، یا کوئی اور تھا۔

اس کا حل کیسے تلاش کیا گیا......؟

یہ زیرِ نظر ناول **"گرداب"** کی ورق گردانی سے ہی پتہ چلے گا۔

ادارہ

عاشی کو شبہ تھا کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ گزرنے والے ہر دن کے ساتھ اس کا یہ احساس شدید سے شدید تر ہوتا جا رہا تھا کہ کوئی ان دیکھی ہستی اس کی نگرانی کر رہی ہے۔ کبھی اس نے اپنے عقب میں قدموں کی مدھم سی چاپ سنی تھی اور کبھی اپنی پشت پر اجنبی نظروں کی چبھن محسوس کی تھی۔ عاشی نے عورتوں کے شکاریوں کے بارے میں بہت کچھ سنا اور پڑھا تھا۔ زیر زمین دنیا سے تعلق رکھنے والے لوگ بہت خطرناک، بے رحم اور سفاک ہوتے ہیں۔ لیکن کسی کو اس سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟ اس نے کسی کا کیا بگاڑا ہے؟ وہ کون ہے جو اسے نقصان پہنچانا چاہتا ہے؟ اسے جب بھی اپنی نگرانی یا تعاقب کا احساس ہوتا، وہ کانپ کر رہ جاتی۔ اپنے آپ کو تسلی دینے کی کوشش کرتی کہ کوئی اس کا دشمن نہیں ہے۔ اسے کسی سے خطرہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن ایک انجانا سا خوف اسے گرفت میں لئے ہوئے تھا۔ وہ کوشش کے باوجود اس خوف سے نجات حاصل نہیں کر سکی تھی۔ وہ مضطرب اور بے چین رہنے لگی۔ اس کی راتوں کی نیندیں بھی اڑ گئی تھیں۔ وہ جب سوتی تو بھیانک خواب اسے جھنجوڑ کر رکھ دیتے اور وہ اٹھ کر وحشت زدہ سی نظروں سے اپنے کمرے کو دیکھنے لگتی۔

اس روز بھی عاشی سو کر اٹھی تو خوف اور وحشت کی ایسی ہی کیفیت میں مبتلا تھی۔ وہ دیر تک سہمی ہوئی سی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتی رہی۔ پھر زور زور سے سر جھٹک کر سوچنے لگی کہ یہ سب کچھ میرا وہم تو نہیں؟ شاید کام کی زیادتی سے میرا ذہن وحشت کا شکار ہو رہا ہے۔ مجھے آرام کی ضرورت ہے۔ چند روز کسی پر فضا اور پرسکون جگہ پر رہوں تو پرسکون ہو جاؤں گی۔ ساری ذہنی پراگندگی ختم ہو جائے گی۔

عاشی بستر سے اٹھ کر آئینے کے سامنے اپنے سراپا کا جائزہ لینے لگی۔ اس کی عمر چھبیس ستائیس سال رہی ہوگی۔ دراز قد، دبلا پتلا جسم، سیاہ آنکھیں، تیکھی ناک اور پتلے پتلے سے ہونٹ۔ وہ مشرق کی رعنائی اور مغرب کے حسن کا حسین امتزاج تھی۔ اس کے والد پاکستانی اور ماں امریکن تھی۔ ان دونوں کے ملاپ نے عاشی کی صورت میں قدرت کا ایک حسین شاہکار تخلیق کیا تھا۔

باتھ روم کے آئینے میں عاشی نے ایک بار پھر اپنے سراپا کا تنقیدی جائزہ لیا اور یہ سوچے بغیر نہ رہ سکی کہ وہ بہت دبلی پتلی ہے۔ مجھے خوراک پر توجہ دینی چاہئے۔ اس نے سوچا۔

باورچی خانے میں ناشتہ تیار کرتے ہوئے عاشی کے ذہن میں ایک بار پھر وہی ڈراؤنا تصور اُبھر آیا جس نے رات کو بھی اسے چین سے سونے نہیں دیا تھا۔

وہ اس خیال کو ذہن سے نکالنے کی کوشش کرتے ہوئے انڈے کا آملیٹ تیار کرنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے کافی میکر کا پلگ بھی لگا دیا تھا اور ٹوسٹر میں دو ٹوسٹ بھی ڈال دیئے۔

دس منٹ میں ناشتہ تیار ہو چکا تھا۔ عاشی نے پلیٹیں میز پر رکھ دیں اور کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس نے پہلا لقمہ اٹھایا ہی تھا کہ منہ کی طرف جاتا ہوا اس کا ہاتھ رُک گیا۔ اچانک ہی وہ بھیانک خیال اس کے ذہن میں اُبھر آیا اور اس کی بھوک مر گئی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے چہرے کے تاثرات بگڑ گئے۔

”یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔“ وہ بڑبڑائی۔ ”وہ جو کوئی بھی ہے، میں اسے اس کے گھناؤنے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔“

عاشی کی نظریں گھڑی کی طرف اٹھ گئیں۔ دفتر جانے کا وقت ہو رہا تھا۔ وہ سہمی سہمی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی جیسے شبہ ہو کہ وہ پر اسرار شخص اس کے فلیٹ میں ہی چھپا ہوا ہے۔ کامینو کورٹ کی تیسری منزل کا یہ فلیٹ ضروریات زندگی کی ہر چیز سے آراستہ تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ پہلی مرتبہ یہاں آنے والا کوئی بھی شخص شاندار فرنیچر اور آرائشی ساز و سامان کو دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ عاشی ریاست کیلی فورنیا کے چھوٹے سے شہر کوپرٹینو میں واقع اس عمارت میں پچھلے تین سال سے رہ رہی تھی۔ دو ہفتے پہلے تک وہ اس فلیٹ کو سکون کا گہوارہ اور محفوظ ترین پناہ گاہ سمجھتی تھی۔ ایک مضبوط قلعہ! جہاں کوئی دراندازی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن پھر اچانک ہی اس کا سکون رخصت ہو گیا تھا۔ ایک انجانا سا خوف اس کے دل و دماغ پر پنجے گاڑنے لگا تھا۔

عاشی کسی انجانے خیال سے دروازے کو گھورنے لگی۔ دروازہ اور تالا دونوں ہی مضبوط تھے۔ لیکن وہ سوچ رہی تھی کہ کل وقت نکال کر ایک اور تالا لگوا لے گی تاکہ تحفظ کا احساس قوی تر ہو جائے۔

عاشی نے دفتر جانے کے لئے تیار ہو کر تمام بتیاں بجھا دیں۔ باہر آ کر دروازے کو مقفل کیا۔ اپنی تسلی کے لئے تالے کو ایک بار پھر چیک کیا اور لفٹ کی طرف بڑھ گئی۔

تہہ خانے میں واقع گیراج سنسان پڑا تھا۔ اس کی کار لفٹ سے تقریباً بیس فٹ کے فاصلے

پر کھڑی تھی۔ اس نے لفٹ کے دروازے سے گردن نکال کر اِدھر اُدھر جھانکا اور باہر نکل کر دوڑتی ہوئی کار میں بیٹھ گئی۔ سیٹ پر پوری طرح بیٹھنے سے پہلے ہی اس نے کار کا دروازہ اندر سے مقفل کر لیا تھا۔ اس کا دل بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا۔ وہ انجن سٹارٹ کر کے کار کو گیراج سے نکال کر سڑک پر لے آئی۔ آسمان پر بادل تھے اور محکمہ موسمیات نے بارش کی پیشگوئی کی تھی۔ وہ دل ہی دل میں دعا مانگنے لگی کہ بارش نہ ہو۔ بارش سے اسے ڈر لگتا تھا۔ وہ بار بار آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی جیسے ابھی ٹھہرے اور کالے بادل چھٹ جائیں گے اور سورج چمکنے لگے گا۔

دس منٹ بعد عاشی شہر کے زیریں علاقے میں سفر کرتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ سانتا کلارہ ویلی کا یہ حصہ کس طرح دیکھتے ہی دیکھتے آباد ہو گیا تھا۔ یہی وہ خطہ تھا جہاں سے کمپیوٹر انقلاب نے جنم لیا تھا۔

عاشی گلوبل کمپیوٹر گرافکس کارپوریشن میں ملازم تھی۔ یہ کمپنی اگرچہ زیادہ پرانی نہیں تھی لیکن بڑی تیزی سے ترقی کی منازل طے کر رہی تھی۔ اس کے ملازمین کی تعداد دو سو سے تجاوز کر چکی تھی۔

دفعتاً عاشی کو احساس ہوا کہ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ لیکن وہ کون ہے اور اس کا پیچھا کیوں کر رہا ہے؟ عاشی کے پاس اپنے اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اس نے عقبی آئینے میں دیکھا، کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آئی۔ ہر چیز معمول کے مطابق تھی۔ لیکن نجانے کیوں وہ اس خیال کو ذہن سے نہیں نکال سکی کہ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے۔

سامنے ہی وہ عظیم الشان عمارت تھی جس میں عاشی کی کمپنی کے دفاتر تھے۔ اس نے گیٹ پر محافظ کو اپنا شناختی کارڈ دکھایا اور کار اندر لے جا کر پارکنگ پلاٹ کی طرف موڑ دی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے ذہن پر مسلط وہ انجانا سا خوف مٹ گیا اور وہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھنے لگی۔ جب وہ کار سے اتری تو آسمان سے ہلکی ہلکی بوندیں برسنے لگی تھیں اور وہ پر سکون ہو چکی تھی۔

نو بج چکے تھے۔ دفتر کا کام پوری طرح شروع ہو چکا تھا۔ وسیع و عریض ہال میں بیاسی کیبن تھے۔ ہر کیبن میں کمپیوٹر کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے نوجوان بڑی مہارت اور لگن سے اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔

عمارت کی اس منزل پر بڑے ہال میں ان کیبنوں کے علاوہ انتظامیہ، سیلز، مارکیٹنگ اور فنی تعاون کے شعبوں پر مشتمل دفاتر بھی تھے۔ بڑی گہما گہمی تھی۔ کام کرنے والوں کی اِدھر اُدھر آمد و رفت بھی جاری تھی۔

عاشی اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے اپنے کیبن کی طرف جا رہی تھی کہ سامنے سے اس کے شعبے کا سپروائزر علی نواز آتا ہوا نظر آیا۔ اس کمپیوٹر کے ادارے میں مختلف قومیتوں کے لوگ شامل تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو اپنے ملک میں دھرتی پر بوجھ اور اناج کے دشمن سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے اپنے اپنے شعبوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی۔ اپنے ملک کی ترقی اور خوش حالی کے لئے مہارت اور صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنا چاہتے تھے لیکن انہیں اچھے مواقع فراہم نہیں کئے گئے۔ آگے بڑھنے کے راستے روک لئے گئے اور یہ باصلاحیت افراد دل برداشتہ ہو کر روزگار اور بہتر مستقبل کی تلاش میں کسی نہ کسی طرح امریکہ آ گئے۔ یہاں ایک سے ایک جوہر شناس موجود تھا۔ انہوں نے ایسے لوگوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور اپنے ملک سے دھتکارے گئے ان لوگوں نے بھی اپنی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کر کے اپنے قدم جما لئے۔ علی نواز کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں ہوتا تھا جو کئی سال پہلے بددل ہو کر پاکستان چھوڑ آیا تھا اور یہاں دیارِ غیر میں اس نے اپنے لئے جگہ بنائی تھی۔

علی نواز کی عمر بتیس تینتیس کے لگ بھگ تھی۔ وہ ایک دراز قامت اور صحت مند آدمی تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس جیسا جوان رعنا اس کمپنی میں اور کوئی نہیں تھا۔ کمپنی میں کام کرنے والی لڑکیاں اسے دیکھ کر ٹھنڈی سانس بھرتیں لیکن وہ مسکراتا ہوا ان کے قریب سے گزر جاتا۔ عاشی واحد لڑکی تھی جس سے وہ بے تکلف تھا۔ اصل بات تو یہ تھی کہ وہ عاشی کو پسند کرتا تھا۔ شروع شروع میں اس نے عاشی پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی تھی لیکن عاشی نے اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی تھی۔ علی نواز بھی اس سے کھنچ گیا تھا۔ مگر پھر وہ رفتہ رفتہ اچھے دوست بن گئے۔

"ہیلو عاشی!" علی نواز اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ "یہ دیکھا تم نے؟" اس نے ٹائم رسالے کا تازہ شمارہ عاشی کی طرف بڑھا دیا۔

رسالے کے سرورق پر تصویر دیکھ کر عاشی کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ وہ پروقار شخصیت کے حامل ایک ایسے آدمی کی تصویر تھی جس کی عمر پچپن اور ساٹھ کے درمیان رہی ہوگی۔ سر کے بال برف کی طرح سفید تھے۔ تصویر کے نیچے اس شخص کا تعارف بھی تھا۔ "مینی ہارٹ سرجری کا بانی ڈاکٹر سلطان جمیل۔"

"میں یہ تصویر دیکھ چکی ہوں۔" عاشی نے رسالے سے نظریں ہٹاتے ہوئے کہا۔

"ایک معروف شخصیت کی بیٹی ہونا کیسا لگتا ہے تمہیں؟" علی نواز نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بہت اچھا لگتا ہے۔" عاشی کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔

"تمہارے والد واقعی بہت عظیم ہیں۔" علی نواز نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں انہیں تمہارے جذبات سے آگاہ کر دوں گی۔" عاشی نے کہا۔ "میں اور ڈیڈی آج دوپہر کا کھانا اکٹھے ہی کھائیں گے۔"

"گڈ! تم واقعی خوش قسمت ہو کہ اس عظیم شخص کی بیٹی ہو جنہوں نے دل کے آپریشن کی ایک نئی جہت دریافت کر کے انسانیت پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ ویسے میں نے اس وقت تمہیں ایک کام سے روکا تھا۔" علی نواز نے اسے معروف فلمسٹار کی تصویر دکھاتے ہوئے کہا۔ "اس حسین فلمسٹار کی یہ تصویر کمپنی کی ایک تشہیری فلم میں استعمال ہونے والی تھی۔ یہاں ایک مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔ ماڈل گرل ڈیزی کا وزن دس پونڈ بڑھ گیا ہے جس کے اثرات اس کے چہرے پر بھی نظر آ رہے ہیں۔ آنکھوں کے نیچے یہ ہلکے سے سیاہ دھبے دیکھ رہی ہو۔ یہ نشان میک اپ کے بعد بھی نمایاں ہیں۔ کیا اس سلسلے میں تم میری کوئی مدد کر سکتی ہو؟"

عاشی نے غور سے اس تصویر کو دیکھا اور بولی۔ "آنکھوں کے نیچے ان سیاہ دھبوں کو فلٹر کے استعمال سے دور کیا جا سکتا ہے۔ اس کے چہرے کو بھی دبلا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن نہیں! اس طرح اس کا چہرہ بگڑ جائے گا۔" وہ ایک بار پھر گہری نظروں سے تصویر کو دیکھنے لگی۔ "چہرے کے بعض حصوں پر کولون اور ائیر برش کے استعمال سے اسے دلکش بنایا جا سکتا ہے۔"

"گڈ آئیڈیا!" علی نواز مسکرا دیا۔ "شکریہ عاشی۔ ویسے ہفتے کی شام کا پروگرام طے ہے نا؟"

"ہاں!" عاشی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ویسے اس تصویر کے سلسلے میں جلد بازی کی ضرورت نہیں۔" وہ عاشی کے ہاتھ میں دبی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "یہ انہیں اگلے ہفتے چاہیے۔"

عاشی اپنے کیبن میں آ گئی۔ وہ ایڈورٹائزنگ اور گرافک ڈیزائن کی ماہر تھی۔ لے آؤٹ تیار کرنے میں بھی اس کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ اس نے اپنی سیٹ پر بیٹھ کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ سردست اس کے پاس اور کوئی کام نہیں تھا۔ اس نے فلمسٹار ڈیزی کی تصویر پر کام کرنے کا فیصلہ کر لیا جو اسے علی نواز نے دی تھی۔

عاشی سر جھکائے بڑے انہماک سے اپنے کام میں مگن تھی کہ دفعتاً اسے احساس ہوا جیسے کوئی اس کے قریب کھڑا اسے دیکھ رہا ہے۔ اس نے ہاتھ روک کر جھکا ہوا سر اٹھایا۔ وہ ستیش آنند مہتہ تھا۔

"ہیلو ڈیئر!" ستیش نے کہا۔

اس کی آواز عاشی کے اعصاب پر بجلی بن کر گری۔ ستیش مہتہ کو اس کمپنی کا کمپیوٹر جینئس سمجھا جاتا تھا۔ جب بھی اور جہاں بھی کسی کمپیوٹر میں کوئی گڑ بڑ ہوتی ستیش ہی کو بھیجا جاتا۔ وہ تیس بتیس سال کا دبلا پتلا درمیانے قد کا آدمی تھا۔ رنگت اگرچہ کسی قدر صاف تھی لیکن چہرے کے نقوش ایسے نہیں تھے کہ ہر لڑکی ایک مرتبہ اس کی طرف دیکھنے کے بعد دوبارہ دیکھنے کی زحمت کرتی۔ لیکن وہ اپنے آپ کو بہت سمارٹ سمجھتا تھا۔ اس کا انداز گفتگو بھی بہت غیر شائستہ تھا۔ کمپنی میں کام کرنے والی کوئی لڑکی ایسی نہیں تھی جس سے اس نے فلرٹ کرنے کی کوشش نہ کی ہو۔ ان دنوں دفتر کی حدود میں یہ افواہ گردش کر رہی تھی کہ وہ عاشی کو حاصل کرنے کا تہیہ کئے ہوئے ہے۔

''میری مدد کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں مس عاشی!''

''شکریہ! مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔'' عاشی نے روکھے لہجے میں جواب دیا۔

''ویسے میں تمہیں یہ بتانے آیا تھا کہ سنیچر کی شب میں فارغ ہوں۔ میرے ساتھ ڈنر کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' ستیش نے اس کے لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''لیکن میں فارغ نہیں ہوں۔'' عاشی کے لہجے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

''اپنے باس کے ساتھ کوئی پروگرام بنالیا ہے کیا؟'' وہ ڈھٹائی سے بولا۔

''دیکھو!'' عاشی نے ناگواری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ ''تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہئے کہ میں کس کے ساتھ اور کہاں.....''

''میری سمجھ میں نہیں آتا تم نے اس میں کیا دیکھ لیا ہے۔'' ستیش مہتہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''ایک مرتبہ میرے ساتھ چل کر دیکھ لو۔ خوش کر دوں گا تمہیں۔ میرا مطلب سمجھ رہی ہو نا تم؟''

''مسٹر مہتہ!'' عاشی کے لہجے میں سرد مہری تھی۔ ''میں اس وقت ایک ضروری کام میں مصروف ہوں۔ تم یہاں سے جا رہے ہو یا مجھے تمہاری شکایت کرنی پڑے گی؟''

''سنو گڑیا!'' ستیش مہتہ ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتا ہوا کچھ آگے جھک گیا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی مکروہ مسکراہٹ تھی۔ ''میری ایک بات غور سے سن لو۔ میں نے کبھی شکست تسلیم نہیں کی۔'' وہ کیبن سے نکل گیا۔ عاشی اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی اور سوچتی رہی کہ کیا وہ ستیش مہتہ ہی تو نہیں جو پراسرار طور پر اس کا پیچھا کر رہا ہے۔

ساڑھے بارہ بجے عاشی نے اپنا کمپیوٹر بند کر دیا اور دفتر سے نکل کر ایک چھوٹے سے ریستوران کی طرف روانہ ہو گئی جہاں اسے اپنے ڈیڈی کے ساتھ لنچ کرنا تھا۔

ریستوران میں اس نے کونے کی ایک میز کا انتخاب کیا تھا۔ اسے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ کچھ ہی دیر بعد اس کے والد ہال میں داخل ہوئے۔ ہال میں موجود لوگ مڑ مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ اس وقت علی نواز کے الفاظ عاشی کے ذہن میں گونجے۔ ''ایک معروف شخصیت کی بیٹی ہونا کیسا لگتا ہے؟'' وہ اپنے باپ کی طرف دیکھنے لگی۔ ڈاکٹر سلطان جمیل اس عمر میں بھی حسین وجمیل اور وجیہہ تھے۔

ڈاکٹر سلطان جمیل تقریباً پینتیس سال پہلے پاکستان سے امریکہ آئے تھے۔ ان کا تعلق لاہور کے ایک متوسط گھرانے سے تھا۔ ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھے۔ انہوں نے تنگی ترشی میں گزارہ کر کے بیٹے کو ایم بی بی ایس کروا دیا۔ سلطان جمیل کو دل کے امراض سے دلچسپی تھی۔ وہ اس شعبے کے ماہر ڈاکٹر بننا چاہتے تھے۔ انہوں نے امریکہ کی ایک میڈیکل یونیورسٹی میں داخلے کی درخواست بھی بھیج دی تھی اور خوش قسمتی سے ان کی درخواست منظور ہو گئی۔ انہیں داخلہ مل رہا تھا مگر باپ کے پاس اتنے پیسے کہاں تھے کہ ان کے اخراجات برداشت کر سکتے۔ مگر بیٹے کے مستقبل کے لئے انہوں نے اپنا مکان بیچ دیا۔

سلطان جمیل کو داخلہ مل گیا۔ وہ امریکہ آ گئے۔ صرف ڈیڑھ سال بعد انہیں لاہور سے ایک دوست نے خط کے ذریعے اطلاع دی کہ ان کے والدین لائل پور جاتے ہوئے بس کے حادثے میں ہلاک ہو گئے ہیں۔

سلطان جمیل تڑپ کر رہ گئے۔

اس کے بعد وہ پاکستان نہیں گئے۔ امریکہ میں انہیں ایک اچھی فیملی مل گئی تھی جن کے ہاں وہ پے انگ گیسٹ کی حیثیت سے رہ رہے تھے۔ سلطان جمیل کا خیال تھا کہ اب وہ اپنی تعلیم جاری نہیں رکھ سکیں گے۔ ان کے سارے خواب بکھر جائیں گے۔ مگر اس امریکی فیملی نے انہیں بڑا سہارا دیا۔ نہ صرف حصول تعلیم کے لئے ان کی حوصلہ افزائی ہوتی رہی بلکہ مسٹر اور مسز ڈیوس نے انہیں اپنا داماد بھی بنا لیا۔ الزبتھ بہت حسین لڑکی تھی اور سمجھدار بھی۔ اس نے ہر قدم پر سلطان جمیل کا ساتھ نبھایا۔

ڈاکٹر سلطان جمیل پر قسمت مہربان تھی۔ انہوں نے ہارٹ سرجری میں نام پیدا کیا۔ دل کے کئی مشکل اور پیچیدہ آپریشن کئے تھے۔ ہارٹ سرجری میں ایک ایسی نئی جہت دریافت کی جس نے میڈیکل سائنس کی دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔ نئی ہارٹ سرجری ایک خواب تھا جس کی تعبیر ڈاکٹر سلطان جمیل نے دنیا کے سامنے پیش کر دی تھی۔ اور پھر تو یوں لگا جیسے ساری دنیا سلطان جمیل پر مہربان ہو گئی ہو۔ دنیا بھر سے بڑی بڑی یونیورسٹیوں اور ہسپتالوں کی طرف سے لیکچر

کے دعوت نامے ملنے لگے۔ شہرت کے ساتھ ساتھ دولت بھی ان کے قدم چومنے لگی۔

ڈاکٹر سلطان جمیل اور الزبتھ کی صرف ایک ہی اولاد تھی۔ عائشہ جمیل۔ جسے وہ پیار سے عاشی کہتے تھے۔ عاشی بارہ سال کی تھی جب الزبتھ کا انتقال ہوگیا۔ عاشی کے لئے اب سب کچھ اس کے والد ہی تھے۔

''سوری عاشی بیٹے!'' ڈاکٹر سلطان جمیل اس کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔ ''مجھے کچھ دیر ہوگئی۔ دراصل.....''

''کوئی بات نہیں ڈیڈی۔'' عاشی نے ان کی بات کاٹ دی۔ ''مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ میں بھی تو تھوڑی دیر پہلے ہی پہنچی ہوں۔''

''تم نے ٹائم رسالے کا تازہ شمارہ دیکھا؟'' ڈاکٹر نے پوچھا۔

''ہاں! علی نواز نے آج صبح دفتر میں دکھایا تھا۔'' عاشی نے جواب دیا۔

''علی نواز! تمہارا باس؟'' ڈاکٹر نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''وہ میرا باس نہیں ہے، سپروائزر ہے۔'' عاشی نے تصحیح کی۔

''بزنس میں ذاتی تعلقات کی آمیزش اچھی نہیں ہوتی عاشی! میرا خیال ہے تم دفتر سے باہر بھی اس سے ملتی رہتی ہو۔ اور یہ بہت بڑی غلطی ہے۔'' ڈاکٹر سلطان جمیل نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''ڈیڈی! ہم صرف اچھے دوست.....'' ویٹر کے آجانے سے عاشی کا جملہ ادھورا رہ گیا۔

''کیا آپ آرڈر دینا پسند کریں گے؟'' ویٹر نے دونوں کے سامنے مینو رکھتے ہوئے کہا۔

''کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ ہم گفتگو میں مصروف ہیں۔'' ڈاکٹر سلطان جمیل نے درشت لہجے میں کہا۔ ''جاؤ! ضرورت ہوگی تو تمہیں بلا لیا جائے گا۔''

''سوری سر!'' ویٹر نے کہا اور جلدی سے وہاں سے ہٹ گیا۔

عاشی سہم کر رہ گئی۔ وہ بھول گئی تھی کہ اس کے والد کتنے سخت مزاج ہیں۔ خلاف مرضی کسی بات پر ان کا پارہ ایک دم چڑھ جاتا ہے۔ عاشی کو اچھی طرح یاد تھا کہ ایک مرتبہ انہوں نے ایک مریض کے آپریشن کے دوران غلط اوزار دینے پر اپنے ایک ماتحت ڈاکٹر کو گھونسہ مار دیا تھا۔ عاشی کو یہ بھی یاد تھا کہ جب وہ چھوٹی تھی تو اس کے والد اکثر اس کی ماں سے لڑتے رہتے تھے۔ اس کی ماں کو ڈانٹتے، جھڑکتے اور اس پر چیختے تھے۔ حالانکہ وہ ان کی ہر بات مانتی تھی۔ ان کا جھگڑا ہمیشہ ایک بات پر ہوتا تھا اور عاشی کو اب یاد نہیں رہا تھا کہ وہ بات کیا تھی۔

''ہاں! تو ہم کہاں تھے؟'' باپ کی آواز سن کر عاشی حواس میں آگئی۔ ''ہاں! یاد آیا۔ میں

کہہ رہا تھا کہ علی نواز کے ساتھ اس طرح گھومنا پھرنا تمہاری غلطی ہے۔ بہت بڑی غلطی۔''

پاکستان سے آنے کے بعد سلطان جمیل نے اپنی زندگی کے کئی سال ریاست پنسلوانیا کے شہر بیڈفورڈ میں گزارے تھے۔ یہیں انہوں نے میڈیکل کی تعلیم حاصل کی تھی اور یہیں شادی کی تھی۔ عاشی بھی اسی شہر میں پیدا ہوئی تھی۔ عاشی اٹھارہ سال کی ہوچکی تھی۔ بیڈفورڈ کے ہائی سکول میں یوں تو بہت سے لڑکے عاشی کی طرف مائل تھے مگر عاشی کو ہندو لڑکا گوپال داس پسند آیا تھا۔ وہ بھی دوغلی نسل کا تھا۔ اس کا باپ ہندو اور ماں امریکن تھی۔ گوپال داس سکول کی فٹ بال ٹیم کا سٹار کھلاڑی تھی۔ خوبرو اور گھبرو جوان۔ اس کی مسکراہٹ تو قیامت تھی۔ سکول کی لڑکیاں اس کے قریب آنے کے بہانے ڈھونڈتی تھیں۔ لگتا تھا جیسے عشق لڑانے کے لئے وہی ایک رہ گیا ہو۔ اسے بعض لڑکیوں کے ساتھ گھومتے پھرتے دیکھا بھی گیا تھا اور عاشی نے اس کے بارے میں کچھ ایسی باتیں بھی سنی تھیں جن سے اس کا کردار مشکوک ہوجاتا تھا۔ کئی لڑکیوں سے دوستی سے قطع نظر گوپال داس عاشی سے بھی پینگیں بڑھا رہا تھا۔ عاشی کو شبہ تھا کہ گوپال داس محض اس کے حسن و شباب پر فریفتہ ہے۔ اپنا مطلب نکالنے کے بعد وہ دوسری لڑکیوں کی طرح اسے بھی بھول جائے گا۔ اس لئے وہ اس کے ساتھ کہیں جانے سے گریز کرتی رہی تھی۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گوپال کے بارے میں عاشی کے خیالات میں تبدیلی آتی گئی۔ اسے گوپال کے ساتھ گھومنا پھرنا اچھا لگنے لگا۔ گوپال بھی اس کے ساتھ خوش رہتا تھا۔ اس نے کبھی ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی جو عاشی کے لئے ناگوار یا ناپسندیدہ ثابت ہوتی۔

موسم سرما جوبن پر تھا۔ سینئر کلاس نے برف کے ڈھکے ہوئے پہاڑوں میں سکیٹنگ کا پروگرام بنالیا۔ سکول کی سینئر کلاس ہر سال اس ٹرپ پر جایا کرتی تھی۔ گوپال داس بہت خوش تھا

''ہم خوب انجوائے کریں گے۔ مزہ آجائے گا۔'' گوپال نے کہا۔

''لیکن میں نہیں جارہی۔'' عاشی بولی۔

''کیوں؟'' گوپال داس نے حیرت سے پوچھا۔

''میں اتنی سردی برداشت نہیں کرسکتی۔ ہاتھوں کی انگلیاں مڑ جاتی ہیں اور وہ تکلیف میرے لئے ناقابل برداشت ہوتی ہے۔'' عاشی نے جواب دیا۔

''لیکن ہمارے تمام دوست جارہے ہیں۔ اور تم.....''

''میں نہیں جارہی۔'' عاشی کا لہجہ فیصلہ کن تھا۔

اور پھر گوپال داس بھی نہیں گیا۔ وہ دونوں شہر میں ہی تفریحی پروگرام بناتے رہے اور ایک

دوسرے کی رفاقت سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ اس کے کردار کے بارے میں عاشی کے تمام خدشات اور شبہات بے بنیاد ثابت ہوئے تھے۔ ہوسکتا ہے دوسری لڑکیوں کے ساتھ گوپال ناشائستہ اور قابل اعتراض حرکتیں کرتا ہو۔ لیکن عاشی کو اس سے کبھی ایسی کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی۔

ڈاکٹر سلطان جمیل سے بھی ان کی یہ ملاقاتیں چھپی نہیں رہ سکی تھیں۔

''اس ہندولڑکے سے تمہارا ملنا جلنا مجھے پسند نہیں ہے عاشی!'' ایک روز ڈاکٹر نے اپنا فیصلہ سنادیا۔ ''آئندہ تم اس سے نہیں ملوگی۔''

''گوپال بہت اچھا لڑکا ہے ڈیڈی! ہم ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے ہیں۔'' عاشی نے بھی صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے جواب دیا۔

''تم اسے پسند کرنے لگی ہو؟ ایک ہندولڑکے کو؟'' ڈاکٹر نے اسے گھورا۔ ''میں کبھی پسند نہیں کروں گا کہ میری بیٹی ایک ہندولڑکے سے راہ ورسم بڑھائے۔''

''وہ ہندو ہے تو کیا ہوا؟'' عاشی نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ''اس شہر میں بلکہ پورے امریکہ میں ہزاروں کی تعداد میں ہندو رہتے ہیں۔ کیا دوسرے لوگ ان سے نہیں ملتے؟ میں اور گوپال ایک دوسرے سے کیوں نہیں مل سکتے؟ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔''

''شادی....؟'' ڈاکٹر سلطان جمیل اچھل پڑے۔ ''کسی ہندولڑکے سے تمہاری شادی نہیں ہوسکتی۔ اگر وہ ہندو نہ بھی ہوتا تو بھی میں تمہیں اس کی اجازت نہ دیتا۔ وہ فٹ بال کا ایک معمولی کھلاڑی ہے۔ اس کے سامنے کوئی مستقبل نہیں ہے۔ اب میں اس سے تمہارا ملنا جلنا بھی پسند نہیں کروں گا۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔''

عاشی کے دل پر ایک گھونسہ سا لگا۔ یہ پہلا موقع نہیں تھا۔ وہ جس لڑکے سے بھی ملتی، ڈاکٹر سلطان اسے آگے بڑھنے سے روک دیتے۔ اس روز کے بعد ڈاکٹر سلطان جمیل وقتاً فوقتاً گوپال داس کے بارے میں باتیں کرتے رہتے جو عاشی کو گوپال سے متنفر کرسکتی تھیں۔ مگر عاشی نے ان باتوں کا زیادہ اثر نہیں لیا۔

اور ایک روز تو گویا طوفان پھٹ پڑا تھا۔ اس شام سکول کی گریجویشن تقریب تھی۔ گوپال داس نے کہا تھا کہ وہ گھر پر ہی اس کا انتظار کرے۔ وہ ادھر سے گزرتا ہوا اسے ساتھ لے لے گا۔ لیکن جب وہ اسے لینے کے لئے پہنچا تو عاشی سسکیاں بھر رہی تھی۔

''کیا ہوا؟'' گوپال اسے روتے دیکھ کر پریشان ہوگیا۔

''ڈیڈی نے کہا ہے کہ وہ مجھے لندن لے جائیں گے۔'' عاشی نے سسکی بھرتے ہوئے

جواب دیا۔ ''انہوں نے لندن کے ایک کالج میں میرا داخلہ کروادیا ہے۔''

گوپال داس سکتے میں آگیا۔ وہ بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پاسکا تھا۔ ''کیا؟ کیا اس لئے کہ تمہارے ڈیڈی کو ہمارا ملنا پسند نہیں ہے؟'' اس نے رک رک کر پوچھا۔

''ہاں!'' عاشی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''تم کب جارہی ہو؟'' گوپال نے دریافت کیا۔

''کل!''

''نہیں عاشی!'' گوپال داس کراہ اٹھا۔ ''تم جانے سے انکار کردو۔ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں میں۔ لیکن....'' وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا۔ پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''تمہارا باپ کسی صورت میں نہیں مانے گا۔ میرے ذہن میں اس کا ایک حل ہے۔ میرا ماموں شکاگو میں ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی کا مالک ہے۔ اس نے مجھے اپنی ایجنسی میں ایک بڑی اچھی ملازمت کی پیشکش کی ہے۔ ہم یہاں سے بھاگ جاتے ہیں۔ کل صبح ریلوے سٹیشن پہنچ جانا۔ ٹھیک سات بجے ایک ٹرین شکاگو کے لئے روانہ ہوتی ہے۔ کسی کو پتہ نہیں چلے گا کہ ہم کہاں گئے ہیں۔ سٹیشن پر پہنچ جاؤ گی نا؟''

عاشی دیر تک اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

عاشی کو یاد نہیں کہ اس شام گریجویشن پارٹی میں کیا ہوا تھا۔ وہ اور گوپال ایک الگ تھلگ میز پر بیٹھے اپنے فرار کا منصوبہ بناتے رہے تھے۔

''بہت طویل سفر ہے۔'' عاشی نے آخر میں کہا۔ ''کیا ہم ٹرین کی بجائے ہوائی جہاز پر نہیں جاسکتے؟''

''نہیں!'' گوپال داس نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔ ''ہوائی جہاز پر ریزرویشن کے لئے اپنے نام بتانے پڑیں گے۔ لیکن ٹرین پر ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے اور پھر ٹرین پر جانے کا یہ فائدہ بھی ہے کہ کسی کو پتہ نہیں چلے گا کہ ہم کہاں گئے ہیں۔''

پارٹی ختم ہوگئی۔ وہ دونوں بھی ہال سے باہر آگئے۔

''میرے والدین ہفتہ وار تعطیلات گزارنے شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔'' گوپال داس نے کار کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ''گھر پر کوئی نہیں ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے اگر تم میرے ساتھ چلو تو.....''

''نہیں گوپال!'' عاشی نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''ہم نے اتنا انتظار کیا ہے۔ چند روز اور صبر کرلو۔''

''ٹھیک ہے۔'' گوپال داس کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔

گوپال عاشی کو چھوڑنے کے لئے اس کے گھر کے سامنے پہنچا تو سلطان جمیل زخمی شیر کی طرح دروازے کے سامنے ٹہل رہا تھا۔

''جانتی ہو اس وقت کیا بجا ہے؟'' اس نے کھا جانے والی نظروں سے عاشی کی طرف دیکھا۔

''مجھے افسوس ہے جناب!'' عاشی کی بجائے گوپال نے جواب دیا۔ ''پارٹی دیر سے ختم ہوئی تھی جس کی وجہ سے......''

''تم اپنی چونچ بند رکھو گوپالے!'' ڈاکٹر سلطان نے غرا کر کہا۔ ''تم کیا سمجھتے ہو اپنے آپ کو؟ مجھے بے وقوف بنا رہے ہو؟''

''نہیں جناب! میں تو......''

''بند کرو یہ بکواس۔'' ڈاکٹر سلطان نے دھاڑتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔ ''آئندہ تم میری بیٹی سے دور ہی رہنا۔ سمجھے؟''

''ڈیڈی......'' عاشی نے باپ کو روکنا چاہا۔

''تم چپ رہو!'' ڈاکٹر نے عاشی کو ڈانٹ دیا اور پھر گوپال کی طرف دیکھتے ہوئے چلا کر بولے۔ ''گوپال! کان کھول کر میری بات سن لو۔ آئندہ اگر میں نے تمہیں یہاں دیکھا تو تمہارے جسم کی ایک ایک ہڈی توڑ کر پھینک دوں گا۔''

عاشی بار بار کچھ کہنے کی کوشش کر رہی تھی مگر ڈاکٹر سلطان اس کی کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھے۔ عاشی نے اس سے پہلے اپنے باپ کو اتنا غصے میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

گوپال داس جا چکا تھا۔ عاشی کچھ دیر تک وہاں کھڑی آنسو بہاتی رہی۔ پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔

''میں ڈیڈی کو ایسا نہیں کرنے دوں گی۔'' وہ اپنے کمرے میں بیڈ کی پٹی پر بیٹھی سوچ رہی تھی۔ ''ڈیڈی میرا مستقبل تباہ کر رہے ہیں۔ میں اسے نہیں چھوڑ سکتی۔ میں اب یہاں نہیں رہ سکتی۔''

وہ اٹھ کر چند لمحے کمرے میں ادھر اُدھر دیکھتی رہی۔ پھر اپنے کپڑے اور دیگر ضروری چیزیں بیگ میں پیک کرنے لگی۔ آدھے گھنٹے بعد وہ مکان کے عقبی دروازے سے نکل رہی تھی۔ اس نے آخری مرتبہ حسرت بھری نظروں سے مکان کی طرف دیکھا اور مڑ کر تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی چلنے لگی۔ اس کا رخ گوپال داس کے مکان کی طرف تھا جو وہاں سے زیادہ دور نہیں

تھا۔

''میں آج رات گوپال داس کے پاس ہی رہوں گی۔ صبح سویرے ہم شکاگو جانے والی ٹرین پر سوار ہو جائیں گے۔''

گوپال داس کے مکان سے چند گز کے فاصلے پر وہ رک گئی۔ ''نہیں! مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے۔'' عاشی نے سوچا۔ ''گوپال میرے معاملے میں خاصا جذباتی ہے۔ اگر رات میں کوئی گڑبڑ ہو گئی تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ مجھے اس وقت اس کے قریب نہیں جانا چاہئے۔ میں اسے صبح ریلوے سٹیشن پر ہی ملوں گی۔''

وہ مڑ کر اپنے مکان کی طرف چلنے لگی۔

رات کا باقی حصہ عاشی نے جاگتے ہوئے ہی گزارا تھا۔ وہ جاگتی آنکھوں سے گوپال کے ساتھ شاندار زندگی کا سہانا سپنا دیکھ رہی تھی۔

ساڑھے پانچ بجے وہ بیگ اٹھائے اپنے کمرے سے نکل آئی۔ آگے اس کے ڈیڈی کا کمرہ تھا۔ دروازہ بند تھا۔ وہ بلی کی طرح دبے قدموں چلتی ہوئی دروازے کے سامنے سے گزر گئی۔ اس کا دل بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا۔ وہ مکان کے عقبی دروازے سے نکلی تھی۔ وہ کشادہ گلی میں گھوم کر سڑک پر آ گئی جہاں اسے فوراً ہی سٹیشن کی طرف جانے والی بس مل گئی۔

گوپال ابھی تک سٹیشن پر نہیں پہنچا تھا۔ وہ خود وقت سے پہلے آ گئی تھی جبکہ شکاگو والی ٹرین کے آنے میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا۔ وہ ایک بینچ پر بیٹھ گئی اور متجسس نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اور پھر وہ اپنے باپ کے بارے میں سوچنے لگی۔ بیدار ہونے پر جب انہیں معلوم ہو گا کہ وہ جا چکی ہے تو وہ غصے سے پاگل ہو جائیں گے۔

''میں ڈیڈی کو اپنی زندگی برباد کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔'' وہ سوچ رہی تھی۔ ''اس وقت تو انہیں غصہ ضرور آئے گا لیکن بعد میں جب انہیں پتہ چلے گا کہ میں گوپال کے ساتھ خوشگوار اور خوش حال زندگی گزار رہی ہوں تو وہ سب کچھ بھول جائیں گے۔''

ساڑھے چھ بج گئے۔ چھ چالیس.... پونے سات..... چھ بج کر پچاس منٹ ہو گئے۔

گوپال کا کہیں نام ونشان نظر نہیں آ رہا تھا۔ عاشی کی بے چینی بڑھنے لگی۔ وہ ابھی تک کیوں نہیں پہنچا؟ کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ اس نے سٹیشن کے پبلک بوتھ سے گوپال کے گھر فون بھی کیا۔ دوسری طرف گھنٹی بجتی رہی۔ کسی نے فون نہیں اٹھایا۔

چھ بج کر پچپن منٹ...... وہ کسی وقت بھی پہنچ سکتا ہے۔

انجن کی وسل سن کر وہ چونک گئی۔ ٹرین آ رہی تھی۔ اس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی

دیکھی۔ چھ بج کر انسٹھ منٹ ہوئے تھے۔ ٹرین پلیٹ فارم میں داخل ہو چکی تھی۔ عاشی ایک جھٹکے سے اٹھ گئی اور متوحش نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔

''یقیناً کوئی غیر معمولی بات ہوگئی ہے۔ کوئی حادثہ..... ممکن ہے وہ اس وقت کسی ہسپتال میں پڑا ہو۔'' یہ سب کچھ سوچتے ہوئے اس کے پیٹ میں گرہیں سی پڑنے لگیں۔ چند منٹ بعد انجن کے وسل کی آواز فضا میں گونجی اور ٹرین حرکت میں آگئی اور اس کے سنہرے سپنے بھی اپنے ساتھ گھسیٹ لے گئی۔

عاشی تقریباً آدھا گھنٹہ اور وہاں بیٹھی گوپال داس کا انتظار کرتی رہی لیکن وہ نہیں آیا۔ اس نے دو مرتبہ فون بھی کیا تھا مگر جواب نہیں ملا۔ شاید مایوسی نے اسے لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی باہر جانے والے گیٹ کی طرف چلنے لگی۔

اسی دوپہر عاشی اور ڈاکٹر سلطان جمیل طیارے پر سوار لندن کی طرف محو پرواز تھے۔

عاشی تین سال تک لندن میں تعلیم حاصل کرتی رہی۔ جب وہ امریکہ میں تھی تو اس نے سوچا تھا کہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے کمپیوٹر کی طرف توجہ دے گی۔ لندن میں بھی کمپیوٹر سے اس کی دلچسپی برقرار تھی۔ اس نے کیلی فورنیا کی سانتا کروز یونیورسٹی میں سکالرشپ کی درخواست دے دی جو منظور ہو گئی اس طرح وہ لندن سے امریکہ واپس آگئی اور سانتا کروز یونیورسٹی میں کمپیوٹر کی تعلیم حاصل کرنے لگی۔ تین سال بعد گلوبل کمپیوٹر گرافکس کارپوریشن نے اس کی خدمات حاصل کر لیں۔

جب وہ لندن میں تھی تو اس نے گوپال داس کو کئی خطوط لکھے تھے لیکن ایک بھی خط پوسٹ نہیں کیا تھا۔ ہر مرتبہ لکھا ہوا خط دوبارہ پڑھنے کے بعد پھاڑ دیا۔ اس کے باپ نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ ہندو قابل اعتماد نہیں ہوتا۔ وہ گوپال کے لئے گھر تک چھوڑنے کو تیار ہو گئی تھی لیکن گوپال نے اسے دھوکا دیا تھا۔ اب اسے خیال آرہا تھا کہ گوپال کو اس سے محبت نہیں تھی۔ وہ تو اس کے حسن و شباب پر مرمٹا تھا۔ گریجویشن پارٹی والی رات اگر وہ گوپال کے ساتھ اس کے گھر چلی جاتی تو اسی رات اس کی اصلیت کھل کر سامنے آجاتی۔

''عاشی! کیا سوچ رہی ہو؟ کہاں کھو گئیں؟'' باپ کی آواز سن کر عاشی اچھل پڑی۔ اس کے خیالات منتشر ہو گئے۔ ماضی کے جھروکے دھڑ سے بند ہو گئے اور وہ متوحش سی نظروں سے سامنے کرسی پر بیٹھے ہوئے اپنے باپ کو دیکھنے لگی۔

''اوہ! کچھ نہیں ڈیڈی۔'' اس نے سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔

ڈاکٹر سلطان جمیل نے ویٹر کو بلایا۔ مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور بڑے نرم لہجے میں

کھانے کا آرڈر نوٹ کرانے لگے۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد دفتر کی طرف واپس جاتے ہوئے عاشی کو اچانک ہی خیال آیا کہ وہ اپنے باپ کو ٹائم رسالے کے سرورق پر اس کی تصویر کی اشاعت پر مبارکباد دینا تو بھول ہی گئی تھی۔ اسے اپنے آپ پر ندامت بھی ہوئی۔

دفتر کی شاندار عمارت میں جب وہ اپنے کیبن میں داخل ہوئی تو ستیش مہتہ اس کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔

''سنا ہے تم اپنے ڈیڈی کے ساتھ لنچ کرنے گئی تھیں؟'' ستیش نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں تو پھر؟'' عاشی نے اسے گھورا۔ وہ دل ہی دل میں کھول اٹھی تھی۔ یہ کم بخت ہر وقت لڑکیوں کی جاسوسی کرتا رہتا ہے۔

''بوڑھے باپ کے ساتھ لنچ کرتے ہوئے کیا مزہ آیا ہوگا؟'' ستیش نے کہا۔ ''کبھی میرے ساتھ بھی باہر جا کر دیکھو۔ زندگی تمہیں ایک نئے رنگ میں نظر آئے گی۔''

''مسٹر مہتہ!'' عاشی نے اسے گھورا۔ ''میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں مجھے تم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرے ساتھ ایسی بے ہودہ باتیں مت کیا کرو۔''

''تم دلچسپی لوگی۔'' ستیش ڈھٹائی سے مسکرایا۔ ''وہ وقت دور نہیں جب تمہارے ہونٹوں پر صرف میرا نام ہوگا۔'' وہ کیبن سے نکل گیا۔

عاشی کانپ اٹھی۔ ستیش مہتہ کے لہجے میں دھمکی پوشیدہ تھی۔ اس کے ذہن میں ایک بار پھر یہ خیال ابھرا کہ اس کا پیچھا کرنے والا وہ پراسرار شخص ستیش ہی تو نہیں؟ اس نے سر جھٹک دیا اور اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئی۔

دفتر سے چھٹی کے بعد گھر واپس جاتے ہوئے اس نے کار اپیل ٹری کتاب گھر کے سامنے روک لی۔ نیچے اتر کر اس نے کار کا دروازہ لاک کیا اور دکان میں داخل ہوتے ہوئے ایک لمحہ کو رک گئی۔ دروازے کی طرف قد آدم آئینے لگے ہوئے تھے جن میں دونوں طرف سڑک کا دور تک کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے دونوں طرف آئینوں میں دیکھا۔ سڑک پر لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی لیکن کوئی مشتبہ چہرہ دکھائی نہیں دیا۔ وہ دکان میں داخل ہو گئی۔ ایک نوجوان سیلز مین فوراً ہی اس کے قریب آگیا۔

''کیا عورتوں کے شکاریوں کے بارے میں کوئی کتاب مل جائے گی؟'' عاشی نے پوچھا۔

''عورتوں کے شکاری....؟'' سیلز مین نے اس طرح عاشی کی طرف دیکھا جیسے اس کی ذہنی

کیفیت پر شبہ کر رہا ہو۔

عاشی کو فوراً ہی اپنی حماقت کا احساس ہو گیا۔ وہ جلدی سے بولی۔ ''میرا مطلب ہے باغبانی..... اور افریقہ کے جنگلی جانور۔'' سیلز مین اب بھی الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''خیر رہنے دو۔ میں کہیں اور دیکھ لوں گی۔'' عاشی یہ کہتے ہوئے دکان سے باہر آ گئی۔

اپنے اپارٹمنٹ تک پہنچنے میں اسے زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ کار گیراج میں کھڑی کر کے وہ لفٹ میں سوار ہو گئی اور بٹن دبا دیا۔ دو منٹ بعد لفٹ سے نکل کر وہ اپنے فلیٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ دروازے کے سامنے رک کر اس نے بیگ میں سے چابیوں کا گچھا نکالا۔ اور پھر دروازہ کھولتے ہی بے حس و حرکت ہو کر رہ گئی۔ اسے اپنی رگوں میں خون منجمد ہوتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

فلیٹ کی تمام بتیاں جل رہی تھیں۔

☆

پشپا، نیولے اور بندر والا وہ گیت گنگنا رہی تھی جس سے اس کی ماں کو شدید نفرت تھی۔ وہ اپنی ماں کی اس نفرت سے آگاہ تھی اور اسے چڑانے کے لئے جان بوجھ کر اس کے سامنے سے گزرتے ہوئے یہ گیت گنگنایا کرتی تھی اور ماں اکثر چیخ کر کہا کرتی تھی۔ ''بند کرو یہ بے سری راگنی۔ آواز اچھی ہو تو کوئی گاتا ہوا بھی اچھا لگتا ہے۔ لیکن تمہاری آواز کانوں میں زہر گھولتی ہے۔'' پشپا ماں کی یہ چیخم دھاڑ سن کر دل ہی دل میں مسکرا دیا کرتی تھی لیکن اسے مزید چڑانے کے لئے وہ قدرے اونچی آواز میں گیت کے اگلے بول گنگنانے لگتی۔ لیکن یہ برسوں پہلے کی بات تھی۔ اس کی ماں مر چکی تھی اور پشپا کا خیال تھا کہ اس کی آتما اس کے گانے سے اب بھی چڑتی ہو گی۔ اس لئے وہ اپنی ماں کی روح کو چڑانے اور اپنے آپ کو خوش کرنے کے لئے اکثر یہ گیت گنگنایا کرتی تھی۔

پشپا دھیرن لندن کی پیدائش تھی۔ وہ اگرچہ ہندو ماں باپ کی اولاد تھی لیکن اس کا لہجہ بالکل انگریزوں جیسا تھا۔ برسوں پہلے اس کی ماں سمیتا حصول تعلیم کے لئے لندن آئی تھی۔ یہاں وہ اپنے ایک ہم وطن راکیش دھیرن کے ہتھے چڑھ گئی۔ اس نے اپنے آپ کو بہت بڑھا چڑھا کر سمیتا کے سامنے پیش کیا تھا۔ سمیتا راکیش کے چکر میں آ گئی اور اس سے شادی کر لی۔ یہ تو بعد میں انکشاف ہوا کہ راکیش دھیرن دولت مند آدمی نہیں تھا۔ وہ مچھر، کھٹمل مار دوائیں تیار کرنے والی ایک کمپنی میں سفری سیلز مین تھا اور کام کے سلسلے میں اسے کئی کئی روز تک گھر سے باہر رہنا پڑتا تھا۔ اس کی آمدنی بھی اتنی نہیں تھی کہ دو افراد کی زندگی کی ضروری آسائشیں بھی فراہم ہو سکیں۔ سمیتا نے کالج کو خیرباد کہہ دیا اور گھر کے اخراجات چلانے کے لئے اس نے بھی نوکری کر لی۔ پشپا کی پیدائش کے بعد اخراجات بڑھ گئے۔ شادی سے پہلے تعلیم کے دوران سمیتا کو اس کا باپ اچھی خاصی رقم بھیج دیا کرتا تھا۔ لیکن سمیتا نے والدین کو بتائے بغیر ان کی مرضی کے خلاف راکیش سے شادی کر لی تو انہوں نے نہ صرف اسے خرچ بھیجنا بند کر دیا بلکہ تعلقات بھی ختم کر لئے۔ وہ بھول گئے کہ سمیتا نام کی ان کی کوئی بیٹی بھی تھی۔

پشپا نے جب سے آنکھ کھولی تھی گھر میں لڑائی جھگڑا ہی دیکھا تھا۔ اس کے ماں باپ ہر

وقت لڑتے رہتے۔ وہ ایک دوسرے کو گالیاں دیتے، مارنے کو جھپٹتے۔ لڑائی بعض اوقات اتنی سنگین صورت حال اختیار کر جاتی کہ پڑوسیوں کو مداخلت کرنا پڑتی۔ اور پھر ایک روز پشپا کا باپ مر گیا۔ سمیتا پھیکی اور چڑچڑی ہو گئی۔ وہ اپنی بے بسی کا غصہ پشپا پر اتارتی۔ بلا وجہ گالیاں کھاتے اور پٹتے ہوئے پشپا کو بھی اپنی ماں سے نفرت ہو گئی۔ وہ اسے چڑانے کے لئے عجیب و غریب حرکتیں کرنے لگی اور ان حرکتوں میں گنگنانا بھی شامل تھا۔

ماضی کو یاد کر کے پشپا کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ ماں کو مرے ہوئے عرصہ ہو چکا تھا۔ اب وہ بائیس سال کی ہو گئی تھی اور گلوبل کمپیوٹر کارپوریشن میں ایک اچھے عہدے پر کام کر رہی تھی۔ گداز بدن کی مالک پشپا میں بے پناہ کشش تھی۔ اس کا گداز جسم غضب کا تھا۔ جو نظر اس کی طرف اٹھتی، پلٹنا بھول جاتی۔ اس کے مزاج میں بڑا تضاد تھا۔ کبھی تو کسی کے سامنے اس طرح جھکتی چلی جاتی کہ اگلا خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتا اور کبھی ایسا رویہ اختیار کر لیتی کہ کسی کو اس سے بات کرنے کی ہمت بھی نہیں ہوتی تھی۔

پشپا لندن کو کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔ اس کی زندگی کا بیشتر حصہ وہاں گزرا تھا۔ اپنی زندگی میں اس نے کبھی کسی کا دباؤ قبول نہیں کیا تھا۔ کالج کی تعلیم کے دوران ہی اس نے پر پرزے نکالنا شروع کر دیئے تھے۔ کالج میں تو وہ سیدھا سادھا اور ڈھنگ کا لباس پہن کر جاتی۔ لیکن اس کے بعد اس کی ہیئت ہی بدل جاتی۔ خصوصاً شام کے بعد بقول شخصے وہ مادر پدر آزاد ہو جاتی۔ منی سکرٹ یا کوئی اور ایسا مختصر ترین لباس پہنتی کہ دیکھنے والوں کو پسینہ آ جاتا۔ اس کی راتیں شراب خانوں، رقص گاہوں اور کلبوں میں گزرتیں جہاں لوگ اس کے حسن کی داد دیتے۔

پشپا کی ماں اس کے گنگنانے سے ہمیشہ چڑتی تھی۔ لیکن درحقیقت اس کی آواز بہت سریلی تھی۔ مشرقی موسیقی کے ساتھ اس نے پاپ موسیقی میں بھی بڑی مہارت حاصل کر لی تھی۔ کبھی ایسا ہوتا کہ کسی کلب میں وہ سٹیج پر چلی جاتی اور مائیک پر کوئی گیت گانے لگتی اس طرح ایک طرف کلب کے گاہک اس کے گیت سے محظوظ ہوتے اور دوسری طرف انتظامیہ والے بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔ دل کھول کر پشپا کو داد دی جاتی اور یہی وہ موقع ہوتا جب پشپا اپنے آپ کو ہوا میں اڑتا ہوا محسوس کرنے لگتی۔

پشپا کے چاہنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ ہر شخص اس کے گانے کی تعریف کرتا۔ پھر اس کے حسن و شباب کی تعریفیں ہوتیں اور تان ہمیشہ ایک ہی جملے پر ٹوٹتی۔

"آج کی رات میرے ساتھ..... میرے بیڈ پر۔"

اور پشپا وہیں پر اسے ٹھینگا دکھا دیتی۔ اس نے کبھی کسی کو حدود سے تجاوز کرنے کی اجازت نہ دی تھی۔ وہ رات کو جب اپنے بستر پر سونے کے لئے لیٹتی تو دیر تک سوچتی رہتی۔ دنیا کے تمام مردوں کی فطرت ایک ہی ہے۔ ان کی پہلی اور آخری خواہش ایک ہی ہوتی ہے۔ عورت اور تنہائی۔ پشپا کے خیال میں دنیا کے سب مرد بے وقوف تھے۔ لیکن اگر عورت عقل سے کام لے تو انہیں قابو کرنا مشکل نہیں ہوتا۔

اور پھر وہ لندن سے کوپرٹینو آ گئی۔ شروع شروع میں تو پشپا کو یہاں آنا اچھا نہیں لگا تھا۔ ہر بات پر الجھن سی ہونے لگتی۔ اسے گلوبل کمپیوٹر کارپوریشن میں کام کرنا بھی پسند نہیں تھا۔ اسے لندن کی رنگین راتوں کی یاد آتی تو وہ ٹھنڈے سانس بھر کر رہ جاتی۔ اس چھوٹے شہر میں دو تین جگہیں ہی ایسی تھیں جہاں رات کو کچھ رنگینیاں نظر آتی تھیں۔ وہ کبھی کبھار کسی رقص گاہ یا ڈسکو کلب چلی جاتی۔ کبھی وہ بہت ٹائٹ منی سکرٹ اور اوپر نہایت مختصر بلاؤز پہنتی اور کبھی ایسا لباس پہن لیتی کہ پورا جسم چھپ کر رہ جاتا۔ کبھی وہ چار پانچ انچ اونچی ہیل والے سینڈل پہنتی اور کبھی فلیٹ کارک سول والے سینڈل اس کے پیروں میں نظر آتے۔ وہ میک اپ بھی اس طرح کرتی کہ اس کا چہرہ بگڑ جاتا۔ شوخ میک اپ دیکھ کر ایسے لگتا تھا جیسے وہ اپنی خوبصورتی چھپانے کی کوشش کر رہی ہو۔

کسی اتوار وہ سان فرانسسکو چلی جاتی جہاں زندگی کے حقیقی ہنگامے پورے جوش و خروش کے ساتھ موجود تھے۔ وہ ریسٹورانوں اور کلبوں میں گھومتی رہتی۔ کبھی سازندوں کے آرام کا وقفہ ہوتا تو پشپا سٹیج پر آ جاتی اور پیانو پر بیٹھ کر کوئی گیت چھیڑ دیتی۔ گاہک اس کے گیت سے محظوظ ہوتے اور دوسری طرف مالک بھی خوش ہو جاتا۔ اور جب پشپا واپس جانے سے پہلے اپنا بل ادا کرنے کے لئے کاؤنٹر پر پہنچتی تو بل لینے سے انکار کر دیا جاتا اور اسے اگلے روز آنے کی بھی دعوت دے دی جاتی اور ایسے ہی موقع پر پشپا اپنی ماں کی آتما کو مخاطب کرتے ہوئے کہتی۔

"سن رہی ہو ماں! میرے گانے سے لوگ کتنا خوش ہیں۔ انہیں میری آواز پسند ہے۔"

وہ سنیچر کی رات تھی۔ پشپا گلف ہوٹل میں بیٹھی کھانا کھا رہی تھی۔ سازندے ایک دھن ختم کر کے اٹھ کر سٹیج کے پچھلی طرف چلے گئے۔ پشپا اس ہوٹل میں کئی بار آ چکی تھی اور ایک دو مرتبہ اپنے فن کا مظاہرہ بھی کر چکی تھی۔ اس وقت بھی ہوٹل کے منیجر نے اسے اشارہ کیا تو وہ اپنی سیٹ سے اٹھ کر پیانو کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس نے دو تین گیت گائے۔ لوگوں نے دل کھول کر داد دی۔

پشپا دوبارہ اپنی میز پر آ گئی۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد ایک ادھیڑ عمر آدمی اس کے قریب آ گیا۔

"کیا میں تھوڑی دیر کے لئے یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟" وہ پشپا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

پشپا اسے منع کرنا چاہتی تھی کہ وہ شخص دوبارہ بول اٹھا۔ ''میرا نام نارمن زمر ہے اور میں ایک تھیٹر کمپنی کا مالک ہوں۔ تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔''

پشپا کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ ابھی حال ہی میں اس نے اخبار میں نارمن کی ڈراما کمپنی کے بارے میں ایک مضمون پڑھا تھا۔

''تم بڑی باصلاحیت لڑکی ہو۔'' نارمن اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''ایسے ہوٹلوں میں گانے گا کر تم اپنی صلاحیتیں ضائع کر رہی ہو۔ تمہیں تو ڈراموں کی دنیا براڈوے میں ہونا چاہئے۔'' پشپا کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔

''براڈوے جہاں دولت برستی ہے۔ سن رہی ہو ناں؟'' اس نے دل ہی دل میں ماں کی آتما پر طنز کیا۔

''میں تمہارا آڈیشن لینا چاہتا ہوں تاکہ.....''

''مجھے افسوس ہے۔'' پشپا نے نارمن کی بات کاٹ دی۔ ''مجھے تمہارے تھیٹر یا براڈوے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''کیا کہا؟'' نارمن نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ ''یہ آڈیشن تمہارے لئے دولت اور شہرت کے دروازے کھول دے گا۔ تمہیں اندازہ نہیں کہ تمہارے اندر کتنی صلاحیتیں چھپی ہوئی ہیں۔ میں انہیں دنیا کے سامنے لانا چاہتا ہوں۔''

''میں ایک کمپیوٹر کمپنی میں ملازمت کرتی ہوں۔ اس نوکری کو چھوڑ کر کوئی رسک نہیں لے سکتی۔'' پشپا نے جواب دیا۔

''میں تمہیں اس کمپیوٹر کمپنی سے ڈبل تنخواہ دینے پر تیار ہوں۔ اگر تم چاہو تو ابھی.....''

''نہیں!'' پشپا کا لہجہ فیصلہ کن تھا۔

نارمن نے پیچھے جھک کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ ''تمہیں شو بز سے کوئی دلچسپی نہیں؟'' اس نے پشپا کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

''دلچسپی ہے۔ لیکن اگر میں تمہاری پیشکش قبول بھی کر لوں تو بیچ میں ہی چھوڑ دوں گی اور میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے تمہیں نقصان اٹھانا پڑے یا کوئی اور بدمزگی پیدا ہو۔'' پشپا نے جواب دیا۔

''شاید اپنے شوہر کی وجہ سے تم شو بزنس میں نہیں آنا چاہتیں۔'' نارمن نے کہا۔

''میں نے ابھی تک شادی نہیں کی۔'' پشپا نے جواب دیا۔

''تو پھر بات میری سمجھ میں نہیں آسکی۔'' نارمن بولا۔ ''تمہیں شو بزنس سے دلچسپی بھی ہے

اور تم اس طرف آنا بھی نہیں چاہتیں۔ میری بات کا یقین کرو۔ اگر تم.....''

''سوری مسٹر نارمن....'' پشپا نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی۔ ''میں اس کی وضاحت بھی نہیں کر سکتی کہ دلچسپی ہونے کے باوجود میں شو بزنس میں کیوں نہیں آنا چاہتی۔''

نارمن عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور پشپا سوچ رہی تھی کہ اگر وضاحت کر بھی دوں تو وہ نہیں سمجھ سکے گا۔ دنیا کا کوئی بھی شخص نہیں سمجھ سکے گا۔ اسے تو ساری زندگی اس بددعا کے سائے میں گزارنی تھی۔ وہ اس سے پیچھا نہیں چھڑا سکتی۔

گلوبل کمپیوٹر کارپوریشن میں کام کرنے کے چند مہینوں بعد پشپا پر انٹرنیٹ کے بارے میں نئے نئے انکشافات ہونے لگے۔ یہ ایک ایسا دروازہ تھا جس کے پٹ چوپٹ کھلے ہوئے تھے اور دنیا بھر کے لوگوں سے رابطہ کیا جا سکتا تھا۔

پشپا اس روز اپنی دوست لیزا کے ساتھ ریڈ روز ریستوران میں بیٹھی کھانا کھا رہی تھی۔ لیزا بھی ایک کمپیوٹر کمپنی میں کام کرتی تھی۔ یہ ریستوران حال ہی میں کھلا تھا اور اس میں ایک شراب خانہ بھی تھا۔ یہاں خالص برطانوی ڈشیں تیار ہوتی تھیں اور پشپا اکثر یہاں آنے لگی تھی۔

''میرا ایک کام کرو گی لیزا؟'' پشپا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مجھے انٹرنیٹ کے بارے میں تفصیل سے سمجھا سکتی ہو؟''

''تم جانتی ہو کہ میں بھی ایک کمپیوٹر کمپنی میں ملازم ہوں۔'' لیزا نے جواب دیا۔ ''اور یہ ہماری کمپنی کی پالیسی کے خلاف ہے کہ.....''

''لعنت بھیجو کمپنی کی پالیسی پر۔'' پشپا نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''میں تم سے کوئی کاروباری راز نہیں پوچھ رہی۔ تم انٹرنیٹ کے بارے میں جانتی ہو اور میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ مجھے بھی سمجھا دو۔ یہ بالکل ذاتی معاملہ ہے۔''

''ٹھیک ہے!'' لیزا نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

اگلے روز پشپا، لیزا کے ساتھ اس کے دفتر پہنچ گئی۔ لیزا اسے انٹرنیٹ کے بارے میں سمجھانے لگی اور پھر اس کی انگلیاں کی بورڈ پر چلنے لگیں۔ پشپا پر سنسنی کی عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ اس کی نظریں سکرین پر جمی ہوئی تھیں جہاں ٹائپ شدہ سطریں ہر لحظہ تبدیل ہو رہی تھیں۔ دنیا بھر کے مختلف مقامات پر بیٹھے ہوئے لاکھوں لوگ ایک دوسرے سے تحریری گفتگو میں مصروف تھے۔ دلچسپ و عجیب گپ شپ چل رہی تھی۔

''حیرت انگیز!'' پشپا گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ ''میں اپنے فلیٹ کے لئے ایک کمپیوٹر

لینا چاہتی ہوں۔ کیا تم انٹرنیٹ سیٹ کر دو گی؟''

''یہ زیادہ مشکل نہیں ہے۔'' لیزا نے جواب دیا۔ ''تمہیں صرف اتنا کرنا ہے کہ.....''

''سمجھاؤ نہیں۔ سیٹ کر کے دینا۔'' پشپا نے اس کی بات کاٹ دی۔

اگلے روز رات کو پشپا اپنے فلیٹ میں کمپیوٹر کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس کی زندگی بدل گئی۔ انٹرنیٹ اس کے لئے ایسا جادوئی قالین ثابت ہوا تھا جس کے ذریعے پلک جھپکتے ہی دنیا کے کسی بھی حصے میں پہنچ سکتی تھی۔

پشپا کو اب کسی چیز سے دلچسپی نہیں رہی تھی۔ کلبوں میں جانا چھوڑ دیا۔ ہوٹل کر دی ختم کر دی۔ دفتر سے چھٹی ہوتے ہی وہ سیدھی گھر پہنچتی، کمپیوٹر آن کرتی اور انٹرنیٹ پر دور دراز کے ملکوں میں لوگوں سے گپ شپ شروع کر دیتی۔ انٹرنیٹ پر دنیا بھر سے رابطہ کرنا واقعی زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوا تھا۔ بہت سیدھا سادھا اور آسان کام تھا۔ انٹرنیٹ لائن پر ایک کی بٹن دباتے ہی سکرین پر ونڈو کھل گئی۔

پشپا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ کی بورڈ پر انگلیاں چلاتی رہی اور سکرین کو دیکھتی رہی۔ دنیا کے مختلف حصوں سے اس کا رابطہ ہو رہا تھا۔ ہالینڈ میں ہانس نام کا ایک آدمی شاید پہلے ہی سے انتظار کر رہا تھا۔ چند تعارفی جملوں کے تبادلے کے بعد ہانس نے کہا۔ ''تمہاری باتوں سے اندازہ ہوتا ہے تم بہت خوب صورت ہو۔ ملاقات کا کوئی چانس ہو سکتا ہے؟ خوش کر دوں گا تمہیں!''

پشپا اسے ٹاٹا کہتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ جنوبی افریقہ میں پال نام کا ایک شخص اس کا منتظر تھا۔ پشپا کے سوال کے جواب میں اس نے بتایا۔ ''میری عمر بتیس سال ہے۔ میں ڈاکٹر ہوں اور.....''

پشپا نے جھٹ سے ونڈو بند کر دی۔ ڈاکٹر کے نام سے ایک خوف ناک یاد اس کے ذہن میں ابھر آئی۔ اس کا دل اچانک ہی تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

پشپا نے کمپیوٹر بند کر دیا۔ آج کے لئے اتنا ہی کافی تھا۔

اگلی شام وہ ایک بار پھر کمپیوٹر کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے کئی لوگوں سے تحریری بات چیت کی۔ بے وقوف مرد کمپیوٹر پر بھی عشق جھاڑنے سے باز نہیں آتے تھے۔

پشپا کے لئے انٹرنیٹ ایک بڑا دلچسپ اور سنسنی خیز کھیل ثابت ہوا تھا۔ ہر ذات مختلف قبیل کے لوگوں سے اس کا تعارف ہوتا۔ پشپا اس کھیل سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہی تھی۔ وہ

جہاں بھی چاہتی پلک جھپکنے کی دیر میں پہنچ جاتی۔ اور پھر ایک رات آن لائن پر جم نامی ایک شخص سے ملاقات ہو گئی۔

''تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی پشپا!'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

''مجھے بھی بہت خوشی ہوئی۔ تم کہاں ہو جم؟'' پشپا نے پوچھا۔

''کیوبک میں۔'' جواب ملا۔

''اوہ کیوبک! کیسا شہر ہے؟ یقیناً بہت خوبصورت ہوگا۔ کیا تمہارے خیال میں تمہارا یہ شہر مجھے پسند آئے گا؟'' پشپا نے پوچھا۔ اس کا خیال تھا کہ سکرین پر فوراً ہی یس لکھا ہوا آ جائے گا۔ لیکن جواب مختلف تھا۔

''میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں نہیں جانتا تم کس قسم کی عورت ہو۔ کوئی فیصلہ کرنا تمہارے مزاج پر منحصر ہے۔''

پشپا کو یہ جواب پسند آیا تھا۔ اس کی دلچسپی بڑھ گئی۔ ''کیوبک شہر کا مزہ لینے کے لئے مجھے کس طرح کی ہونا چاہئے؟''

''کینیڈا کا یہ شہر کیوبک، امریکی سرحد کے قریب واقع ہے۔ تم اسے ''فرانسیسی شہر'' بھی کہہ سکتی ہو۔ کیوبک کے لوگ آزادی پسند ہیں۔ ہم کسی سے احکامات لینا پسند نہیں کرتے۔''

''مزاج کے اعتبار سے میں بھی کچھ ایسی فطرت کی واقع ہوئی ہوں۔'' پشپا نے جواب دیا۔

''پھر تو تمہیں یہ شہر یقیناً پسند آئے گا۔ جھیلوں اور پہاڑوں میں گھرا ہوا یہ شہر واقعی بہت خوبصورت ہے۔''

''گڈ! اچھا اب اپنے بارے میں کچھ بتاؤ۔'' پشپا نے ٹائپ کیا۔

''میری عمر اڑتیس سال ہے۔ ابھی تک شادی نہیں کی۔ ابھی تک پسند کی کوئی عورت نہیں ملی۔ ایک سے عشق چل رہا تھا جو چند روز پہلے ختم ہو گیا۔ کیا تم شادی شدہ ہو؟''

''نہیں! مجھے بھی ابھی تک اپنی پسند کا مرد نہیں مل سکا۔ تم کیا کرتے ہو؟'' پشپا نے پوچھا۔

''میری جیولری کی چھوٹی سی دکان ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم ایک نہ ایک دن یہاں ضرور آؤ گی اور میں تمہیں اپنی دکان دکھاؤں گا۔''

''کیا میں اسے تمہاری طرف سے دعوت نامہ سمجھوں؟'' پشپا نے پوچھا۔

''یہی سمجھ لو۔'' دوسری طرف سے جواب ملا۔

''مجھے تمہاری دعوت قبول ہے۔ کبھی موقع ملا تو ضرور آؤں گی۔'' پشپا نے جواب دیا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ شاید اسے ایسے ہی آدمی کی تلاش ہے۔ شاید یہی وہ آدمی ہے جو اسے بچا سکے

گا۔

انٹرنیٹ پر پشپا کا جم سے تقریباً ہر رات تبادلہ خیالات ہوتا تھا۔ ایک روز جم نے اپنی تصویر بھی سکرین پر ابھار دی۔ پشپا اچھل پڑی۔ وہ بڑی متاثر کن شخصیت کا مالک تھا۔ اگلی شب پشپا نے بھی اپنی تصویر سکرین پر اس کے سامنے پیش کر دی۔

''خوب صورت!'' سکرین پر جم کے ٹائپ کیے ہوئے الفاظ ابھرے۔ ''تم واقعی بہت حسین ہو۔ تمہارے بارے میں جو اندازہ لگایا تھا درست ثابت ہوا۔ تو پھر کیو بک کب آ رہی ہو؟''

''بہت جلد۔ اس وقت ٹاٹا۔''

پشپا نے کمپیوٹر بند کر دیا۔

اگلی صبح دفتر میں علی نواز کو عاشی سے باتیں کرتے دیکھ کر پشپا کی بھنویں سکڑ گئیں۔ پتہ نہیں علی نواز کو اس لڑکی میں کیا نظر آ گیا تھا کہ ہر وقت بھنورے کی طرح اس کے ارد گرد منڈلاتا رہتا تھا۔ پشپا سوچتے ہوئے عاشی کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے خیال میں عاشی ایک ٹھنڈی لڑکی تھی۔ وہ تو یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ زندگی سے کس طرح لطف اندوز ہوا جاتا ہے۔ اسے عاشی کی کوئی بھی بات پسند نہیں تھی۔ اسے کسی چیز سے دلچسپی نہیں تھی۔ شام ہوتے ہی گھر میں بند ہو جاتی۔ اس کا شمار ایسے لوگوں میں کیا جا سکتا تھا جو دنیا کی رنگینیوں کا لطف اٹھانے کی بجائے گھر میں بند ہو کر یا تو کتابیں پڑھتے ہیں یا ٹی وی پر بور قسم کے پروگرام دیکھتے ہیں۔ عاشی کو کھیلوں سے بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے کبھی انٹرنیٹ بھی استعمال نہیں کیا تھا۔ کمپیوٹر پر دیس ویس کے لوگوں سے ملاقات کی بات ہی کچھ اور تھی۔ اسے اب تک اندازہ ہی نہیں ہو سکا تھا کہ انٹرنیٹ استعمال نہ کر کے وہ کیا کچھ کھو چکی ہے۔ پشپا اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتی تھی کہ انٹرنیٹ کے ذریعے جم جیسے شخص سے اس کی ملاقات ہو گئی تھی۔

پشپا سوچ رہی تھی کہ اگر اس کی ماں زندہ ہوتی تو اسے انٹرنیٹ سے کتنی نفرت ہوتی۔ اسے تو ہر چیز سے نفرت تھی۔ وہ تو صرف چیخنا چلانا جانتی تھی۔ پشپا سے تو وہ کبھی خوش نہیں ہوئی تھی۔ پشپا اس حادثے کے بارے میں سوچنے لگی جس میں اس کی ماں کا انتقال ہوا تھا۔ اس کی خوفناک چیخیں پشپا کو اب بھی اپنے کانوں میں گونجتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ پشپا کو ماں کے مرنے کا کوئی افسوس نہیں تھا۔ اس کے برعکس اس یاد سے اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔

کوئی اور مقام، کوئی اور زمانہ ہوتا تو صوفیہ بلا شبہ ایک کامیاب مصورہ ہوتی۔ رنگوں سے لگاؤ کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا تھا کہ جیسے اس کی تمام حسیں رنگوں ہی میں ڈھل گئی تھیں۔ وہ رنگوں کو دیکھ سکتی تھی، سونگھ سکتی تھی اور ان کی آواز بھی سن سکتی تھی۔ وہ آواز کا رنگ بھی پہچانتی تھی۔

صوفیہ کی عمر بیس سال تھی۔ کسی کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا تھا کہ وہ حسین تھی یا عام سی شکل و صورت کی مالک۔ اس کا دارومدار بھی صوفیہ کے موڈ پر ہوتا تھا۔ حسین یا عام سی شکل و صورت سے قطع نظر اس میں بڑی کشش تھی۔ ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ اپنے آپ سے بالکل بے خبر تھی۔ اس نے کبھی یہ سوچنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی کہ وہ حسین ہے یا نہیں۔ وہ کسی قدر شرمیلی بھی واقع ہوئی تھی۔ ہمیشہ نرم لہجے میں بات کرتی۔ اسے کبھی چیختے چلاتے ہوئے نہیں سنا گیا تھا۔

صوفیہ روم میں پیدا ہوئی تھی۔ اس کا لہجہ سو فیصد اطالوی تھا۔ بڑا خوشگوار ترنم سا تھا اس کے انداز گفتگو میں۔ اسے روم سے عشق تھا۔ جب وہ روم میں تھی تو اس کے گلی کوچوں میں گھومتی رہتی تھی۔ کسی بلند مقام پر کھڑی ہو کر چاروں طرف پھیلے ہوئے شہر کو دیکھتی تو اسے لگتا کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہے روم میں ہے۔ قدیم عبادت گاہوں اور اجڑے ہوئے کھنڈرات کو دیکھتے ہوئے نجانے کیوں اسے یہ احساس ہونے لگتا کہ اس کا تعلق بھی اسی قدیم دور سے ہے۔

شہر کی کوئی قدیم تاریخی عمارت ایسی نہیں تھی جہاں صوفیہ کے قدموں کے نشان ثبت نہ ہوئے ہوں۔ ویٹیکن میوزیم اور بورجس آرٹ گیلری میں قدم رکھنے کے بعد تو واپس آنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ قدیم مصوروں کے کام کا اس نے بڑی گہرائی سے جائزہ لیا تھا۔ ان عظیم مصوروں کے کام سے وہ بے حد متاثر تھی۔ ان کے عجیب و غریب شہ پارے دیکھ کر بعض اوقات اس پر سنسنی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی۔ وہ اکثر سوچتی کہ کاش وہ بھی سولہویں صدی میں پیدا ہوئی ہوتی تاکہ ان عظیم فنکاروں کو اپنے سامنے چلتے پھرتے دیکھتی۔ ان سے ملی ہوتی۔ صوفیہ بھی مصورہ بننا چاہتی تھی۔ بچپن اور نوعمری میں وہ جب بھی رنگ اور برش لے کر بیٹھتی تو اس کی ماں کی ڈارک براؤن آواز اس کے کانوں میں زہر گھولنے لگتی۔

''تم کاغذ اور رنگ ضائع کر رہی ہو۔ تم میں کوئی بھی صلاحیت نہیں ہے۔''

جب وہ اٹلی سے امریکہ آئی تو اسے سیٹ ہونے میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ کہیں بھی اپنے آپ کو ایڈجسٹ نہیں کر پا رہی تھی۔ لیکن آخر کار کوپرٹینو میں اس کا دل لگ گیا۔ یہ چھوٹا سا پر سکون شہر اسے پسند آیا تھا۔ اسے گلوبل کمپیوٹر کارپوریشن میں کام بھی مل گیا جس سے

وہ مطمئن تھی۔ شہر میں کوئی بڑی آرٹ گیلری نہیں تھی۔ اس لئے صوفیہ ہفتہ وار تعطیلات پر سان فرانسسکو چلی جاتی جہاں اس کی تسکین کے لئے بہت سی آرٹ گیلریاں موجود تھیں۔

"تمہیں صدیوں پرانی ان تصویروں سے اتنی دلچسپی کیوں ہے؟" پیشا اکثر اس سے کہا کرتی۔ "میرے ساتھ کبھی کلب چلو۔ وہاں تمہیں زندگی کے حقیقی رنگ نظر آئیں گے۔"

"کیا تمہیں آرٹ سے کوئی دلچسپی نہیں؟" صوفیہ نے اسے گھورا۔

"آرٹ؟" پیشا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "یہ کون صاحب ہیں اور ان کا پورا نام کیا ہے؟"

صوفیہ ایسی باتوں سے چڑ جاتی۔

صوفیہ اکثر مایوسی کا شکار رہتی۔ ذہنی انتشار اور تنہائی کا احساس بعض اوقات اس قدر شدت اختیار کر جاتا کہ اپنے آس پاس گہما گہمی کے باوجود وہ اپنے آپ کو بالکل تنہا سمجھنے لگتی۔ وہ اب تک زندگی کے کسی ایک راستے کا تعین نہیں کر سکی تھی۔ اسے اپنے موڈ پر بھی کوئی بھروسہ نہیں تھا۔ وہ عجیب سے تضادات کا شکار تھی۔ کسی وقت بہت خوش ہوتی، قہقہے لگا رہی ہوتی۔ لیکن اچانک ہی مایوسی کا شکار ہو جاتی۔ اسے اپنے جذبات پر کوئی قابو نہیں تھا۔

صوفیہ دوسروں سے الگ تھلگ ہی رہتی۔ لیکن ایک ہستی ایسی بھی تھی جس سے وہ اپنے دکھ سکھ کہہ لیتی۔ پیشا کے سامنے وہ اپنے مسائل پر کھل کر بات کر لیتی اور پیشا کے پاس اس کے ہر مسئلے کا حل موجود تھا۔ وہ صوفیہ کی بات بڑی توجہ سے سنتی۔ خیالات کا تبادلہ ہوتا۔ اور آخر میں وہ کہتی۔ "تم نے اپنے آپ کو زندگی کی حقیقی خوشیوں سے دور رکھا ہوا ہے۔ اس لئے اس قسم کے مسائل کا شکار ہو۔ چلو! کسی کلب میں چلتے ہیں۔ سب کچھ بھول جاؤ گی۔"

پیشا کو دوسری لڑکیوں کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے بڑا مزہ آتا تھا۔ عاشی تو اس کا خاص موضوع تھی۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ پیشا کسی سے بات کر رہی ہو اور عاشی کے بارے میں گفتگو نہ ہو۔

"دیکھ رہی ہو اس کتیا کو؟" پیشا نے کہا۔ "وہ عورت نہیں، برف کی سل ہے۔"

"بہت سنجیدہ قسم کی لڑکی ہے۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تو کبھی دیکھی نہیں۔" صوفیہ نے تبصرہ کیا۔

"اس کتیا کو ہنسی کی نہیں، کسی اور چیز کی ضرورت ہے۔" پیشا بولی۔ "کوئی ایسی چیز جو اس پر جمی ہوئی برف کو پگھلا سکے۔"

صوفیہ کو سماجی کاموں اور خدمت خلق کا بھی بڑا شوق تھا۔ وہ ہفتے میں ایک بار اس خیراتی ادارے میں ضرور جاتی جہاں بے سہارا اور بے گھر لوگ دوسروں کے رحم و کرم پر پڑے رہتے

تھے۔ ان میں زیادہ تعداد ان بوڑھوں کی تھی جنہیں بیکار اور فالتو شے سمجھ کر گھروں سے اٹھا کر محتاج خانوں میں جمع کرا دیا گیا تھا۔ صوفیہ کو ایسے لوگوں سے ہمدردی تھی۔ اس نے ہفتے کا ایک دن ایسے بے سہارا لوگوں کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ وہ انہیں نہلاتی، ان کے کپڑے دھوتی اور اپنے ہاتھ سے انہیں کھانا کھلاتی۔ یوں تو اس محتاج خانے میں رہنے والا ہر فرد صوفیہ کو پسند کرتا تھا لیکن ایک ضعیف و ناتواں بڑھیا کو خاص طور پر اس کا انتظار رہتا تھا۔ وہ چلنے پھرنے سے معذور تھی۔ اس کا وقت بستر یا پہیوں والی کرسی پر گزرتا۔

"صوفیہ!" ایک روز اس بڑھیا نے کہا۔ "اگر میری کوئی بیٹی ہوتی تو میری خواہش ہے کہ وہ بھی تمہاری طرح ہوتی۔"

"محبت کے اس اظہار کا شکریہ!" صوفیہ نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔ لیکن اسی لمحہ کے اندر سے ایک سرگوشی ابھری۔ "اگر تمہاری کوئی بیٹی ہوتی تو وہ بھی تمہاری طرح ہوتی۔ سور کی تھوتھنی والی۔" اپنے اندر سے ابھرنے والی یہ سرگوشی سن کر صوفیہ کانپ اٹھی۔ اس نے تو کسی بھی فرد کے بارے میں کبھی ایسا سوچا بھی نہیں تھا۔ لگتا تھا جیسے اس کے اندر کوئی اور چھپا بیٹھا تھا جو ایسے پراگندہ خیالات اس کے دماغ میں ٹھونس رہا تھا۔

اس کے بعد اکثر ایسا ہونے لگا۔

ایک روز وہ جین کے ساتھ شاپنگ کر رہی تھی۔ جین بھی اسی گرجا کی رکن تھی جہاں صوفیہ جایا کرتی تھی۔ وہ ایک دکان کے سامنے رک گئیں۔

"دیکھو! کتنا خوبصورت لباس ہے۔" جین نے شوکیس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"واقعی بہت خوب صورت ہے۔" صوفیہ نے جواب دیا۔ اور اسی لمحے اس کے اندر کی آواز نے کہا۔ "اس جیسا بھدا لباس میں نے آج تک نہیں دیکھا اور یہ تمہارے بھدے جسم پر ہی اچھا لگے گا۔"

ایک روز صوفیہ گرجا کے ایک گورکن کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی۔ گورکن بہت خوش تھا۔ اس قسم کے مواقع کبھی کبھار ہی ملتے تھے۔

"تمہارے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے ہوئے کتنا اچھا لگ رہا ہے۔" گورکن نے کہا۔ "مجھے امید ہے تم آئندہ بھی ایسی مہربانی کرتی رہو گی۔"

"کیوں نہیں! مجھے بھی بہت خوشی ہو رہی ہے۔" صوفیہ نے جواب دیا۔ "مجھے تو گھن آ رہی ہے تم سے۔ آئندہ تمہارے قریب بھی نہیں آؤں گی گدھے۔" اس کے اندر کی آواز نے کہا۔

یہ بظاہر بہت چھوٹی چھوٹی باتیں تھیں مگر صوفیہ بہت پریشان ہو رہی تھی۔ ایک روز دفتر کی

طرف جاتے ہوئے ایک کار تیزی سے اس کا راستہ کاٹتے ہوئے نکل گئی۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ اکثر ایسا ہو جاتا تھا۔ مگر اس روز صوفیہ غبارے کی طرح پھٹ پڑی تھی۔ وہ دیر تک اس کار کے ڈرائیور کو گالیاں بکتی رہی۔

صوفیہ کو خود سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ اس کے دماغ میں ایسے اوٹ پٹانگ خیالات کیوں بھرے ہوئے ہیں؟ وہ دوسروں کو برا کیوں سمجھتی ہے اور ان کے لئے برائی کیوں سوچتی ہے؟ جب آسمان پر بادل چھائے ہوتے تو اس پر عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی۔ وہ چشم تصور سے دیکھتی کہ طوفانی بارش ہو رہی ہے۔ سڑکوں پر خوفناک حادثے ہو رہے ہیں۔ لوگ مر رہے ہیں۔ کوئی ہارٹ اٹیک سے مر رہا ہے اور کوئی قتل ہو رہا ہے۔

صوفیہ سر کو زور زور سے جھٹکنے لگتی اور جب اس کیفیت سے باہر آتی تو اپنے آپ میں ندامت سی محسوس کرنے لگتی کہ وہ دوسروں کے لئے برا کیوں سوچتی ہے۔

کبھی صوفیہ اپنے آپ کو بالکل مختلف رنگ میں دیکھتی۔ اس کا موڈ بہت خوشگوار ہوتا۔ قہقہے لگانے کو جی چاہتا۔ دوسروں کی خدمت کر کے خوش ہوتی۔ کسی ایسے موقع پر بھی اچانک ہی یہ خیال ذہن میں ابھر آتا کہ کسی بھی لمحہ اس کا ذہن تاریکی میں ڈوب جائے گا اور وہ اندھیروں میں کھو جائے گی۔

صوفیہ ہر اتوار کو باقاعدگی سے گرجا جاتی تھی۔ گرجا نے کچھ رفاہی پروگرام بنا رکھے تھے اور بعض لوگ ان پروگراموں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے رضاکارانہ طور پر اپنی خدمات پیش کرتے تھے۔ ان پروگراموں میں بیمار اور بے سہارا لوگوں کی خدمت، سکول ٹائم کے بعد بچوں کو پڑھانا اور دوسرے کام شامل تھے۔ صوفیہ نرسری کے بچوں کو پڑھایا کرتی تھی۔ اس کے علاوہ اس کی اور سرگرمیاں بھی تھیں۔ وہ بڑی عمر کے بچوں کو پینٹنگ بھی سکھاتی تھی۔

اس اتوار گرجا نے چندہ جمع کرنے کے لئے ایک چھوٹے سے میلے کا اہتمام کیا تھا۔ صوفیہ اپنی بنائی ہوئی کچھ پینٹنگز لے آئی تھی تاکہ انہیں بیچ کر رقم چرچ کو دی جائے۔ پادری فرینک ان پینٹنگز کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

''ان کے قدردان تو کسی آرٹ گیلری میں ہی مل سکتے ہیں۔'' پادری نے کہا۔ ''یہاں تمہیں زیادہ قیمت نہیں ملے گی۔ بہتر ہوتا کہ انہیں کسی بڑی آرٹ گیلری میں لے جاتیں۔''

''میرا خیال ہے یہ اتنی اچھی تصویریں تو نہیں ہیں۔'' صوفیہ نے انکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں کوئی باقاعدہ آرٹسٹ نہیں ہوں۔ اپنے ذوق کی تسکین کے لئے آڑی ترچھی لکیریں کھینچ لیتی ہوں۔''

بڑی تعداد میں لوگ اس میلے میں آئے تھے۔ باقاعدگی سے گرجا آنے والے ا[...] دوستوں کو بھی کھینچ لائے تھے۔ یہاں ان کی دلچسپی کا ہر سامان موجود تھا۔ اشیاء سے سجے ہو[...] سٹالوں کے علاوہ کھانے پینے اور گیمز کے بوتھ بھی موجود تھے۔ ہر سٹال اور ہر بوتھ پر رش تھا[...] لوگ ایسی چیزیں بھی خرید رہے تھے جو شاید مہینوں بعد بھی ان کے استعمال میں نہیں آ سکتی تھیں[...] لوگ محض گرجا کے چندے کے نام پر یہ چیزیں خرید رہے تھے۔

صوفیہ نے بھی ایک بوتھ میں اپنی بنائی ہوئی تصاویر سجا رکھی تھیں۔ بعض تصاویر تو ایسی تھیں[...] جن پر حقیقت کا گمان ہوتا تھا۔ ان تصاویر کو دیکھتے ہوئے اس کے اندر سے بار بار ایک سرگوش[...] ابھر رہی تھی۔ ''تم اپنا وقت اور پیسہ برباد کر رہی ہو۔ کیا ملے گا تمہیں؟''

''آہا!'' ایک آدمی ان تصاویر کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ''کیا یہ تم نے بنائی ہیں؟''

''ارے نہیں احمق کہیں کے! شہرہ آفاق مصور مائیکل اینجلو کی روح یہاں آئی تھی۔ یہ تما[...] تصاویر اسی نے بنائی ہیں۔'' صوفیہ کے اندر سے سرگوشی ابھری۔ لیکن وہ یہ الفاظ زبان پر نہیں لا سکی۔

''تم بڑی باصلاحیت ہو۔'' اس شخص نے کہا۔

''شکریہ!'' صوفیہ نے جواب میں کہا۔ ''تم تو پرلے درجے کے احمق ہو۔ تمہیں کیا پتہ ک[...] صلاحیت کیا ہوتی ہے۔'' اندر کی آواز نے سرگوشی کی۔

وہ پورا دن اسی طرح گزر گیا۔ لوگ اس کے سٹال پر آتے، تصویریں خریدتے اور اس کے فن کی تعریفیں کرتے رہے۔ صوفیہ ان کی باتوں پر، ان کے خلوص پر یقین کرنا چاہتی تھی لیکن اس کے اندر کی آواز بار بار کہہ رہی تھی۔ ''یہ سب جھوٹے ہیں۔ آرٹ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ تم انہیں بے وقوف بنا رہی ہو۔''

''ایک آرٹ ڈیلر بھی وہاں آیا تھا۔ وہ بعض بڑے آرٹسٹوں کے کام کی نقل تیار کروانے کے سلسلے میں اس کا فن خریدنا چاہتا تھا۔ لیکن صوفیہ نے انکار کر دیا۔

میلے کے اختتام تک صوفیہ کی بنائی ہوئی تمام تصاویر فروخت ہو چکی تھیں۔ اس نے ساری رقم ایک لفافے میں ڈال کر پادری کے حوالے کر دی۔

''شکریہ صوفیہ!'' پادری نے لفافہ لیتے ہوئے کہا۔ ''تم میں واقعی بڑی صلاحیتیں ہیں۔ ایک دن تم بہت بڑی مصورہ بنو گی۔''

صوفیہ کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ ''سن رہی ہو ماں؟'' اس نے دل ہی دل میں ماں کی روح کو مخاطب کیا۔ ''میں بہت بڑی آرٹسٹ بن سکتی ہوں۔''

صوفیہ سان فرانسسکو میں ہوتی تو اس کا زیادہ وقت میوزیم آف ماڈرن آرٹ میں گزرتا جہاں وہ امریکن آرٹ کا مطالعہ کرتی۔

بہت سے نوجوان آرٹسٹ دیواروں پر خوب صورت فریموں میں آویزاں بڑے بڑے مصوروں کے کام کی نقل تیار کرتے ہوئے نظر آتے۔ صوفیہ ایک نوجوان آرٹسٹ میں کچھ زیادہ دلچسپی لے رہی تھی۔ اس کی عمر پچیس چھبیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ دراز قامت، بھرے ہوئے جسم کا مالک وہ ایک خوبرو نوجوان تھا۔ اس کی آنکھوں میں ذہانت کی چمک نمایاں تھی۔ وہ ایک مشہور مصور کے کام کی کاپی کر رہا تھا۔ اس کا کام کرنے کا انداز بھی منفرد تھا۔ اس نے بھی محسوس کر لیا کہ صوفیہ اس کے قریب کھڑی گہری نظروں سے اس کے کام کا جائزہ لے رہی ہے۔

''ہیلو!'' وہ صوفیہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ اس کی آواز میں گرمجوشی تھی۔

''ہیلو!'' صوفیہ کے ہونٹوں پر بھی خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

''کیا خیال ہے؟'' آرٹسٹ نے اس تصویر کی طرف اشارہ کیا جس پر وہ کام کر رہا تھا۔

''بہت خوب صورت!'' صوفیہ نے جواب دیا۔ وہ منتظر تھی کہ اندر سے سرگوشی سنائی دے گی۔ ''احمق کہیں کا۔ یہ کیا جانے مصوری کیا ہوتی ہے۔'' لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہوئی جس پر اسے حیرت ہوئی تھی۔ ''واقعی شاندار!'' اس نے دوبارہ کہا۔

''شکریہ!'' آرٹسٹ مسکرا دیا۔ ''میرا نام رچرڈ ہے۔''

''اور میں صوفیہ ہوں۔''

''کیا تم روزانہ یہاں آتی ہو؟'' رچرڈ نے پوچھا۔

''میں سان فرانسسکو میں نہیں رہتی۔ لیکن جب بھی آنا ہوتا ہے یہاں بھی ضرور آتی ہوں۔''

''سان فرانسسکو میں نہیں تو پھر کہاں رہتی ہو؟''

''کوپرٹینو میں۔'' صوفیہ نے جواب دیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے اندر سے پھر وہ سرگوشی ابھرے گی۔ ''تمہیں اس سے کیا؟ میں کہیں بھی رہتی ہوں۔'' مگر اس مرتبہ بھی ایسا نہیں ہوا۔

''اچھی جگہ ہے۔ ایک چھوٹا سا خوب صورت اور پرسکون شہر۔'' رچرڈ نے کہا۔

''مجھے وہ جگہ پسند ہے۔'' صوفیہ نے کہا۔ اس مرتبہ بھی اس کے اندر سے کوئی مخالفت نہیں ہوئی تھی بلکہ اس سرگوشی نے اس کی تائید کی تھی۔ وہ حیران تھی کہ اسے آج کیا ہو رہا ہے۔

رچرڈ نے کینوس پر اپنا کام ختم کر لیا۔ ''مجھے تو بھوک لگ رہی ہے۔'' وہ صوفیہ کی طرف

دیکھتے ہوئے بولا۔ ''اگر میں کھانے کی دعوت دوں تو برا تو نہیں مانو گی؟''

''مجھے خوشی ہوگی۔'' صوفیہ نے جواب دیا۔ ''تم شکل سے ہی بدھو لگتے ہو۔ میں کسی اجنبی کی دعوت قبول نہیں کرتی۔'' اس کے اندر سے ایسا کوئی اعتراض نہیں ابھرا بلکہ اس سرگوشی نے اس کے الفاظ دہرائے تھے۔ ''مجھے خوشی ہوگی۔'' سوچ میں یہ تبدیلی صوفیہ کے لئے انوکھی بات تھی۔ لنچ پر وہ واقعی لطف اندوز ہو رہی تھی۔ اس دوران ایک مرتبہ بھی اس کے ذہن میں منفی سوچ نہیں ابھری تھی۔ وہ پہلے بڑے بڑے مصوروں کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ پھر صوفیہ اپنے اور روم کے بارے میں بتانے لگی۔

''میں کبھی روم نہیں گیا۔'' رچرڈ بولا۔ ''ہوسکتا ہے زندگی میں کبھی موقع مل جائے۔''

''تمہارے ساتھ روم کے گلی کوچوں میں گھومتے ہوئے واقعی مزہ آجائے گا۔'' یہ خیال اسی پراسرار سرگوشی کی صورت میں اس کے ذہن میں ابھرا تھا۔

وہ ابھی کھانا کھا رہے تھے کہ رچرڈ کو ریستوران میں اپنا دوست گیری نظر آگیا۔ وہ دونوں ایک ہی کمرے میں رہائش پذیر تھے۔

''ہیلو گیری!'' رچرڈ نے اسے آواز دے کر بلا لیا۔ ''مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم بھی یہاں آنے والے ہو۔ آؤ! ان سے ملو۔ یہ صوفیہ ہے۔ اور یہ گیری۔''

گیری کی عمر بھی پچیس چھبیس سال رہی ہوگی۔ چمکتی ہوئی نیلی آنکھیں اور لمبے بال جو کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔

''میری اور گیری کی دوستی بہت پرانی ہے۔'' رچرڈ نے کہا۔ ''ہم ہائی سکول میں ہمیشہ ایک ہی کلاس میں رہے ہیں۔''

''ہمارا دس سال کا ساتھ ہے۔'' گیری بولا۔ ''رچرڈ کے بارے میں اگر تم کچھ جاننا چاہو تو میں تمہیں بہت کچھ بتا سکتا ہوں۔''

''گیری!'' رچرڈ نے اسے گھورا۔ ''تمہیں کوئی اور کام نہیں؟ میرا مطلب ہے......''

''تمہارا مطلب میں سمجھ گیا۔'' گیری کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ ''میری پیشکش برقرار ہے۔'' اس نے صوفیہ کی طرف دیکھا۔ ''ٹھیک ہے! اب میں چلتا ہوں۔ لیکن تم دونوں سے ملاقات ہوتی رہے گی۔'' وہ دونوں گیری کو جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔

''صوفیہ!'' رچرڈ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا ہم دوبارہ مل سکتے ہیں؟''

''کیوں نہیں! مجھے خوشی ہوگی۔'' صوفیہ نے جواب دیا اور اس کے اندر کی آواز نے بھی

اس کی تائید کی تھی۔

وہ سوموار کی صبح تھی۔ صوفیہ نے پشپا کو رچرڈ کے بارے میں بتایا۔ وہ بڑی توجہ سے صوفیہ کی باتیں سن رہی تھی۔ ''اس سے زیادہ تعلقات مت بڑھانا۔'' پشپا نے اسے خبردار کیا۔ ''وہ مصور ہے۔ تصورات میں تو وہ عظیم الشان محل بھی تعمیر کر سکتا ہے مگر عملی زندگی میں یہ ادیب، شاعر اور مصور قسم کے لوگ فاقہ مستی میں ہی زندگی گزار دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ تمہیں ایک وقت کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نصیب نہیں ہوگی۔ تم نے دوبارہ اس سے ملنے کا وعدہ تو نہیں کر لیا؟''

''ہاں!'' صوفیہ مسکرا دی۔ ''میرا خیال ہے کہ وہ مجھے پسند کرنے لگا ہے اور..... میں بھی اسے پسند کرنے لگی ہوں۔''

اگلے اتوار کو گرجا کے اراکین کا اجلاس تھا۔ صوفیہ بھی اس میں شریک تھی۔ شروعات ایک معمولی سی بات سے ہوئی تھی جس نے دھواں دھار بحث کی صورت اختیار کر لی۔ پادری فرینک چالیس سال کی خدمات کے بعد گرجا سے ریٹائر ہو رہا تھا۔ اپنی سروس کے دوران اس نے واقعی گرجا کی بڑی خدمت کی تھی۔ ہر شخص اس کا گرویدہ تھا۔ انہیں اس کے ریٹائر ہونے کا افسوس بھی ہو رہا تھا اور آج کی اس خفیہ میٹنگ میں یہ طے کیا جانا تھا کہ ریٹائرمنٹ پر پادری فرینک کو کیا تحفہ دیا جائے۔ قیمتی گھڑی، نقد رقم یا کوئی خوب صورت پینٹنگ۔ لوگ جانتے تھے کہ پادری فرینک کو آرٹ سے بھی لگاؤ تھا۔

''کیوں نہ فادر کو اس کا ایک پورٹریٹ بنا کر پیش کیا جائے۔'' ایک ممبر نے تجویز پیش کی۔ ''گرجا کے پس منظر میں بنایا ہوا پورٹریٹ اسے یقیناً بہت پسند آئے گا۔ کیا تم یہ پورٹریٹ تیار کرنے کی ذمہ داری لے سکتی ہو مس صوفیہ؟'' اس شخص نے صوفیہ کی طرف دیکھا۔

''کیوں نہیں!'' صوفیہ نے جواب دیا۔ ''مجھے یہ خدمت انجام دے کر خوشی ہوگی۔''

''میری بیٹی بھی بہت اچھی مصورہ ہے اور میرا خیال ہے وہ صوفیہ سے زیادہ بہتر طور پر کام کر سکتی ہے۔'' والٹر نے کہا۔ وہ گرجا کا سینئر ممبر تھا اور چندہ بھی سب سے زیادہ دیتا تھا۔ وہ ایک کامیاب بزنس مین بھی تھا۔ گرجا کے معاملات میں تو وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ ہمیشہ اپنی بات منواتا تھا۔

''کیوں نہ دونوں کو موقع دیا جائے۔'' ایک اور ممبر نے تجویز پیش کی۔ ''جو تصویر زیادہ اچھی ہوگی وہ فادر کو پیش کر دی جائے گی۔''

یہ تجویز منظور کر لی گئی اور صوفیہ نے اسی روز کام شروع کر دیا۔ پورٹریٹ پانچ دن میں مکمل ہوا تھا۔ رنگوں کے انتخاب میں بڑی ذہانت اور مہارت کا ثبوت دیا گیا تھا۔ اسے بلاشبہ شاہکار قرار دیا جا سکتا تھا۔ اگلے اتوار کو دونوں پورٹریٹ میٹنگ میں پیش کر دیئے گئے۔ صوفیہ کا تیار کیا ہوا پورٹریٹ دیکھ کر لوگ دنگ رہ گئے۔

''شاندار!'' ایک ممبر نے کہا۔ ''لگتا ہے پادری فرینک ابھی کینوس سے باہر آ کر ہمارے ساتھ بیٹھ جائے گا۔''

''پادری کو بھی یہ پورٹریٹ بہت پسند آئے گا۔'' ایک اور ممبر نے کہا۔

''اس پورٹریٹ کو تو کسی بڑے میوزیم میں ہونا چاہئے صوفیہ!'' ایک اور ممبر نے کہا۔

والٹر خاموشی سے یہ سب کچھ سنتا رہا۔ پھر اس نے کاغذ میں لپٹا ہوا اپنی بیٹی کا بنایا ہوا پورٹریٹ نکال لیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ بھی بہت اچھا پورٹریٹ تھا مگر اس میں وہ بات نہیں تھی جو صوفیہ کے بنائے ہوئے پورٹریٹ میں تھی۔

''بہت اچھی تصویر ہے۔'' ایک ممبر نے رائے دی۔ ''لیکن صوفیہ کی بنائی ہوئی تصویر کے مقابلے میں زیادہ زوردار نہیں۔''

''میں اتفاق کرتا ہوں۔'' دوسرے ممبر نے اس کی تائید کی۔

''میرے خیال میں فادر کو یہی پورٹریٹ پیش کیا جائے۔'' ایک اور ممبر نے صوفیہ کے حق میں فیصلہ دیا۔

''یہ نہیں ہو سکتا۔'' والٹر ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''میری بیٹی ایک تسلیم شدہ پیشہ ور مصور ہے محض تصویریں دیکھنے کی شوقین نہیں۔ اس نے گرجا کی خدمت سمجھ کر فادر کا یہ پورٹریٹ بنایا ہے ہم اسے مسترد نہیں کر سکتے۔''

''لیکن مسٹر والٹر......''

''نہیں مسٹر......'' والٹر نے بات کاٹ دی۔ ''فادر کو صرف اور صرف میری بیٹی کا بنایا ہوا پورٹریٹ پیش کیا جائے گا۔ بصورت دیگر اسے سرے سے کوئی تحفہ ہی نہیں دیا جائے گا۔''

''یہ پورٹریٹ اچھا ہے۔'' صوفیہ نے والٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میرے خیال میں فادر کو یہی پیش کر دیا جائے۔''

والٹر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ ''فرینک کو یہ تحفہ پسند آئے گا۔'' اس نے اپنی بیٹی کے بنائے ہوئے پورٹریٹ کی طرف دیکھا۔

اور پھر اسی روز گھر واپس جاتے ہوئے والٹر کار کے حادثے میں ہلاک ہو گیا۔ صوفیہ نے یہ خبر سنی تو سکتے میں رہ گئی۔

☆

عاشی جمیل باتھ روم میں تھی۔ فوارہ کھلا ہوا تھا۔ وہ بارش کی طرح گرتے ہوئے پانی کی پھوار سے نہاتے ہوئے عجیب سا سکون محسوس کر رہی تھی۔ لیکن دفعتاً ایک آواز سن کر چونک گئی۔ دروازہ کھلنے یا بند ہونے کی آواز تھی۔ وہ ٹھیک طرح سے اندازہ نہیں لگا سکی۔ اس نے فوارہ بند کر دیا اور کچھ سننے کی کوشش کرنے لگی لیکن فلیٹ میں خاموشی تھی۔ سناٹا..... کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ وہ اپنی جگہ بے حس و حرکت کھڑی رہی۔ پانی کے قطرے اس کے بدن پر موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ اس نے تولیہ اٹھا کر بدن خشک کیا اور بہت محتاط انداز میں دروازہ کھول کر پہلے باہر جھانکا۔ پھر بیڈ روم میں آ گئی۔ ہر چیز اپنی جگہ پر موجود تھی۔ کسی گڑبڑ کے آثار دکھائی نہیں دیئے۔

"شاید وہ آواز میرا واہمہ تھی۔ کپڑے پہن لوں تو دوسرے کمروں میں دیکھتی ہوں۔" وہ کپڑوں کی الماری کے قریب آ گئی اور ایک دراز باہر کھینچ لی۔ اس کے ساتھ ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ وحشت زدہ سی نظروں سے دراز کو دیکھ رہی تھی۔ اس دراز میں اس کے زیر جامے تھے اور کسی نے یہاں کی تلاشی لی تھی۔ اس کے بریزر اور انڈر ویئر ایک دوسرے میں الجھے ہوئے بے ترتیبی سے پڑے تھے۔ حالانکہ وہ یہ چیزیں الگ الگ تہہ کر کے بڑے سلیقے سے رکھا کرتی تھی۔

عاشی کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ پیٹ میں گرہیں سی پڑتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ کون تھا؟ اس نے زیر جاموں کو اس طرح کھول کھول کر کیوں دیکھا تھا اور کیا سوچ کر ایسا کیا تھا؟ کیا مجھے پولیس کو بلانا چاہیے؟ لیکن وہ میری بات سن کر ہنسیں گے۔ طرح طرح کے سوالات کریں گے۔ "کیا تمہارا کوئی انڈر ویئر غائب تو نہیں ہوا؟ کسی نے تمہیں کوئی دھمکی دی تھی؟ کیا تمہیں کسی پر شبہ ہے؟"

پولیس ایسے ہی سوال کرے گی اور اس کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ مجھے پاگل سمجھیں گے۔

وہ الماری سے کپڑے نکال کر پہننے لگی۔ ساتھ ہی وہ سوچ رہی تھی کہ اسے جلد سے جلد

یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ کسی ایسی جگہ جہاں وہ اسے تلاش نہ کر سکے۔

لیکن نہیں! عاشی نے سر جھٹک دیا۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ ایسا بھی ممکن نہیں ہو گا۔ وہ اس کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ کہاں کام کرتی ہے جبکہ وہ خود اس پراسرار شخص کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔

عاشی نے ایک موقع پر یہ بھی سوچا تھا کہ وہ اپنی حفاظت کے لئے پستول یا ریوالور خرید لے۔ لیکن اس نے یہ خیال ذہن سے نکال دیا تھا۔ ہتھیاروں سے اسے ویسے ہی ڈر لگتا تھا۔ لیکن اب وہ بڑی شدت سے سوچ رہی تھی کہ اسے تحفظ کی ضرورت تھی۔ وہ باورچی خانے میں آ گئی۔ چند لمحے اِدھر اُدھر دیکھتی رہی۔ پھر گوشت کاٹنے والی چھری اٹھائی اور خواب گاہ میں آ کر اسے بستر کے برابر میز کی دراز میں رکھ دیا۔

باہر نکلنے سے پہلے اس نے ایک بار پھر اِدھر اُدھر دیکھا۔ کپڑوں کی الماری کی دراز کو دیکھتے ہوئے اچانک ہی اس کے ذہن میں یہ خیال ابھرا تھا کہ ممکن ہے کسی چیز کی تلاش میں اس نے دراز میں بھرے ہوئے زیر جاموں کو خود ہی اِدھر اُدھر کر دیا ہو۔ یا پھر یہ سوچ اس کی خوش فہمی کا نتیجہ تھی اپنے آپ کو تسلی دینے کے لئے۔

عمارت کی نچلی منزل کی لابی سے گزرتے ہوئے اس نے غیر ارادی طور پر دیوار پر لگا ہوا اپنے نمبر کا لیٹر بکس کھولا تو نیلے رنگ کا ایک لفافہ برآمد ہوا۔ بھیجنے والے کے نام کی جگہ ایریا ہائی سکول بیڈ فورڈ لکھا ہوا تھا۔ عاشی نے وہیں کھڑے کھڑے لفافہ کھول لیا۔ یہ سکول کی طرف سے سابق طلبہ کی تجدید ملاقات میں شرکت کا دعوت نامہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک کارڈ بھی تھا کہ اگر شرکت کا ارادہ ہو تو یہ کارڈ پوسٹ کر دیا جائے۔ دفتر جاتے ہوئے وہ اس دعوت نامے کے بارے میں سوچتی رہی جس میں لکھا تھا کہ تمام پرانے دوست تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ تمام پرانے دوست! لیکن شاید گوپال داس اس سے نہیں ملنا چاہتا ہو گا۔ گوپال داس کے نام پر اس کی بھویں سکڑ گئیں اور اسے گوپال کی بات یاد آ گئی۔ اس نے کہا تھا۔ "میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میرے ماموں نے شکاگو میں اپنی ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں مجھے ایک اچھی ملازمت کی پیشکش کی ہے۔ صبح سات بجے ایک ٹرین شکاگو کے لئے روانہ ہوتی ہے۔ تم سٹیشن پر پہنچ جانا۔"

عاشی کو سب کچھ یاد آ رہا تھا۔ گوپال پر اندھا اعتماد، ریلوے سٹیشن پر اس کے انتظار کا کرب۔ لیکن شاید عین وقت پر اس کا ارادہ بدل گیا تھا اور وہ اتنا بے وفا ثابت ہوا تھا کہ بعد میں بھی اس نے بتایا تک نہیں۔ اس سے معذرت نہیں کی۔

"نہیں! میں بیڈفورڈ نہیں جاؤں گی۔" اس نے سر جھٹک دیا۔

عاشی نے اس روز دوپہر کا کھانا علی نواز کے ساتھ کھایا تھا۔ وہ دونوں ریسٹوران کے ایک کیبن میں بیٹھے ہوئے تھے۔

"کہاں کھوئی ہوئی ہو؟" علی نواز نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ سوری!" عاشی چونک گئی۔ وہ اسے اپنے کپڑوں کی الماری کے دراز میں زیر جاموس کی تلاشی کے بارے میں بتانا چاہتی تھی لیکن یہ سوچ کر ارادہ بدل دیا کہ وہ اس کا مذاق اڑائے گا۔ وہ چند لمحے خاموش رہی۔ پھر سکول کے دعوت نامے کے بارے میں بتانے لگی۔

"اور تم جا رہی ہو؟" علی نواز نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"بالکل نہیں!" عاشی نے جواب دیا۔

"کیوں؟" علی نواز کے لہجے میں حیرت تھی۔ "ایسے مواقع تو زندگی میں کبھی کبھار ہی آتے ہیں۔ پرانے دوستوں سے ملنے کا موقع ملتا ہے۔ پرانی یادیں تازہ ہوتی ہیں۔"

عاشی ایک بار پھر خیالات میں کھو گئی۔ وہاں شاید گوپال بھی ہو۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی ہو گی اور شاید بچے بھی۔ وہ کیا کہے گا؟ معذرت کرے گا؟ سوری عاشی! میں اس روز ریلوے سٹیشن پر نہیں پہنچ سکا تھا۔ میں نے جھوٹ کہا تھا کہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔

"نہیں میں نہیں جا رہی۔" عاشی نے جواب دیا۔

لیکن وہ اس دعوت نامے کو ذہن سے نہیں نکال سکی۔ اسے سکول کے زمانے کے بعض ایسے دوست یاد آ رہے تھے جو اس سے ذرا قریب تھے۔ فلورنس سے تو اس کی دوستی بہت گہری تھی۔ وہ اب کیسی ہو گی؟ وہ بھی اس پارٹی میں آئے گی اور دوسرے دوست بھی آئیں گے اور ان دس برسوں کے دوران بیڈفورڈ میں کیا کیا تبدیلیاں آئی ہوں گی؟

عاشی بیڈفورڈ ہی میں پلی بڑھی تھی۔ اس کا باپ ڈاکٹر سلطان جمیل بیڈفورڈ کاؤنٹی کے میموریل ہسپتال کا انچارج تھا۔ اس کاؤنٹی میں سو سے زیادہ ہسپتال تھے اور میموریل ہسپتال ان سب سے بڑا تھا۔

بیڈفورڈ ایک خوب صورت شہر تھا جہاں پکنک کے لئے پارک، مچھلیوں کے شکار کے لئے دریا اور سوشل سرگرمیوں کے لئے لاتعداد مواقع موجود تھے۔ عاشی نے اپنی زندگی کے بہترین سال اسی شہر میں گزارے تھے۔ پرانی یادیں ایک ایک کر کے ذہن میں آ رہی تھیں۔ ان میں کچھ یادیں خوشگوار تھیں اور کچھ تکلیف دہ۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر وہ اس پارٹی میں شریک ہونے کے لئے بیڈفورڈ چلی جائے تو شاید گوپال شرم کے مارے اس کے سامنے نہیں آ سکے گا۔

اور پھر اس نے علی نواز کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا کہ وہ بیڈفورڈ جا رہی ہے۔ "میں جمعہ کو جاؤں گی اور اتوار کی رات واپس آ جاؤں گی۔" اس نے بتایا۔

"گڈ!" علی نواز مسکرا دیا۔ "کون سی فلائٹ سے آؤ گی؟ میں تمہیں لینے کے لئے ایئر پورٹ پہنچ جاؤں گا۔"

"شکریہ نواز! میں تمہیں بیڈفورڈ سے فون کر دوں گی۔" عاشی نے جواب دیا۔

دفتر واپس آ کر عاشی اپنے کیبن میں گھس گئی اور کمپیوٹر آن کر دیا۔ سکرین پر چھوٹے چھوٹے نقطے رقص کر رہے تھے جو کسی خاص ترتیب سے آپس میں ملتے جا رہے تھے۔ متحرک نقطوں کے ملاپ سے سکرین پر ایک ہیولہ سا وجود میں آ رہا تھا۔ وہ حیرت سے اس طرف دیکھتی رہی اور پھر اس کی آنکھوں میں وحشت سی بھرتی چلی گئی۔ ان چھوٹے چھوٹے نقطوں سے سکرین پر اس کا اپنا چہرہ بن گیا تھا اور پھر ان نقطوں ہی کے ملاپ سے سکرین کے اوپر والے حصے پر ایک ہاتھ نمودار ہوا جس میں لمبا سا تیز دھار چاقو بھی نظر آ رہا تھا اور چاقو تیزی سے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"نہیں.....!" عاشی چیخ اٹھی۔ اس نے کمپیوٹر بند کر دیا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

علی نواز اس وقت قریب ہی سے گزر رہا تھا۔ اس کی چیخ سن کر اندر آ گیا۔ "کیا ہوا عاشی؟"

عاشی کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ "سکرین.....سکرین پر......" وہ ہکلا کر رہ گئی۔

علی نواز نے جلدی سے آگے بڑھ کر کمپیوٹر آن کر دیا۔ سکرین پر ایک خوب صورت لان کا منظر ابھر آیا۔ بلی کا ایک بچہ گیند کو پنجوں میں پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کیا ہے؟" علی نواز نے عاشی کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"وہ.....وہ چلا گیا؟" عاشی ہکلائی۔

"کون چلا گیا؟" علی نواز کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کک.....کچھ نہیں۔" عاشی اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ "سوری نواز......میں کئی دنوں سے ذہنی انتشار میں مبتلا ہوں۔ شاید اس کی وجہ سے....."

"بہتر ہو گا کہ پہلی فرصت میں ڈاکٹر اسپیک مین سے مل لو۔" علی نواز اسے مشورہ دیتا ہوا چلا گیا۔

عاشی ڈاکٹر اسپیک سے پہلے بھی مل چکی تھی۔ وہ میڈیکل ڈاکٹر نہیں، ماہر نفسیات تھا۔ عاشی کے ادارے نے اپنے ملازمین کے لئے اس کی خدمات حاصل کر رکھی تھیں۔ ڈاکٹر اسپیک کی عمر پچپن کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ اس کا دفتر بھی اسی عمارت کے ایک دوراُفتادہ حصے میں واقع تھا۔

''گزشتہ رات میں نے ایک خوف ناک خواب دیکھا تھا۔'' عاشی کرسی پر بیٹھی ڈاکٹر کو بتا رہی تھی۔ ''میں ایک وسیع و عریض میدان میں بھاگ رہی ہوں جہاں ہر طرف پھولوں کے پودے ہیں۔ لیکن..... وہ پھول نہیں بڑے بھیانک اور خوف ناک چہرے ہیں جو چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہے ہیں۔ لیکن الفاظ میری سمجھ میں نہیں آ رہے۔ میں کسی چیز کی طرف دوڑتی رہتی ہوں۔ مجھے نہیں معلوم وہ کیا چیز تھی۔'' عاشی نے آنکھیں کھول دیں۔

''کیا تم کسی سے بچنے کے لئے دوڑ رہی تھیں؟ میرا مطلب ہے کوئی تمہارا پیچھا کر رہا تھا؟'' ماہر نفسیات نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

''معلوم نہیں!'' عاشی نے جواب دیا۔ ''لیکن میرا خیال ہے حقیقی زندگی میں کوئی میرا پیچھا کر رہا ہے۔ تم شاید مجھے پاگل سمجھو لیکن مجھے لگتا ہے جیسے کوئی مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔''

''کون قتل کرنا چاہتا ہے تمہیں؟'' ڈاکٹر نے گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''پپ..... پتہ نہیں۔''

''تم نے کسی کو اپنا پیچھا کرتے ہوئے دیکھا ہے؟'' ڈاکٹر نے پوچھا۔

''نہیں!'' عاشی کا جواب مختصر تھا۔

''کسی کے ساتھ رہتی ہو یا اکیلی؟'' ڈاکٹر نے ایک اور سوال کیا۔

''اکیلی۔'' عاشی کا جواب اس مرتبہ بھی صرف ایک لفظ پر مشتمل تھا۔

''کوئی رومانس، میرا مطلب ہے کوئی ایسا مرد دوست جس سے تمہارے بہت قریبی اور بہت بے تکلفانہ تعلقات ہوں؟'' ڈاکٹر نے پوچھا۔

''نہیں! میرا ایسا کوئی دوست نہیں۔'' عاشی نے جواب دیا۔ ''میں آج تک کسی مرد کے اتنا قریب نہیں گئی کہ.....''

''سمجھ گیا۔'' ڈاکٹر بولا۔ ''ایسا ہوتا ہے۔ جس عورت کی زندگی میں کسی مرد کا دخل نہ ہو اس میں بعض اوقات ایسا جسمانی انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔''

عاشی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ سمجھ گئی کہ ڈاکٹر کیا کہنا چاہتا تھا۔

''میرا خیال ہے تم نے آج کل اپنے آپ پر بہت زیادہ کام کا بوجھ لاد رکھا ہے۔ بہرحال

پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ کام کی زیادتی کی وجہ سے ذہنی انتشار ہو گیا ہے۔ بہتر ہے چند روز آرام کرو اور ذہن پر کسی قسم کا بوجھ مت ڈالو۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''کوشش کروں گی۔'' عاشی نے جواب دیا۔

عاشی جب دفتر میں واپس آئی تو علی نواز اس کا انتظار کر رہا تھا۔ ''کیا کہا ڈاکٹر نے؟'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے عاشی کی طرف دیکھا۔

''وہ کہتا ہے۔'' عاشی نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''کام کی زیادتی کی وجہ سے ذہنی انتشار ہے۔ مجھے آرام کی ضرورت ہے۔''

''ٹھیک ہی کہتا ہے۔'' علی نواز نے کہا۔ ''تمہیں واقعی آرام کی ضرورت ہے اور اس کی شروعات اس طرح کرتے ہیں کہ آج تم چھٹی کر لو۔''

عاشی نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور اپنا کام سمیٹنے لگی۔ گھر کی طرف جاتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی کہ نواز واقعی مخلص دوست ہے۔

اگلے چند روز کے دوران عاشی صرف سکول کی تقریب کے بارے میں سوچتی رہی۔ ''میں وہاں جا کر غلطی تو نہیں کر رہی؟ اگر وہاں گوپال بھی ہوا تو؟ کیا اسے اندازہ ہوگا کہ اس نے مجھے کس قدر اذیت پہنچائی تھی؟ کیا اسے وہ سب کچھ یاد ہوگا یا بھول چکا ہوگا؟''

جس روز عاشی کو بیڈفورڈ جانا تھا اس رات وہ ایک لمحے کو بھی نہیں سو سکی تھی۔ اس نے کئی مرتبہ سوچا تھا کہ جانے کا ارادہ منسوخ کر دے لیکن ہر مرتبہ اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیتی۔

صبح ایئرپورٹ پہنچ کر اس نے ریزرویشن کاؤنٹر سے اپنا ٹکٹ لیا تو چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ یہ فرسٹ کلاس ٹکٹ تھا۔

''میرا خیال ہے ریزرویشن میں کوئی غلطی ہو گئی ہے۔'' وہ کلرک کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''یہ فرسٹ کلاس کا ٹکٹ ہے جبکہ میں ٹورسٹ کلاس میں سفر کرنا چاہتی ہوں۔''

''یہ ٹکٹ آپ نے ہی تبدیل کروایا تھا۔'' کلرک نے جواب دیا۔

''میں نے؟'' عاشی کے لہجے میں حیرت تھی۔

''آپ نے ٹیلی فون کر کے کہا تھا کہ اکانومی کی بجائے فرسٹ کلاس کا ٹکٹ بنا دیا جائے۔'' کلرک نے اسے کاغذ کی ایک سلپ دکھائی۔ ''یہ آپ کے کریڈٹ کارڈ کا نمبر ہے نا؟''

عاشی نے کاغذ پر لکھا ہوا نمبر دیکھ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ نمبر اس کے کریڈٹ کارڈ کا تھا لیکن اس نے ٹکٹ تبدیل کرنے کے لئے فون نہیں کیا تھا۔

ہو۔" قق..... قتل..... کیسا قتل؟" وہ ہکلا کر رہ گئی۔

"وہ خدایا!" فلورنس نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ "کیا تمہیں معلوم نہیں؟"

"کیا معلوم نہیں؟" عاشی بولی۔ "کیا کہنا چاہتی ہو؟ کھل کر بات کرو۔"

فلورنس چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ "گریجویشن پارٹی کے اگلے روز گوپال کے والدین چھٹیاں منا کر گھر واپس پہنچے تو گوپال اپنے کمرے میں مردہ پڑا تھا۔ اسے قتل کیا گیا تھا۔ اس کے جسم پر کسی تیز دھار آلے سے زخموں کے متعدد نشان تھے اور..... اور اس کی مردانگی کا نشان کاٹ دیا گیا تھا۔" فلورنس نے آخری الفاظ آگے جھکتے ہوئے قدرے مدھم لہجے میں کہے تھے۔

عاشی کی آنکھیں وحشت سے پھٹی جا رہی تھیں۔ اسے ارد گرد کی ہر چیز گھومتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ اس نے دونوں ہاتھ میز کے کناروں پر جما دیے۔

فلورنس نے جلدی سے آگے جھک کر اس کا بازو پکڑ لیا۔

"مجھے افسوس ہے عاشی!" وہ مدھم لہجے میں بولی۔ "میرا خیال تھا تم نے اخبار میں پڑھ لیا ہوگا یا کسی اور ذریعے سے پتہ چل گیا ہوگا۔ لیکن اب انکشاف ہو رہا ہے کہ تم تو لندن چلی گئی تھیں۔"

عاشی کا دماغ گھوم رہا تھا۔ اس نے سختی سے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ چشم تصور سے دس سال پہلے کا وہ منظر دیکھنے لگی جب وہ رات کو چوری چھپے اپنے گھر سے نکل کر گوپال کے گھر کی طرف روانہ ہوئی تھی لیکن آدھے راستے سے لوٹ آئی تھی۔

"اگر اس رات میں اس کے گھر پہنچ جاتی تو شاید وہ اب بھی زندہ ہوتا۔" وہ سوچ رہی تھی۔ "یہ کیا ہو گیا میرے خدا؟ وہ مر چکا تھا اور میں اس سے نفرت کرتی رہی۔ اسے کس نے قتل کیا تھا؟ وہ کون ہو سکتا ہے؟"

ڈیڈی کی آواز اس کے کانوں میں گونجنے لگی۔ "میری بیٹی سے دور رہنا! سمجھے؟ اگر آئندہ تم یہاں نظر آئے تو تمہارے جسم کی ایک ایک ہڈی توڑ کر پھینک دوں گا۔"

عاشی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ "معاف کرنا فلورنس!" وہ معذرت آمیز لہجے میں بولی۔ "میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔"

وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی ہال سے باہر آ گئی۔ فلورنس کی باتوں نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ گوپال قتل ہو گیا تھا اور پولیس اس کی تلاش میں تھی۔ بعد میں پولیس نے اس کے باپ سے ضرور رابطہ کیا ہوگا لیکن انہوں نے کبھی ذکر تک نہیں کیا تھا۔

ہوٹل پہنچ کر عاشی نے اپنا سامان سمیٹا اور پہلی دستیاب فلائٹ سے کیلی فورنیا واپس پہنچ گئی۔ اس نے علی نواز کو اپنی واپسی کی اطلاع نہیں دی تھی۔ وہ رات بھر کرب میں مبتلا رہی۔ آخری پہر نیند آ گئی۔ اور اس رات اس نے بہت بھیانک خواب دیکھا تھا۔ ایک ہیولا غصے میں چیختے ہوئے گوپال پر خنجر سے پے در پے وار کر رہا تھا۔ گوپال تڑپ رہا تھا۔ پھر وہ بے حس و حرکت ہو گیا۔ اس کے جسم کے ہر حصے سے خون بہہ رہا تھا۔ اور پھر وہ ہیولا روشنی میں آ گیا۔

وہ اس کے والد ڈاکٹر سلطان جمیل تھے......

☆

اگلے چند مہینے عاشی کے لئے بڑے کرب و اذیت میں گزر رہے تھے۔ گوپال کی زخموں سے چور لاش کے تصور ہی سے وہ کانپ اٹھتی۔ کوشش کے باوجود وہ اس بھیانک تصور سے چھٹکارہ نہیں پا سکی تھی۔

عاشی نے ایک بار پھر ماہر نفسیات سے ملنے کا سوچا تھا۔ مگر پھر یہ خیال ذہن سے نکال دیا۔ وہ کسی کے سامنے اس معاملے پر بات نہیں کر سکتی تھی۔ وہ تو یہ سوچ کر ہی کانپ اٹھتی تھی کہ گوپال کو اس کے باپ نے قتل کیا ہوگا۔

اس روز بھی دفتر میں بیٹھی عاشی یہی سب کچھ سوچ رہی تھی۔ اس نے ان خیالات کو ذہن سے نکال کر کام پر توجہ دینے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکی۔ اس کا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ وہ کمپیوٹر پر کسی کمپنی کا لوگو تیار کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس میں بھی کامیاب نہیں ہو پا رہی تھی۔ اسے یہ بھی پتہ نہیں چلا تھا کہ تھوڑی دیر پہلے علی نواز اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا تھا اور بڑی گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا عاشی؟"

"اوہ!" عاشی چونک گئی۔ "ہاں! میں ٹھیک ہوں۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"تمہارے دوست کا مجھے بھی افسوس ہے عاشی!" علی نواز نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ عاشی نے اسے گوپال کے بارے میں بتا دیا تھا۔ علی نواز ہی ایک ایسا شخص تھا جس سے وہ دل کی بات کہہ سکتی تھی۔ "ویسے آج رات کا کھانا میرے ساتھ....."

"ابھی نہیں نواز...... عاشی نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں ذہنی طور پر کچھ سیٹ نہیں ہوں۔ اگلے ہفتے میں ضرور تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

"کوئی ایسی بات جس میں میری مدد کی ضرورت ہو؟" علی نواز نے پوچھا۔

"نہیں! شاید کوئی بھی میری مدد نہیں کر سکتا۔" عاشی بڑبڑائی۔

☆

''وہ کتیا کسی ذہنی الجھن کا شکار ہے۔'' پشپا نے صوفیہ کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

''اسے مزید الجھایا جا سکتا ہے اس طرح کہ وہ نکل نہ سکے۔''

''وہ واقعی مشکل میں پھنسی ہوئی ہے۔'' صوفیہ نے جواب دیا۔ ''مجھے اس کے لئے افسوس ہو رہا ہے۔''

''لعنت بھیجو اس پر۔'' پشپا بڑبڑائی۔ ''ہر شخص مشکلات کا شکار ہے اور مسائل میں الجھا ہوا ہے۔ ہم بھی! میں نے غلط تو نہیں کہا؟''

☆

وہ جمعہ کا دن تھا۔ عاشی دفتر سے نکل رہی تھی کہ ستیش مہتہ نے اسے روک لیا۔

''ہیلو عاشی!'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''مجھے ایک معاملے میں تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ کیا تم.....''

''سوری مسٹر مہتہ! میں ذرا جلدی میں ہوں.....''

''ابھی تک ناراض ہو مجھ سے؟'' ستیش مہتہ نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ ''میرا مسئلہ ایسا ہے کہ ایک عورت ہی بہتر اور مناسب رائے دے سکتی ہے۔ اور مجھے اس وقت تمہارے مشورے کی ضرورت ہے۔''

''میں اس وقت ایک ضروری کام سے جا رہی ہوں مسٹر مہتہ! پھر کسی وقت.....''

''نہیں!'' ستیش مہتہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''مجھے ایک لڑکی سے محبت ہو گئی ہے اور میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن کچھ الجھنیں پیدا ہو گئی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ تم اس سلسلے میں میری مدد کر سکتی ہو۔''

عاشی ستیش مہتہ کو پسند نہیں کرتی تھی۔ کوئی بھی اسے پسند نہیں کرتا تھا۔ لیکن اس وقت وہ جس لجاجت سے بات کر رہا تھا عاشی نے سوچا کہ اس کی بات سن لینے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اس وقت وہ جلدی میں تھی۔

''کیا تم کل تک میرا انتظار نہیں کر سکتے؟''

''نہیں! معاملہ خاصا گھمبیر ہو گیا ہے۔ اب میں ایک منٹ بھی انتظار نہیں کر سکتا۔ میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ صرف چند منٹ۔'' ستیش مہتہ نے کہا۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ اگر عاشی نے انکار کر دیا تو وہ رو پڑے گا۔

''ٹھیک ہے!'' عاشی کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔

''کہیں اطمینان سے بیٹھ کر بات کرتی ہوگی۔ تمہارے فلیٹ پر چلیں؟'' مہتہ بولا۔

''نہیں!'' عاشی نے انکار میں سر ہلا دیا۔ وہ جانتی تھی کہ مہتہ ایک مرتبہ اس کے فلیٹ میں گھس گیا تو اسے نکالنا مشکل ہو جائے گا۔

''تو پھر میرے گھر!'' ستیش بولا۔

''ٹھیک ہے چلو! وہیں چلتے ہیں۔'' عاشی نے جواب دیا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ جب چاہے گی وہاں سے اٹھ کر آ جائے گی اور اگر اس عورت والا مسئلہ حل ہو گیا تو مہتہ سے کم از کم اس کی جان چھوٹ جائے گی۔

☆

''وہ کتیا اس مکار بنئے کے گھر جا رہی ہے۔'' پشپا نے صوفیہ کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔ ''میں اسے اتنا احمق نہیں سمجھتی تھی۔ مہتہ ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑا ہوا ہے اس کے باوجود وہ بے وقوف بن رہی ہے۔ وہ اپنی کھوپڑی استعمال کیوں نہیں کرتی؟ ویسے تو وہ اپنے آپ کو بہت عقل مند سمجھتی ہے۔ لیکن اس وقت کس آسانی سے اس کے جال میں پھنس رہی ہے۔''

''وہ مہتہ کی مدد کرنا چاہتی ہے۔ اس میں بے وقوف بننے والی کیا بات ہے؟'' صوفیہ نے کہا۔

''سمجھنے کی کوشش کرو صوفیہ!'' پشپا نے کہا۔ ''تم اپنی کھوپڑی استعمال کرنا کب سیکھو گی؟ کیا تم نہیں جانتیں کہ یہ ستیش مہتہ اسے بوجھ تلے مسلنا چاہتا ہے۔''

''کیسی گندی باتیں کر رہی ہو تم۔'' صوفیہ نے کہا۔

''خوب صورت الفاظ سے حقیقت کو چھپایا نہیں جا سکتا۔'' پشپا نے کہا۔ ''دیکھ لینا وہ اس کا کیا حشر کرے گا۔''

☆

ستیش مہتہ کا فلیٹ دیکھ کر کسی مخبوط الحواس شخص کا تصور ذہن میں ابھرتا تھا۔ ایک کمرے کی دیوار پر پرانی خوف ناک فلموں کے پوسٹر لگے ہوئے تھے جنہیں دیکھ کر ہی خوف آتا تھا۔ دوسری دیوار پر ماڈل گرلز اور فلمی اداکاراؤں کی نیم عریاں تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ ان میں بعض بالکل عریاں ایسی تصویریں بھی تھیں جو غالباً معروف فحش رسالے پلے بوائے سے نکالی گئی تھیں اور ان کے ساتھ ہی کچھ جنگلی جانوروں کی تصویریں بھی لگی ہوئی تھیں۔

ہر کمرہ کچھ اسی قسم کا منظر پیش کر رہا تھا۔ پورے فلیٹ میں جگہ جگہ ہندو دیوتاؤں اور دیویوں

کی مورتیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔ یہ سب کچھ دیکھ کر عاشی کی آنکھوں میں وحشت سی ابھر آئی۔ مہتہ یقیناً پاگل تھا۔ کوئی ہوش مند شخص اپنے گھر میں ایسی چیزیں جمع نہیں کر سکتا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اسے زیادہ دیر یہاں نہیں رُکنا چاہئے۔ جتنی جلد یہاں سے نکل جائے اس کے حق میں اتنا ہی بہتر ہوگا۔

''تمہارے آنے پر مجھے بے حد خوشی ہو رہی ہے۔ میں واقعی خوش قسمت انسان ہوں۔ کھڑی کیوں ہو؟ آرام سے بیٹھ جاؤ۔'' مہتہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے ہونٹوں پر مکروہ سی مسکراہٹ تھی۔

''میں زیادہ دیر نہیں رک سکتی۔'' عاشی نے کہا۔ ''مجھے اس عورت کے بارے میں بتاؤ۔ کیا مسئلہ ہے؟''

''وہ بڑی حسین عورت ہے۔'' ستیش مہتہ نے کہتے ہوئے سگریٹ کا پیکٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''میں سگریٹ نہیں پیتی۔'' عاشی نے معذرت کر لی اور اسے پیکٹ سے ایک سگریٹ نکال کر سلگاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

''ڈرنک؟'' مہتہ نے سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں! میں شراب بھی نہیں پیتی۔'' عاشی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''تم تمباکو نوشی نہیں کرتیں اور شراب بھی نہیں پیتیں۔'' ستیش مہتہ کے ہونٹوں پر مکروہ سی مسکراہٹ آ گئی۔ ''حیرت ہے۔ مرد، عورت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ تمہیں اس سے بھی کوئی دلچسپی نہیں۔''

''مہتہ!'' عاشی نے اسے گھورا۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ مطلب کی بات کرو۔

مہتہ چھوٹے سے فرج کے قریب گیا اور دو بوتلیں نکال لیں۔ ایک شراب کی بوتل تھی اور دوسری جوس کی۔ اس نے پہلے جوس کی بوتل کھول کر گلاس میں انڈیلی اور گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''جوس سے تو انکار نہیں کر سکتیں۔ اس سے تمہارا دھرم بھرشٹ نہیں ہوگا۔ حالانکہ یہاں ہندو، مسلم لوگ جس طرح اپنے دھرم کی مٹی پلید کرتے ہیں وہ تم بھی جانتی ہو۔''

عاشی نے گلاس اس کے ہاتھ سے لے لیا اور ایک گھونٹ چکھ کر دیکھا۔ وہ جوس ہی تھا۔

''اس عورت کے بارے میں بتاؤ وہ کون ہے؟'' عاشی کہتے ہوئے ڈبل سیٹ والے کاؤچ پر بیٹھ گئی اور جوس کی چسکیاں لینے لگی۔

ستیش مہتہ بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گیا اور اپنے گلاس سے چسکی لیتے ہوئے بولا۔ ''میں

نے ایسی حسین عورت کبھی نہیں دیکھی۔ وہ بہت حسین ہے اور تمہاری طرح سیکسی بھی۔''

''اگر تم ایسی بے ہودہ باتیں کرو گے تو میں اٹھ کر چلی جاؤں گی۔'' عاشی نے دھمکی دے دی۔

''میں تو تمہاری تعریف کر رہا تھا۔'' مہتہ نے ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا۔ ''بہرحال! وہ بھی مجھے پسند کرتی ہے لیکن اس کے ماں باپ مجھے پسند نہیں کرتے بلکہ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔''

عاشی نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ خاموش بیٹھی جوس کی چسکیاں لیتی رہی۔ ستیش مہتہ بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''اگر میں اس پر دباؤ ڈالوں تو وہ مجھ سے شادی تو کر لے گی لیکن ماں باپ کو چھوڑنا پڑے گا اور اس کے ماں باپ بھی ہنگامہ کھڑا کر دیں گے۔ میں اس بات سے بھی ڈرتا ہوں کہ بعد میں وہ خود بھی مجھے الزام دے کہ اس نے میری وجہ سے اپنے ماں باپ کو چھوڑ دیا تھا۔ تم مسئلے کو سمجھ رہی ہو نا؟''

''ہاں میں..... میں.....'' عاشی ایک ہاتھ سے پیشانی مسلنے لگی۔ اس کا سر ایک دم بوجھل ہو گیا تھا اور آنکھوں کے سامنے اندھیرے کی چادر پھیلنے لگی جو گزرنے والے ہر لمحہ کے ساتھ گہری ہوتی چلی گئی۔

☆

عاشی کو آنکھیں کھولنے میں بھی دشواری ہو رہی تھی۔ پلکیں منوں بھاری ہو رہی تھیں۔ دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے جیسے روڈ رولر چل رہا ہو۔ جسم بھی ٹوٹتا ہوا سا محسوس ہو رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس نے بہت زیادہ نشہ کر رکھا ہو۔ اس نے بمشکل آنکھیں کھول کر اپنے اطراف کا جائزہ لیا اور اس کے ساتھ ہی اس کے جسم میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔

یہ کسی بہت ہی گھٹیا ہوٹل کا کمرہ تھا۔ وہ بستر پر آڑی ترچھی پڑی تھی۔ اس کے جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور وحشت زدہ سی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اس کے سر میں ایک بار پھر دھماکے ہونے لگے تھے۔ اسے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے اور یہ کون سی جگہ ہے اور وہ یہاں کیسے آئی تھی۔

بستر کے قریب ہی سٹینڈ پر سروس مینو رکھا ہوا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر وہ کارڈ اٹھا لیا۔

''شکاگو لوپ ہوٹل۔'' وہ بڑبڑائی۔ اسے جسم پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

''میں شکاگو کیسے آئی اور کب سے یہاں ہوں؟ جب میں ستیش مہتہ کے فلیٹ پر گئی تھی تو جمعہ کا دن تھا اور آج کیا دن ہے؟'' اس نے سوچتے ہوئے فون کا ریسیور اٹھا لیا۔

''روم سروس۔'' ریسیور پر آواز ابھری۔

''آج..... آج کیا دن ہے؟'' اس کے منہ سے بمشکل آواز نکل سکی تھی۔

''آج سترہ تاریخ.....''

''میں تاریخ نہیں، دن پوچھ رہی ہوں۔'' عاشی نے آپریٹر کی بات کاٹ دی۔

''آج پیر ہے۔ کیا میں کوئی مدد.....''

عاشی نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کے پورے جسم میں سنسنی کی لہریں سی دوڑ رہی تھیں۔ آج پیر ہے۔ دو راتیں اور دو دن اس کی زندگی سے غائب ہو گئے تھے۔ وہ بستر کے کنارے پر بیٹھ گئی اور یاد کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ ستیش مہتہ کی درخواست پر اس کے فلیٹ میں گئی تھی۔ وہاں اس نے جوس پیا تھا اور..... اس کے بعد اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا پھیلتا چلا گیا تھا۔

اس جوس میں بے ہوشی کی دوا ملی ہوئی تھی۔ اب ساری بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ ستیش مہتہ نے پہلے ہی سے ساری تیاری کر رکھی تھی۔ اس نے جوس کی بوتل میں بے ہوشی کی دوا پہلے سے ملائی ہوئی تھی اور کسی عورت کے مسئلے پر بات کرنے کے لئے وہ منت سماجت کر کے اسے اپنے فلیٹ پر لے آیا تھا۔ وہ واقعی بے وقوف تھی جو اس کے جال میں پھنس گئی تھی۔ اسے یاد نہیں کہ وہ شکاگو کے لئے کب ایئرپورٹ گئی تھی اور اس ہوٹل میں کب آئی تھی۔ وہ اکیلی نہیں ہو گی۔ اس کے ساتھ یقیناً وہ خبیث ستیش مہتہ بھی ہو گا۔ اور اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس کمرے میں اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔

''مجھے یہاں سے نکلنا چاہئے۔'' وہ سوچتے ہوئے اٹھ گئی۔ اپنے آپ کو برہنہ دیکھ کر اسے کراہیت سی محسوس ہونے لگی۔ وہ باتھ روم میں گھس گئی اور شاور کے نیچے کھڑی ہو کر جسم کو اس طرح ملنے لگی جیسے لتھڑی گندگی دھو رہی ہو۔ اس نے میلے سے تولئے سے اپنا جسم خشک کیا اور باتھ روم سے باہر آ کر اپنے کپڑوں کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ کمرے میں کہیں بھی اس کے کپڑے نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس نے ایک دیوار میں بنی ہوئی الماری کا پٹ کھولا تو اس میں سیاہ چمڑے کا ایک منی سکرٹ، ایک بلاؤز اور اونچی ایڑی والے پرانے سے سینڈلوں کا ایک جوڑا رکھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اُلجھن سی تیر گئی۔ کوئی چوائس نہیں تھی۔ اس نے وہی کپڑے پہن لئے اور آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنا جائزہ لینے لگی۔ اسے اپنے آپ سے شرم آ رہی تھی۔ اس لباس میں وہ ایک طوائف ہی لگ رہی تھی۔

اس نے کرسی پر رکھا ہوا اپنا پرس اٹھا لیا۔ اس میں چالیس ڈالر کی رقم، چیک بک اور کریڈٹ کارڈ موجود تھا۔ اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا اور دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ راہداری سنسان تھی۔ وہ لفٹ میں سوار ہو کر نیچے آ گئی۔ لابی کو دیکھ کر بھی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ تیسرے درجے کا گھٹیا ہوٹل تھا۔ کاؤنٹر پر ایک بھاری بھرکم نیگرو بیٹھا ہوا تھا۔ عاشی نے قریب پہنچ کر پوچھا تو انکشاف ہوا کہ ہوٹل کا بل ادا نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنا کارڈ کاؤنٹر کلرک کی طرف بڑھا دیا۔

''امید ہے تمہارا وقت بہت اچھا گزرا ہو گا۔'' نیگرو نے کریڈٹ کارڈ لیتے ہوئے کہا۔ سیاہ چہرے پر چمکتے ہوئے سفید دانت بہت عجیب سے لگ رہے تھے۔

عاشی اسے گھور کر رہ گئی۔ وہ نیگرو کے اس جملے کا مطلب سمجھ گئی تھی۔ ایک لمحے کو اسے خیال آیا کہ وہ استقبالیہ کلرک سے یہ تو دریافت کرے کہ اسے یہاں لے کر آنے والا ستیش مہتہ کب واپس چلا گیا تھا؟ لیکن پھر یہ خیال ذہن سے نکال دیا۔

نیگرو کلرک نے کریڈٹ کارڈ مشین میں ڈال دیا اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔ اس نے کارڈ نکال کر دوبارہ مشین میں ڈالا اور پھر عاشی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''سوری مس..... یہ کارڈ ختم ہو چکا ہے۔''

''ناممکن!'' عاشی کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''تم سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔ اسے دوبارہ چیک کرو۔''

کلرک نے ایک بار پھر کارڈ چیک کیا اور عاشی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''کیا آپ کے پاس کوئی دوسرا کارڈ نہیں ہے؟''

''نہیں! البتہ چیک ہے۔ کیا چیک لے سکتے ہو؟'' عاشی بولی۔

''اگر کوئی ضمانت ہو تو چیک بھی قبول کیا جا سکتا ہے۔'' نیگرو کلرک نے اس کے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا میں فون کر سکتی ہوں؟'' عاشی بولی۔

کلرک نے لابی میں ٹیلی فون بوتھ کی طرف اشارہ کر دیا۔ عاشی نے بوتھ میں داخل ہو کر ریسیور اٹھایا اور سان فرانسسکو میموریل ہسپتال کا نمبر ملانے لگی۔ کال ڈاکٹر سلطان جمیل کی سیکرٹری نے ریسیو کی تھی۔ اس نے بتایا کہ ڈاکٹر اس وقت آپریشن تھیٹر میں ہے۔

''وہ کب تک فارغ ہوں گے سارہ؟'' عاشی نے پوچھا۔

''کچھ کہہ نہیں سکتی۔ ویسے اس کے بعد وہ ایک اور آپریشن کرنے والے ہیں۔ اور.....''

''میرا ڈیڈی سے بات کرنا بہت ضروری ہے۔'' عاشی نے کہا۔ ''کیا تم میرا پیغام ڈیڈی تک پہنچا سکتی ہو؟ ان سے کہنا وہ جیسے ہی فارغ ہوں مجھے اس نمبر پر فون کر لیں۔ میں اس وقت شکاگو میں ہوں۔'' اس نے بوتھ پر لکھا ہوا نمبر نوٹ کروایا۔ ''جب تک ڈیڈی کی کال نہیں آتی میں یہیں بیٹھی رہوں گی۔''

وہ تقریباً ایک گھنٹے تک لابی میں بیٹھی رہی۔ آس پاس سے گزرتے ہوئے لوگ عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ اپنے آپ کو لوگوں کی نظروں کے سامنے بے لباس محسوس کر رہی تھی۔ اور پھر جیسے ہی فون کی گھنٹی بجی وہ لپک کر بوتھ میں گھس گئی۔ ''عاشی کیا بات ہے؟ کہاں ہو تم؟'' ہیلو کے جواب میں اسے اپنے باپ کی آواز سنائی دی۔

''میں اس وقت شکاگو میں ہوں۔'' عاشی نے جواب دیا۔ ''اس وقت تفصیل نہیں بتا سکتی۔ مجھے سان جوز کا ایئر لائن کا ٹکٹ چاہئے اور میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔''

''ایک منٹ انتظار کرو۔ دوسری طرف سے جواب ملا۔ پھر تین منٹ بعد ڈاکٹر سلطان کی

آواز سنائی دی۔ ''امریکن ایئر لائن کا ایک طیارہ صبح چار بجے شکاگو سے پرواز کرنے والا ہے۔ فلائٹ نمبر چار سو سات۔ ایئر پورٹ کے کاؤنٹر پر تمہیں ٹکٹ مل جائے گا۔ میں تمہیں لینے کے لئے سان جوز ایئر پورٹ پر پہنچ جاؤں گا۔''

''نہیں ڈیڈی!'' عاشی جلدی سے بولی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا باپ اسے اس حلیے میں دیکھے۔ ''میں ایئر پورٹ سے سیدھی اپنے فلیٹ چلی جاؤں گی۔ آپ زحمت مت کریں۔''

''ٹھیک ہے! تو پھر کل ڈنر پر ملاقات ہو گی۔ اس وقت تفصیل سے باتیں بھی ہوں گی۔'' ڈاکٹر سلطان جمیل نے کہا۔

''شکریہ ڈیڈی!'' عاشی نے کہتے ہوئے ریسیور ہک پر ٹانگ دیا۔

ہوٹل کا بل تیس ڈالر سے زیادہ نہیں تھا۔ عاشی کے پرس میں چالیس ڈالر کی رقم موجود تھی۔ اسے ہوٹل سے جان چھڑانے میں دشواری پیش نہیں آئی۔

جہاز پر سفر کے دوران عاشی اس صورت حال پر سوچتی رہی۔ ستیش مہتہ نے جو کچھ بھی کیا تھا وہ کسی طرح بھی قابل معافی نہیں تھا۔ اس نے اب تک پتہ نہیں کتنی لڑکیوں کو برباد کیا ہو گا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ مہتہ کے خلاف پولیس میں رپورٹ ضرور لکھوائے گی۔

اپنے فلیٹ میں داخل ہوتے ہی عاشی کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ پناہ گاہ میں آ گئی ہو۔ اس نے دروازہ بند کر دیا اور وہ کپڑے جسم سے نوچ کر پھینک دیئے۔ اسے ان کپڑوں سے بھی گھن آ رہی تھی۔ وہ دوسرے کپڑے نکالنے کے لئے کپڑوں کی الماری کی طرف بڑھی اور پھر ٹھٹک کر رک گئی۔ الماری کے ساتھ ہی ڈریسنگ ٹیبل پر سگریٹ کا ایک جلا ہوا ٹکڑا پڑا ہوا تھا۔

☆

وہ دونوں اوکس ریستوران میں کارنر کی ایک میز پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر سلطان جمیل گہری نظروں سے بیٹی کے چہرے کا جائزہ لے رہے تھے۔

''تم شکاگو کیا کرنے گئی تھیں؟'' آخر انہوں نے پوچھا۔

''پتہ نہیں۔'' عاشی نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔

''کیا مطلب؟'' ڈاکٹر نے اسے گھورا۔ ''تم شکاگو گئی تھیں اور تمہیں پتہ نہیں کہ کیوں گئی تھیں؟''

عاشی خاموش بیٹھی رہی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ باپ کو اصل صورت حال بتائے یا نہیں۔ پھر اس نے باپ کو اندھیرے میں رکھنا مناسب نہیں سمجھا۔ ہو سکتا ہے وہ اس کی مدد کر سکیں۔

''ستیش مہتہ نے کسی مسئلے پر مشورہ لینے کے لئے مجھے اپنے فلیٹ میں بلایا تھا۔'' اس نے

رُک رُک کر کہا۔

''ستیش مہتہ۔ وہ زہریلا ناگ!'' ڈاکٹر سلطان جمیل کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ عاشی نے عرصہ پہلے باپ سے اپنے ساتھ کام کرنے والوں کو متعارف کرایا تھا۔

''تم اس کے فلیٹ پر کیوں گئی تھیں اور کیا، کیا تھا اس شیطان نے تمہارے ساتھ؟''

عاشی سہم گئی۔ اسے فوراً ہی احساس ہو گیا کہ اس نے اپنے والد کو مہتہ کے بارے میں بتا کر بہت بڑی غلطی کی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کے ساتھ کسی مرد کا نام سنتے ہی اس کے والد غصے سے اُکھڑ جاتے تھے۔

''اس نے مجھے جوس دیا تھا۔ جسے پینے کے بعد میں.....'' باپ کے چہرے کو دیکھ کر اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اور پھر مختصراً بتانے لگی کہ جوس پیتے ہی وہ بے ہوش ہو گئی تھی اور جب ہوش میں آئی تو شکاگو کے ایک تیسرے درجے کے ہوٹل کے کمرے میں پڑی ہوئی تھی۔

اس رات عاشی بستر پر کروٹیں بدلتی رہی۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور اس کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر دفتر میں یہ بات پھیل گئی تو اس کی کتنی رسوائی ہو گی۔ لوگ اس کی طرف انگلیاں اٹھائیں گے۔ آتے جاتے اسے نفرت بھری نظروں سے گھوریں گے۔ لیکن آخر کار اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس خبیث مہتہ کو زبان کھولنے کا موقع نہیں دے گی۔ صبح سب سے پہلے اس کے خلاف پولیس میں رپورٹ کرے گی تاکہ اسے دفتر جا کر زبان کھولنے کا موقع ہی نہ ملے۔ آخر کار وہ یہ بھی جان گئی تھی کہ پراسرار طور پر اس کا پیچھا کرنے والا کون تھا۔

صبح ساڑھے آٹھ بجے وہ دفتر جانے کے لئے تیار ہو رہی تھی کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ ''ہیلو!''

''عاشی! میں علی نواز بول رہا ہوں۔ وہ خبر سنی تم نے؟''

''کون سی خبر؟'' عاشی نے پوچھا۔

''ٹی پر خبریں!'' علی نواز نے جواب دیا۔ ''کسی نے ستیش مہتہ کو قتل کر دیا ہے۔ لاش بھی پولیس کو مل گئی ہے۔''

عاشی کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اسے کمرے کی ہر چیز گھومتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ ''اُف خدایا!'' وہ اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ ''یہ کب اور کیسے ہوا؟''

''پولیس کے مطابق گزشتہ رات کسی نے اسے تیز دھار آلے سے قتل کر دیا ہے اور......

اور.....'' وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا۔ پھر جھجکتے ہوئے بولا۔ ''قاتل نے زیر ناف اس کے جسم کا نازک ترین حصہ بھی کاٹ دیا ہے۔''

عاشی پر جیسے سکتہ سا طاری ہو گیا۔ وہ بے حس و حرکت کھڑی ٹیلی فون کے ریسیور کو گھورتی رہ گئی۔

☆

دلیر سنگھ نے کاونٹی میں ڈپٹی شیرف کے عہدے تک پہنچنے کے لئے بڑی محنت کی تھی۔ وہ نہ صرف ایک محنتی پولیس افسر تھا بلکہ شیرف کا بہنوئی بھی تھا۔ البتہ شیرف کا بہنوئی بننے کے لئے اسے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی تھی۔ اس کی کام سے لگن اور کامیابی سے متاثر ہو کر شیرف نے اپنی بہن سیرینا کو انعام کے طور پر اس کی جھولی میں ڈال دیا تھا۔ سیرینا بہت بدمزاج، زبان دراز اور جھگڑالو قسم کی عورت تھی۔ یہ دلیر سنگھ ہی تھا جس نے اسے نکیل ڈالی ہوئی تھی۔ کوئی اور ہوتا تو بیوی کے ساتھ نوکری بھی چھوڑ کر بھاگ چکا ہوتا۔ کام کے معاملے میں دلیر سنگھ واقعی بڑا دلیر، فرض شناس اور کسی قدر سخت گیر آفیسر تھا۔ لیکن گھر میں اس کی شخصیت بالکل مختلف تھی۔ گھر میں وہ بڑا متحمل، نرم مزاج اور ٹھنڈے دماغ کا آدمی ثابت ہوا تھا۔ سیرینا ہر وقت لڑنے جھگڑنے پر آمادہ رہتی تھی۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر چیختا چلانا شروع کر دیتی تھی۔ دلیر سنگھ خاموشی سے سنتا رہتا اور جب سیرینا چیختے چیختے تھک جاتی تو وہ بڑے نرم لہجے میں اسے سمجھانے لگتا۔

دلیر سنگھ کئی سال پہلے ہندوستان سے امریکہ آیا تھا۔ امریکہ آنے سے قبل اس کی امرتسر کے نواحی علاقے میں کریانے کی دکان تھی۔ بمشکل گزارہ ہوتا تھا۔ اس کے محلے کے کئی لوگ ہانگ کانگ، سنگاپور، لندن اور امریکہ گئے ہوئے تھے۔ وہ ہر دوسرے تیسرے مہینے گھر والوں کو بڑی بڑی رقمیں بھیجتے تھے۔ ان گھروں کے ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر دلیر سنگھ کے منہ میں بھی پانی بھر آتا تھا۔ اور آخر کار وہ بھی اپنا سب کچھ بیچ باچ کر کسی طرح امریکہ پہنچ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ امریکہ میں دھن برستا تھا۔ لیکن یہاں آ کر پتہ چلا کہ یہاں کی زندگی تو ہندوستان سے بھی زیادہ کٹھن ہے۔ ڈالر کمانے کے لئے ہر شخص کو کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا تھا۔ ہندوستان کی طرح نہیں تھا کہ گھر کا ایک فرد کما رہا ہے اور باقی عیش کر رہے ہیں۔ یہاں ہر شخص کولہو کا بیل بنا ہوا تھا۔ سکول کے طلبہ اور طالبات بھی اپنے اخراجات پورے کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی کام کرتے تھے۔ کسی ریستوران میں پلیٹیں دھوتے یا بیرا گیری یا پھر بچوں کو سنبھالنے اور جھاڑو دینے یا جو بھی کام مل جائے۔ کوئی بھی شخص کوئی کام کرنے سے نہیں شرماتا تھا۔

تارکین وطن کے لئے تو یہاں کی زندگی کچھ زیادہ ہی کٹھن تھی۔ نئے آنے والوں کو تو نت نئے مسائل کا سامنا تھا۔ دلیر سنگھ کے پاس ورک ویزہ نہیں تھا اس لئے کام کے حصول میں اسے کچھ زیادہ دشواریاں پیش آ رہی تھیں۔ کہیں کام ملتا تو چوری چھپے کرنا پڑتا۔ آجر بھی ایسے لوگوں سے خوب فائدہ اٹھاتے تھے۔ انہیں آدھی سے بھی کم مزدوری دی جاتی اور کام گدھوں کی طرح لیا جاتا۔ ورک ویزے کے بغیر کام کرنے والے بہت سے لوگ پکڑے بھی جاتے تھے جنہیں واپس ان کے وطن بھیج دیا جاتا تھا۔ دلیر سنگھ کے ساتھ آنے والے دو آدمیوں کو اسی طرح پکڑ کر ہندوستان واپس بھیجا جا چکا تھا۔

دلیر سنگھ بھی طویل عرصے تک چھپ چھپا کر چھوٹے موٹے کام کرتا رہا۔ کبھی کسی ہوٹل میں ڈش واشنگ، کبھی کسی لانڈری پر کپڑے استری کرتا اور کبھی کسی دکان یا ورکشاپ میں صفائی وغیرہ کا کام کرتا۔ وہ کبھی کھل کر سامنے نہیں آیا تھا۔ زندگی بس یونہی چھپ چھپا کر بسر ہو رہی تھی۔

دلیر سنگھ اب پچھتا رہا تھا کہ وہ امریکہ کیوں آیا۔ اس نے کئی مرتبہ سوچا تھا کہ واپس چلا جائے۔ لیکن پھر کسی نے اس کے ذہن میں یہ بات ڈال دی کہ اگر وہ امریکہ کی شہریت حاصل کر لے تو نہ صرف آزادی سے یہاں رہ سکتا ہے بلکہ اسے کام بھی مل جائے گا۔ بتانے والے نے اسے شہریت حاصل کرنے کا طریقہ بھی بتا دیا تھا۔ کسی امریکی عورت سے کاغذی شادی۔

دلیر سنگھ نے ایک ایسی عورت بھی تلاش کر لی جو معقول شرائط پر اس سے کاغذی شادی کرنے کو تیار ہو گئی۔ اس طرح وقتی طور پر یہ مسئلہ حل ہو گیا۔ لیکن وہ معقول عورت بڑی نامعقول ثابت ہوئی۔ اس طریقے سے شہریت حاصل کرنے کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ ایک مقررہ مدت تک شادی برقرار رہے گی اور اگر اس دوران علیحدگی ہو گئی تو اسے کان سے پکڑ کر انڈیا جانے والے جہاز پر بٹھا دیا جائے گا۔ اس شرط سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ عورت دلیر سنگھ کو بلیک میل کرتی رہی۔ وہ اپنی کمائی کا ایک ایک ڈالر بڑی خاموشی سے اس کے حوالے کر دیتا۔

اور پھر قانونی شرط پوری ہوتے ہی دلیر سنگھ نے سب سے پہلے اس عورت سے طلاق حاصل کر کے اپنی جان چھڑا لی۔ اب وہ آزاد تھا۔ وہ طویل عرصہ تک نیو یارک میں بس کنڈکٹری کرتا رہا۔ پھر سان فرانسسکو آ گیا۔ یہاں بھی بہت سے پاکستانی اور ہندوستانی باشندے موجود تھے۔ ایک پاکستانی تاجر کے توسط سے اسے ایک ٹیکسی مل گئی اور وہ سان فرانسسکو کی پرہجوم سڑکوں پر ٹیکسی چلانے لگا۔ اسی دوران اس کی ملاقات میٹ نامی ایک شخص سے ہو گئی۔

میٹ کوپرٹینو کاؤنٹی کا شیرف تھا اور اکثر سان فرانسسکو آتا رہتا تھا۔ دلیر سنگھ سے بھی اس کی ملاقاتیں رہنے لگیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے خاصے بے تکلف ہو گئے۔ میٹ دلیر سنگھ کو پسند کرنے لگا تھا اور پھر اسی کے کہنے پر دلیر سنگھ سان فرانسسکو چھوڑ کر کوپرٹینو آ گیا اور وہاں پولیس میں ملازمت کر لی۔ دلیر سنگھ میٹ کی توقعات پر پورا اترا تھا۔ اس نے بہت جلد ایک دیانت دار اور فرض شناس پولیس مین کی حیثیت سے کاؤنٹی میں اپنا نام پیدا کر لیا اور پھر کاؤنٹی کے لوگوں کو یہ جان کر ذرا بھی حیرت نہیں ہوئی تھی کہ شیرف میٹ نے اپنی بہن سیرینا کی شادی دلیر سنگھ سے کر دی تھی۔

کاؤنٹی کے لوگ دلیر سنگھ کی دیانت داری اور فرض شناسی سے خوش تھے۔ محکمے کے لوگ بھی اسے پسند کرتے تھے۔ لیکن جب دلیر سنگھ ڈپٹی شیرف کے عہدے پر پہنچا تو بعض حلقوں کی طرف سے اس کی مخالفت شروع ہو گئی۔ شیرف میٹ نے اس موقع پر بھی دلیر سنگھ کا بھرپور ساتھ دیا۔ اس نے یہ موقف اختیار کیا کہ ایک پاکستانی تارک وطن لارڈ میئر ہو سکتا ہے تو دلیر سنگھ ڈپٹی شیرف کیوں نہیں بن سکتا؟

دلیر سنگھ نے یہ قانونی جنگ جیت لی اور ڈپٹی شیرف کی حیثیت سے اس کے اندر چھپی ہوئی صلاحیتیں کھل کر سامنے آنے لگیں۔ کچھ ہی عرصہ بعد اس نے اس حیثیت سے بھی اپنا لوہا منوا لیا۔

اس روز دلیر سنگھ اور شیرف میٹ دفتر میں بیٹھے کافی پی رہے تھے اور شیرف کہہ رہا تھا۔ ”سنا ہے کل رات سیرینا نے تمہیں بہت پریشان کیا تھا۔ تمہارے دو تین پڑوسیوں نے فون پر ہمیں شور شرابے کی شکایت کی تھی۔ سیرینا شور مچانے اور ہنگامہ کھڑا کرنے میں تو چیمپئن ہے۔“

”میں نے اس کا غصہ ٹھنڈا کر دیا تھا۔“ دلیر سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”شکر ہے اب وہ میرے ساتھ نہیں رہ رہی۔“ شیرف نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ”سمجھ میں نہیں آتا اسے بیٹھے بیٹھے کیا ہو جاتا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ تم.....“

”شیرف!“ ایک کانسٹیبل نے دروازے میں نمودار ہو کر اس کی بات کاٹ دی۔ ”ابھی ابھی نائن ڈبل ون پر اطلاع ملی ہے۔ سن ویل ایونیو پر ایک قتل ہو گیا ہے۔“

شیرف میٹ دلیر سنگھ کی طرف دیکھنے لگا۔

”میں دیکھ لیتا ہوں۔“ دلیر سنگھ کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

پندرہ منٹ بعد ڈپٹی شیرف دلیر سنگھ، ستیش مہتہ کے فلیٹ میں داخل ہو رہا تھا۔ ایک پولیس کانسٹیبل دروازے ہی میں کھڑا عمارت کے نگران سے باتیں کر رہا تھا۔

”لاش کہاں ہے؟“ دلیر سنگھ نے کانسٹیبل سے پوچھا۔

''اس طرف! بیڈ روم میں۔'' کانسٹیبل نے اشارہ کیا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی پیلاہٹ نظر آ رہی تھی۔

دلیر سنگھ بیڈ روم میں داخل ہو گیا۔ لیکن پہلا قدم اندر رکھتے ہی ٹھٹھک گیا۔ ایک لمحے کو اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔ پولیس میں آنے کے بعد اس کا واسطہ اس قسم کی چیزوں سے رہا تھا۔ اس نے قتل کی کئی وارداتوں کی تفتیش کی تھی۔ کئی لاشیں دیکھی تھیں لیکن یہ لاش دیکھ کر تو ایک لمحے کو وہ بھی کانپ اٹھا تھا۔ وہ ایک آدمی کی لاش تھی جو بستر کے دوسری طرف پڑی ہوئی تھی۔ کمرے میں ہر طرف خون ہی خون بکھرا ہوا تھا۔ وہ چند لمحے اپنی جگہ پر بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ پھر آگے بڑھ کر لاش کو دیکھنے لگا۔ مقتول کی پشت پر کسی ٹوٹی ہوئی بوتل سے پے در پے متعدد وار کئے گئے تھے۔ جسم کا پچھلا حصہ بالکل چھلنی ہو رہا تھا اور کئی زخموں میں شیشے کے ٹکڑے چمک رہے تھے اور اس سے بھی زیادہ خوف ناک بات یہ تھی کہ مقتول کی مردانگی کی علامت کو بھی کاٹ کر پھینک دیا گیا تھا۔

''ایسی سفاکی کا مظاہرہ میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔'' دلیر سنگھ بڑبڑاتے ہوئے ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ آلۂ قتل اگرچہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ لیکن اسے یقین تھا کہ تلاش کرنے پر وہ بھی کہیں نہ کہیں مل جائے گا۔

وہ بیڈ روم سے نکل کر نشست گاہ میں آ گیا جہاں عمارت کا نگران اب بھی موجود تھا۔

''مقتول کو جانتے ہو؟ یہ کون تھا؟'' دلیر سنگھ نے پوچھا۔

''اس کا نام ستیش مہتہ ہے۔ یہ فلیٹ اسی کا ہے۔ وہ تقریباً تین سال سے یہاں رہ رہا تھا۔'' عمارت کے نگران نے جواب دیا۔

لاش کا چہرہ دیکھ کر ہی دلیر سنگھ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ مقتول پاکستانی یا انڈین تھا۔ نام سے تصدیق ہو گئی تھی کہ وہ ہندو تھا اور ظاہر ہے اس کا تعلق بھی انڈیا ہی سے ہو گا۔

''اس کے بارے میں کچھ اور بتا سکتے ہو؟'' دلیر سنگھ نے اپنی ڈائری میں مقتول کا نام وغیرہ لکھتے ہوئے پوچھا۔

''زیادہ نہیں!'' اس شخص نے جواب دیا۔ ''اس کا زیادہ لوگوں سے ملنا جلنا نہیں تھا۔ عمارت میں رہنے والوں کو اس سے کوئی شکایت بھی نہیں تھی۔ کبھی کبھار وہ کسی عورت کو بھی یہاں لے آتا تھا۔ اور میرا خیال ہے وہ طوائفیں ہی ہوتی تھیں۔''

''یہ ستیش مہتہ کام کہاں کرتا تھا؟'' دلیر سنگھ نے ایک اور سوال کیا۔

''گلوبل کمپیوٹر کارپوریشن میں۔ سنا ہے وہ اپنے کام میں بڑا ماہر تھا۔'' جواب ملا۔

''لاش کس نے دریافت کی تھی؟'' دلیر سنگھ نے ڈائری میں نوٹ لکھتے ہوئے پوچھا۔

''صفائی کرنے والی ملازمہ نے۔'' اس شخص نے جواب دیا۔ ''کل چھٹی کا دن تھا۔ وہ نہیں آئی تھی۔ اور آج صبح.....''

''میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔'' دلیر سنگھ نے اس کی بات کاٹ دی۔

ماریا برازیل کی رہنے والی تھی۔ اس کی عمر چالیس سال اور رنگت آبنوسی تھی۔ ''صبح جب میں فلیٹ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو میرا خیال تھا کہ وہ جا چکا ہے۔ عام طور پر وہ دفتر جانے کے لئے نکل جاتا ہے۔'' ماریا بتا رہی تھی۔ ''میں نے حسبِ معمول پہلے نشست گاہ کی صفائی کی اور جیسے ہی بیڈ روم کا دروازہ کھولا تو.....'' وہ خاموش ہو گئی۔ خوف سے اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔

''صفائی سے پہلے اس کمرے کی کیا حالت تھی؟ میرا مطلب ہے تم نے یہاں سے کوئی چیز ہٹائی تو نہیں تھی؟ کوئی ایسی چیز.....''

''او ہاں! مجھے یاد آ گیا۔'' ماریا جلدی سے بولی۔ ''فرش پر شراب کی ایک ٹوٹی ہوئی بوتل پڑی تھی جس پر سرخ دھبے تھے۔ میں نے وہ بوتل مشین میں ڈال کر کرش کر دی تھی۔''

''اور کوئی ایسی چیز؟'' دلیر سنگھ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''میں نے ایش ٹرے بھی صاف کی تھی۔ اس میں سگریٹ کا صرف ایک ٹکڑا تھا جسے میں نے کوڑے دان میں پھینک دیا تھا۔'' ماریا نے جواب دیا۔

دلیر سنگھ اس کے ساتھ باورچی خانے میں آ گیا اور ایک طرف رکھے ہوئے کوڑے دان میں جھانکنے لگا۔ سگریٹ کا وہ ٹکڑا اوپر ہی نظر آ گیا جس کے فلٹر پر لپ سٹک کا نشان بھی تھا۔ اس نے بڑی احتیاط سے سگریٹ کا وہ ٹکڑا ایک لفافہ میں ڈال لیا۔ وہ دوبارہ نشست گاہ میں آ گئے۔

''تم تو روز یہاں آتی ہو ماریا! اور تمہیں معلوم ہی ہو گا کہ کون سی چیز کہاں رکھی ہوتی ہے۔'' دلیر سنگھ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ ''کیا تم بتا سکتی ہو کہ فلیٹ سے کوئی چیز غائب تو نہیں ہوئی..... کوئی قیمتی چیز؟''

ماریا نے ادھر اُدھر دیکھا۔ ''میرا خیال ہے نہیں!'' وہ بولی۔ ''مسٹر مہتہ کو یہ مورتیاں جمع کرنے کا شوق تھا۔ پتہ نہیں کہاں کہاں سے خرید کر لاتا اور منگواتا تھا۔ میرے خیال میں کوئی مورتی چوری نہیں ہوئی۔''

یہ ڈکیتی کی واردات نہیں ہو سکتی تھی۔ دلیر سنگھ نے سوچا۔ اسے سب سے پہلے یہ معلوم کرنا تھا کہ مقصدِ قتل کیا ہو سکتا ہے۔ منشیات، انتقام یا کوئی عشق! یہ معلوم کرنے کے لئے اسے یقیناً

محنت کرنی پڑے گی۔

دلیر سنگھ نے ماریا سے کچھ اور سوالات کئے۔ اس دوران کارونر اور اس کا عملہ پہنچ گیا تھا۔ دلیر سنگھ نے کارونر سے بات کی اور پھر انہیں کام کرتے ہوئے دیکھتا رہا۔

تین گھنٹے بعد دلیر سنگھ دفتر میں شیرف میٹ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔

''ہاں! کیا معلوم ہوا ڈپٹی؟'' میٹ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ستیش مہتہ گلوبل کمپیوٹر کارپوریشن میں ملازم تھا اور غیر معمولی ذہین آدمی سمجھا جاتا تھا۔'' دلیر سنگھ نے کہا۔

''غیر معمولی ذہین ہوتا تو اس طرح آرام سے قتل نہ ہو جاتا۔'' شیرف بولا۔

''قتل!'' دلیر سنگھ نے کہا۔ ''یہ تو بہت معمولی سا لفظ ہے۔ غیر متاثر کن۔ تم اس کی لاش کو دیکھتے تو کانپ اٹھتے۔ اسے اس قدر بے رحمی اور سفاکی سے موت کے گھاٹ اتارنے والا بھی کوئی غیر معمولی آدمی نہیں ہو سکتا۔ وہ جنونی تھا..... جنونی۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا۔ پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''ابھی تک حتمی طور پر یہ طے نہیں ہو سکا کہ اسے قتل کرنے کے لئے کون سا ہتھیار استعمال کیا گیا تھا۔ لیبارٹری رپورٹ کا انتظار ہے۔ لیکن مجھے شبہ ہے کہ اسے شراب کی ٹوٹی ہوئی بوتل سے قتل کیا گیا تھا جو صفائی کرنے والی ملازمہ کو فرش پر پڑی ہوئی ملی تھی۔ لیکن اس سے حماقت یہ سرزد ہوئی کہ اس نے بوتل کو مشین میں ڈال کر کرش کر دیا۔ لاش کے جسم کے زخموں میں بھی بوتل کے کچھ ٹکڑے ملے ہیں۔ ہو سکتا ہے ان پر قاتل کی انگلیوں کے نشان رہ گئے ہوں۔ میں نے اس عمارت میں رہنے والے دوسرے لوگوں سے بھی کچھ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن کسی نے بھی کسی کو ستیش مہتہ کے فلیٹ پر آتے یا جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس کا پڑوسیوں سے زیادہ ملنا جلنا بھی نہیں تھا۔''

''یہاں اس قسم کی یہ پہلی واردات ہوئی ہے۔'' شیرف نے کہا۔ ''اخبارات تو طوفان کھڑا کر دیں گے۔ اس لئے جتنی جلد ممکن ہو سکے قاتل کا سراغ لگانے کی کوشش کرو۔''

''میں ابھی گلوبل کمپیوٹر کارپوریشن کے دفتر جا رہا ہوں۔ وہاں سے ستیش مہتہ کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے گا۔'' دلیر سنگھ یہ کہتے ہوئے دفتر سے باہر نکل گیا۔

☆

ایک گھنٹہ گزر جانے کے بعد بھی عاشی یہ فیصلہ نہیں کر پائی تھی کہ اسے دفتر جانا چاہئے یا نہیں۔ وہ بری طرح بکھر کر رہ گئی تھی۔ ''مجھے دیکھتے ہی ہر کوئی سمجھ جائے گا کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔'' وہ سوچ رہی تھی۔ ''لیکن اگر میں دفتر نہ گئی تو تب بھی وہ لوگ یہ جاننا چاہیں گے کہ میں کیوں

نہیں آئی۔ پولیس بھی وہاں پہنچ چکی ہوگی۔ دفتر میں کام کرنے والوں سے پوچھ گچھ کی جا رہی ہوگی۔ وہ لوگ مجھ سے بھی پوچھیں گے۔ ایسی صورت میں مجھے سب کچھ بتانا پڑے گا۔ لیکن کوئی بھی میری بات کا یقین نہیں کرے گا۔ وہ مجھ پر ستیش مہتہ کے قتل کا شبہ کریں گے۔ اور اگر انہوں نے میری بات کا یقین کر بھی لیا اور میں نے انہیں یہ بھی بتا دیا کہ مہتہ نے میرے ساتھ جو کچھ کیا تھا میرے ڈیڈی کو بھی معلوم ہو گیا تھا تو وہ ڈیڈی پر قتل کا شبہ کریں گے۔''

گوپال داس کے قتل کے حوالے سے فلورنس کی باتیں اس کے ذہن میں گونجنے لگیں۔

''گوپال کے والدین چھٹیوں کے بعد واپس آئے تو اسے قتل کیا جا چکا تھا۔ اسے خنجر کے پے در پے وار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔''

عاشی نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ ''میں کیا کروں خدایا؟ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟'' وہ زور زور سے سر جھٹکنے لگی۔

☆

دلیر سنگھ گلوبل کمپیوٹر کارپوریشن کی عمارت میں مرکزی دفتر میں پہنچا تو بہت سے لوگ ٹولیوں کی صورت میں کھڑے مدھم لہجے اور سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ دلیر سنگھ کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ ان کی گفتگو کا موضوع کیا ہو سکتا تھا۔

ان لوگوں میں عاشی بھی موجود تھی۔ ڈپٹی شیرف کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں وحشت سی ابھر آئی۔ وہ اسے علی نواز کے دفتر کی طرف جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

''میں مسٹر ستیش مہتہ کے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔'' دلیر سنگھ نے علی نواز سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ''آپ اس کے بارے میں کیا بتا سکتے ہیں؟''

''اس کی موت کا ہم سب کو افسوس ہے۔'' علی نواز نے کہا۔ ''وہ پچھلے تین سال سے یہاں کام کر رہا تھا۔ غیر معمولی ذہانت کا مالک تھا۔ کمپیوٹر کا کوئی شعبہ بھی ایسا نہیں تھا جس میں اسے مہارت حاصل نہ تھی۔''

''اس کی سماجی زندگی کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو؟'' دلیر سنگھ نے پوچھا۔

''زیادہ نہیں! وہ الگ تھلگ رہنے کا عادی تھا۔'' نواز نے جواب دیا۔

''نشے یا جوئے کی عادت؟ یا وہ کسی کا مقروض ہو؟''

''اس کے بارے میں ایسی کوئی بات کبھی نہیں سنی گئی۔'' علی نواز نے جواب دیا۔ ''اس کی تنخواہ بھی بڑی معقول تھی۔ وہ دانتوں سے پکڑ کر پیسے خرچ کرنے کا عادی تھا اس لئے یہ سوچنا محال ہے کہ اس نے کسی سے کوئی بڑی رقم قرض لی ہو۔''

''عورتوں کے بارے میں کوئی بات! اس کی کوئی گرل فرینڈ؟''

''دفتر میں ہنسی مذاق تو ہوتا ہی رہتا تھا مگر اس کی ایسی دوستی کسی سے نہیں تھی۔'' علی نواز نے جواب دیا۔ ''البتہ پچھلے دنوں سننے میں آیا تھا کہ اسے کوئی لڑکی پسند آ گئی ہے جس سے وہ شادی کرنے والا ہے۔''

''کون ہے وہ لڑکی؟ اس کا نام، کوئی اتا پتا؟'' دلیر سنگھ نے پوچھا۔ علی نواز نے نفی میں سر ہلا دیا تو وہ بولا۔ ''اگر میں دفتر کے لوگوں سے کچھ پوچھنا چاہوں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟''

''مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟ تم جس سے چاہو مل سکتے ہو سردار جی!'' علی نواز نے جواب دیا۔

''او خوش کیتا ای!'' دلیر سنگھ مسکرا دیا۔ ''بڑے دنوں بعد کسی نے مجھے سردار جی کہا ہے۔''

علی نواز بھی مسکرا دیا۔ وہ دونوں دفتر سے باہر آ گئے۔ علی نواز نے ہال میں کھڑے ہوئے لوگوں کو اونچی آواز میں مخاطب کر کے کہا کہ ڈپٹی شیرف ان سے کچھ پوچھنا چاہتا ہے۔ اس سے تعاون کیا جائے۔

''مجھے معلوم ہے کہ آپ لوگوں کو مسٹر ستیش مہتہ کے قتل کا پتہ چل گیا ہوگا۔'' دلیر سنگھ نے ان سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''قاتل کا سراغ لگانے کے لئے ہمیں آپ کے تعاون اور مدد کی ضرورت ہے۔ اس کی کسی سے دشمنی یا کوئی ایسا شخص جو شدید نفرت کی بناء پر اسے قتل کرنا چاہتا ہو؟''

سب لوگ خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ دلیر سنگھ بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''سنا ہے پچھلے دنوں وہ کسی عورت میں دلچسپی لے رہا تھا جس سے وہ شادی کرنا چاہتا تھا۔ مہتہ نے آپ میں سے کسی کو اس عورت کے بارے میں کچھ بتایا ہو؟''

عاشی کے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے خیال میں اب موقع تھا کہ ڈپٹی شیرف کو بتا دیا جائے کہ ستیش مہتہ نے اس کے ساتھ کیا، کیا تھا۔ اسی لمحہ باپ کا چہرہ آنکھوں کے سامنے ابھر آیا تھا۔ عاشی نے جب ڈیڈی کو مہتہ کے بارے میں بتایا تو شدید نفرت اور غصے سے اس کے چہرے کے تاثرات بگڑ گئے تھے۔ اب اگر اس نے پولیس کو سب کچھ بتا دیا تو اس کے باپ پر قتل کا شبہ کیا جائے گا۔ ''نہیں! میرے ڈیڈی کسی کو قتل نہیں کر سکتے۔ وہ ایک ڈاکٹر ہیں، وہ ایک نامور سرجن ہیں اور...... اور ستیش مہتہ کے جسم کا نازک ترین حصہ کاٹ دیا گیا تھا۔''

ڈپٹی شیرف دلیر سنگھ کہہ رہا تھا۔ ''جمعہ کو دفتر سے جانے کے بعد کسی نے اسے دیکھا تھا؟''

پشپا سوچ رہی تھی۔ ''تم بولتی کیوں نہیں عاشی؟ آگے بڑھو اور اسے بتا دو کہ تم مہتہ کے فلیٹ میں گئی تھیں۔ زبان کیوں نہیں کھولتیں؟ ہونٹ کیوں سی لئے ہیں تم نے؟''

دلیر سنگھ چند لمحے خاموشی سے ان کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ ''ٹھیک ہے اگر آپ میں سے کسی کو کوئی بات یاد آ جائے تو مجھے فون کر دے۔ میرا نمبر علی نواز کے پاس موجود ہے۔''

وہ علی نواز کے ساتھ ہال سے باہر نکل گیا۔ عاشی کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

''اس دفتر میں کوئی ایسا فرد جس سے ستیش مہتہ کی دوستی یا بے تکلفی ہو؟'' دلیر سنگھ نے علی نواز کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میرے خیال میں مہتہ کی کسی سے بھی ایسی دوستی یا بے تکلفی نہیں تھی۔ البتہ وہ ہماری ایک کمپیوٹر آپریٹر میں دلچسپی لے رہا تھا۔ لیکن معاملہ تقریباً یکطرفہ ہی تھا۔ لڑکی کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔''

''اوہ!'' دلیر سنگھ چونک کر رک گیا۔ ''کیا وہ لڑکی اس وقت یہاں موجود ہے؟''

''ہاں! لیکن......''

''میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔'' دلیر سنگھ نے اس کی بات کاٹ دی۔

''ٹھیک ہے! تم میرے دفتر میں بیٹھ کر اس سے بات کر سکتے ہو۔'' علی نواز نے جواب دیا اور وہ دونوں واپس مڑ گئے۔

عاشی نے انہیں دوبارہ ہال میں داخل ہوتے دیکھا تو اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ انہیں اپنے کیبن کی طرف رخ کرتے دیکھ کر تو اس کے کانوں کی لویں تپنے لگیں۔

''عاشی! ڈپٹی تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہے۔''

علی نواز کی آواز سن کر عاشی نے ان کی طرف دیکھا۔ ''تو ڈپٹی کو پتہ چل گیا ہے۔ وہ اس سے ضرور پوچھے گا کہ وہ ستیش مہتہ کے فلیٹ پر کیوں گئی تھی۔ اس موقع پر مجھے محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔''

''تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا مس عاشی؟'' دلیر سنگھ نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

''نہیں! مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟'' عاشی کے حلق سے بمشکل آواز نکل سکی تھی۔ وہ ان کے ساتھ علی نواز کے دفتر میں آ گئی۔

''مجھے پتہ چلا ہے کہ ستیش مہتہ تم میں کسی قسم کی دلچسپی لے رہا تھا۔'' دلیر سنگھ نے اس کے

چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں! میں نے محسوس کیا تھا۔'' عاشی نے محتاط انداز میں جواب دیا۔

''اس کے ساتھ کہیں جایا کرتی تھی؟'' دلیر سنگھ نے سرد لہجے میں پوچھا۔

''نہیں.....'' عاشی نے مختصر سا جواب دیا۔ اس کے خیال میں اس روز مہتہ کے فلیٹ پر جانا بالکل مختلف بات تھی اور یہ رومانی ملاقات کے زمرے میں نہیں آتی تھی۔

''کیا اس نے کبھی تم سے اس عورت کے بارے میں بات کی تھی جس سے وہ شادی کرنا چاہتا تھا؟'' دلیر سنگھ نے پوچھا۔

عاشی نے فوراً ہی محسوس کر لیا کہ اس کے قدم دلدل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ہو سکتا ہے پولیس کو پہلے ہی معلوم ہو گیا ہو کہ وہ ستیش مہتہ کے فلیٹ میں گئی تھی اور انہوں نے فلیٹ سے اس کی انگلیوں کے نشان بھی محفوظ کر لئے ہوں۔ عاشی کے خیال میں اب وقت آ گیا تھا کہ پولیس افسر دلیر سنگھ کو ستیش مہتہ کی اس حرکت کے بارے میں بتا دیا جائے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے ذہن میں یہ خیال بھی آیا تھا کہ اس طرح وہ اس کے باپ کو ملوث کر لیں گے اور کڑیاں ملاتے ہوئے گوپال داس کے قتل تک پہنچ جائیں گے۔ پولیس جب کسی معاملے میں تفتیش شروع کرتی ہے تو گڑھے مردے تک اُکھاڑ لیتی ہے۔

ڈپٹی دلیر سنگھ گہری نظروں سے اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ ''مس عاشی! تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔''

''اوہ! کیا بات تھی؟'' عاشی چونک گئی۔ ''دراصل اس واقعہ سے میں بہت پریشان ہو گئی ہوں۔''

''کیا ستیش مہتہ نے تم سے اس عورت کا تذکرہ کیا تھا جس سے وہ شادی کرنا چاہتا تھا؟'' دلیر سنگھ نے اپنا سوال دہرایا۔

''ہاں..... لیکن مہتہ نے اس کا نام نہیں بتایا تھا۔'' اور یہ جھوٹ نہیں تھا۔ جواب دیتے ہوئے عاشی کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا تھا۔ اگر وہ ''نہیں'' کہہ دیتی تو شاید بات یہیں ختم ہو جاتی۔ لیکن شاید ان کے پاس تو اس کی انگلیوں کے نشان بھی تھے۔

''تم اس کے فلیٹ میں گئی تھیں؟'' دلیر سنگھ نے پوچھا۔

''ہاں!'' عاشی نے مختصر سا جواب دیا۔ اب واپسی کا اس کے پاس کوئی راستہ نہیں رہا تھا۔

دلیر سنگھ کی نظریں اب اس کے چہرے پر جیسے گڑی جا رہی تھیں۔ ''تم نے تو کہا تھا کہ تم اس کے ساتھ کبھی نہیں گئی تھیں۔''

''یہ درست ہے۔'' عاشی نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں نے اس کے ساتھ رومانی قسم کی ملاقات کبھی نہیں کی۔ دراصل وہ کچھ کاغذات بھول گیا تھا اور میں وہ کاغذات ہی دینے گئی تھی اور یہ تقریباً ایک ہفتہ پہلے کی بات ہے۔''

''اس سے پہلے یا بعد میں تم اس کے فلیٹ پر کبھی نہیں گئیں؟'' دلیر سنگھ نے پوچھا۔

''ہاں..... یہ پہلا اور آخری موقع تھا۔'' عاشی نے جواب دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی سوچا تھا کہ اگر انہوں نے فلیٹ سے اس کی انگلیوں کے نشانات محفوظ کر بھی لئے تھے تو اس کی وضاحت ہو گئی تھی کہ وہ کسی کام سے اس کے فلیٹ میں گئی تھی۔

دلیر سنگھ گہری نظروں سے اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا اور عاشی نظریں جھکائے بیٹھی سوچ رہی تھی کہ وہ انہیں سب کچھ سچ بتا دینا چاہتی تھی مگر یہ سچ اس کے لئے پھانسی کا پھندہ بن سکتا تھا۔ وہ اپنے دل کو تسلی دینے کے لئے سوچ رہی تھی کہ ممکن ہے کوئی چور فلیٹ میں گھس گیا ہو جس نے مہتہ کو قتل کر دیا تھا۔ یہ وہ چور بھی ہو سکتا ہے جس نے یہاں سے تین ہزار میل دور دس سال پہلے گوپال کو قتل کر دیا تھا۔ اس قسم کے اتفاقات کو یکسر رد تو نہیں کیا جا سکتا۔

اسے اپنے والد پر غصہ آنے لگا۔

''یہ بڑی سفاکانہ واردات ہے۔ لیکن سر دست اس کا کوئی مقصد بھی نظر نہیں آتا۔'' دلیر سنگھ کہہ رہا تھا۔ ''مجھے پولیس میں خدمات انجام دیتے ہوئے کئی سال گزر گئے ہیں لیکن آج تک ایسی کوئی واردات نہیں دیکھی جس کا کوئی محرک نہ ہو۔'' عاشی خاموش بیٹھی رہی۔ دلیر سنگھ نے کہا۔ ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ ستیش مہتہ منشیات استعمال کرنے کا عادی تھا؟''

''نہیں! وہ نشہ نہیں کرتا تھا۔'' عاشی نے جواب دیا۔

''اب تصویر کچھ اس طرح سامنے آتی ہے کہ ستیش مہتہ منشیات کا عادی نہیں تھا۔ اس کے فلیٹ سے کوئی چیز چوری نہیں ہوئی۔ وہ کسی کا مقروض نہیں تھا۔ اب صرف ایک ہی چیز باقی رہ جاتی ہے۔'' دلیر سنگھ اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''عشق و محبت کی کہانی۔ جس میں ایک آدھ رقیب بھی ہوتا ہے۔ تو کیا یہ سمجھ لیا جائے کہ اسے کسی رقیب نے قتل کیا ہو گا؟''

''یا کوئی باپ جو اپنی بیٹی کو بچانا چاہتا ہے۔'' عاشی نے سوچا۔

''میں بھی کوئی اندازہ نہیں لگا سکتی۔'' اس نے جواب دیا۔

دلیر سنگھ بدستور اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ ایک لمحہ کو ان کی نظریں ملیں اور عاشی کو یوں لگا جیسے وہ نظروں ہی نظروں میں کہہ رہا ہو۔ ''میں نے تمہاری کہانی پر یقین نہیں کیا۔''

عاشی کہنا چاہتی تھی ''کیسے کاغذات'' پھر یکایک اسے یاد آ گیا کہ پہلے اس نے کیا بیان دیا تھا۔ ''مجھے کوئی زحمت نہیں ہوئی تھی۔'' اس نے کہا۔ ''اس کا فلیٹ میرے راستہ ہی میں تو تھا۔ اس لئے میں نے وہ کاغذات اسے پہنچا دیئے۔

''میرا خیال ہے کوئی سٹیش مہتہ سے اتنی شدید نفرت کرتا ہوگا کہ اسے اس طرح بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔'' دلیر سنگھ نے کہا۔

عاشی خاموش بیٹھی رہی۔ اس کے اعصاب میں تناؤ پیدا ہو رہا تھا۔

''جانتی ہو مجھے کس چیز سے نفرت ہے؟'' دلیر سنگھ بولا۔ ''قتل کے وہ کیسز جن کا کوئی حل نظر نہ آتا ہو۔ میرا دماغ گھوم جاتا ہے۔ اگر قتل کا کوئی کیس حل نہ ہو سکے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ قاتل بہت ذہین تھا۔ ایسے معاملات میں، میں سمجھتا ہوں کہ پولیس ذہانت سے کام نہیں لیتی اور میرے ساتھ یہ خوش قسمتی رہی ہے کہ مجھے ایسا جو بھی کیس ملا ہے میں کامیاب ہوا ہوں۔ ڈپٹی شیرف کے عہدے تک پہنچنا میری ایسی ہی کامیابیوں کا ثبوت ہے۔'' وہ کھڑا ہو گیا۔ ''میں اس کیس سے بھی دل برداشتہ یا مایوس نہیں ہوں۔ ایک نہ ایک دن قاتل کو سلاخوں کے پیچھے ضرور پہنچاؤں گا۔ کوئی بات یاد آ جائے تو مجھے ضرور بتانا۔''

''ضرور!'' عاشی نے گردن ہلا دی۔

دلیر سنگھ چلا گیا اور عاشی سوچتی رہ گئی کہ کیا وہ مجھے وارننگ دینے آیا تھا۔

☆

انٹرنیٹ سے پشپا کی دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی۔ کمپیوٹر کے سامنے سے ہٹنے کو اس کا دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ وہ زیادہ تر کیو بک کے جم سے تبادلہ خیال کرتی رہتی۔ اس کے علاوہ بھی انٹرنیٹ پر اس کے لئے بہت سی دلچسپیاں تھیں۔ دنیا بھر میں لاکھوں لوگ تھے جو انٹرنیٹ پر ایک دوسرے سے پیغام رسانی میں مصروف تھے۔ پشپا کا بھی مختلف لوگوں سے رابطہ ہوتا رہتا۔ چند جملوں کا تبادلہ ہوتا اور پھر وہ آگے بڑھ جاتی۔

''ہیلو پشپا! کہاں تھیں تم؟'' میں بہت دیر سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔''

''میں بھی تمہیں تلاش کر رہی تھی ڈیئر!'' پشپا نے اس پیغام کا جواب دیا۔ ''اپنے بارے میں بتاؤ! تم کون ہو؟ کیا کرتے ہو؟''

''میں ایک فارمیسی میں ملازم ہوں۔ تمہارے لئے بہترین ساتھی ثابت ہو سکتا ہوں۔ کیا تم ہیروئن یا ایسی کوئی اور چیز استعمال کرتی ہو؟''

''لعنت ہو تم پر!'' پشپا نے بڑبڑاتے ہوئے راستہ بدل لیا۔

اور پھر اس کا معقول دوست جم لائن پر آ گیا۔

''ہیلو پشپا!'' سکرین پر تحریر ابھری۔ ''میں تمہیں بہت مس کر رہا ہوں۔ کاش! ہم بالمشافہ طور پر ایک دوسرے سے مل سکتے۔''

''تم سے ملنے کو تو میرا بھی دل چاہتا ہے۔ تمہاری تصویر دیکھ کر تو بے قراری کچھ اور بھی بڑھ گئی ہے۔'' پشپا نے جواب دیا۔

''میں نے بھی تمہاری تصویر دیکھی ہے۔ بہت حسین ہو تم۔ میرا خیال ہے ہم دونوں کا ایک دوسرے کے بارے میں جاننا بہت ضروری ہو گیا ہے۔ کیا تمہاری کمپنی کمپیوٹر کنونشن میں حصہ لینے کے لئے کیو بک آ رہی ہے؟''

''اوہ! مجھے اس کا علم نہیں۔ یہ کنونشن کب ہو رہا ہے؟'' پشپا نے پوچھا۔

''تقریباً تین ہفتے بعد۔ دنیا بھر کی بڑی بڑی کمپنیاں آ رہی ہیں اور مجھے امید ہے کہ تمہاری کمپنی بھی اس میں شریک ہو گی۔''

"ہونا چاہیے۔"

"کل اسی وقت رابطہ ہو سکتا ہے؟" جم نے پوچھا۔

"ضرور! کیوں نہیں؟" "اس وقت تک کے لئے خدا حافظ۔" پشپا نے کہتے ہوئے رابطہ منقطع کر دیا۔

☆

اس سے اگلی صبح علی نواز عاشی کے پاس کھڑا کہہ رہا تھا۔ "عاشی! تمہیں کچھ معلوم ہوا؟ کیوبک شہر میں ایک بہت بڑا کمپیوٹر کنونشن ہونے والا ہے۔"

"ہاں! سنا تو ہے۔" عاشی نے جواب دیا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے ڈائریکٹر سے میری بات ہو رہی تھی۔" علی نواز نے کہا۔ "میں اسے قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کنونشن میں ہماری کمپنی کی شرکت بھی بہت ضروری ہے۔ لیکن ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا۔"

"تمام بڑی بڑی کمپنیاں جا رہی ہیں۔" عاشی نے کہا۔ "سائمن ٹیک، مائیکرو سافٹ، ایپل اور دوسری کئی کمپنیاں اس کنونشن میں شریک ہوں گی۔ کیوبک شہر دنیا بھر کی کمپنیوں کو ایک بہترین موقع فراہم کر رہا ہے۔ اور میرا خیال ہے یہ اجتماع ان سب کمپنیوں کے لئے کرسمس کا بزنس ہوگا۔"

"ہاں! دیکھو کیا ہوتا ہے۔ ہماری کمپنی تو ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکی۔" علی نواز نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

اس سے اگلے روز علی نواز نے عاشی کو اپنے دفتر میں بلا لیا اور بولا۔ "کرسمس کے موقع پر کیوبک شہر کی سیر کیسی رہے گی؟" اس نے مسکراتے ہوئے عاشی کی طرف دیکھا۔

"اوہ!" عاشی چونک گئی۔ "تو ہماری کمپنی بھی جا رہی ہے؟ واقعی بڑا مزہ آ جائے گا۔"

عاشی واقعی خوش ہو رہی تھی۔ اب تک کا معمول یہ رہا تھا کہ ہر عید اور کرسمس کے موقع پر عاشی اپنے ڈیڈی کے ساتھ کہیں نہ کہیں ضرور جاتی تھی۔ باپ بیٹی ان دونوں تہواروں پر ضرور اکٹھے ہوتے تھے۔ لیکن اس مرتبہ صورت حال مختلف تھی۔ شاید یہ کرسمس ایسے ہی گزر جائے۔

"گرم کپڑے ساتھ لے لینا۔ وہاں بہت سردی ہوگی۔" علی نواز نے کہا۔

"فکر مت کرو۔ میں پورا انتظام کر کے جاؤں گی۔" عاشی نے جواب دیا۔

☆

پشپا انٹرنیٹ پر جم کو بتا رہی تھی۔ "ہیلو جم! ہماری کمپنی کیوبک سٹی کمپیوٹر کنونشن میں شریک ہو

رہی ہے۔"

"گڈ! مجھے یقین ہے تم بھی اس ٹیم میں شامل ہوگی۔ تو کب آ رہی ہو تم؟" پوچھا گیا۔

"دو ہفتوں میں۔" پشپا نے جواب دیا۔ "ہماری ٹیم میں پندرہ افراد شامل ہوں گے۔"

"مجھے لگتا ہے جیسے یہاں کوئی بہت اہم اور غیر معمولی بات ہونے والی ہے۔" جم بولا۔

"ہاں! مجھے بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے جیسے کوئی بہت ہی غیر معمولی واقعہ رونما ہونے والا ہے۔" پشپا نے جواب دیا۔

☆

عاشی اب بھی ہر رات باقاعدگی سے ٹی وی پر خبریں دیکھ رہی تھی جن سے پتہ چلتا تھا کہ ستیش مہتہ قتل کیس میں ابھی تک کوئی پیش رفت نہیں ہوئی تھی۔ وہ اب اپنے آپ کو بڑی حد تک پرسکون محسوس کر رہی تھی۔ اگر پولیس قتل کے اس کیس سے اس کا کوئی تعلق قائم نہ کر سکی تو اس کے ڈیڈی کو بھی کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے کئی مرتبہ سوچا تھا کہ ڈیڈی سے اس سلسلے میں کچھ دریافت کرے لیکن اس کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ اگر ڈیڈی بے گناہ ہوئے، ان کا اس واقعہ سے کوئی تعلق نہ ہوا تو وہ اس کے بارے میں کیا سوچیں گے کہ وہ ان پر قاتل ہونے کا شبہ کر رہی ہے؟ اگر وہ مجرم ہوئے تو؟ نہیں..... میں یہ سب کچھ نہیں جاننا چاہتی۔ اگر انہوں نے یہ سب کچھ کیا بھی ہے تو مجھے بچانے کے لئے کیا ہوگا۔

یہ سب کچھ سوچتے ہوئے عاشی نے سان فرانسسکو میں اپنے ڈیڈی کو فون کیا۔ "اس مرتبہ میں کرسمس کی چھٹیاں آپ کے ساتھ نہیں منا سکوں گی ڈیڈی!" اس نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔ "میری کمپنی مجھے ایک کنونشن میں شرکت کے لئے کینیڈا بھیج رہی ہے۔"

"کنونشن کے لئے بہت ہی غلط وقت کا انتخاب کیا گیا ہے۔" ڈاکٹر سلطان جمیل نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد جواب دیا۔ "تم جانتی ہو ہم عید اور کرسمس کے موقع پر ہمیشہ اکٹھے رہتے ہیں۔ تمہارے بغیر تو میں کوئی تہوار منانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میرے لئے تو سب کچھ تم ہو عاشی!"

"اور میرے لئے سب کچھ آپ ہیں ڈیڈی! لیکن اس مرتبہ مجبوری ہے۔"

"یہ کنونشن کہاں ہو رہا ہے؟" ڈاکٹر سلطان جمیل نے پوچھا۔

"کیوبک سٹی میں۔" عاشی نے جواب دیا۔

"خوب صورت شہر ہے۔ میں ایک مرتبہ وہاں جا چکا ہوں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا۔ پھر بولا۔ "ان دنوں ہسپتال میں میری کوئی خاص مصروفیت نہیں ہوگی۔ میں کرسمس کے روز

کیوبک پہنچ جاؤں گا اور رات کا کھانا ہم اکٹھے ہی کھائیں گے۔''

''لیکن میرا خیال ہے.....''

''تم جس ہوٹل میں ٹھہرو گی وہاں میرے لئے بھی کمرہ محفوظ کروالینا۔'' ڈاکٹر سلطان جمیل نے اس کی بات کاٹ دی۔''میں اس روایت کو نہیں توڑنا چاہتا۔''

''ٹھیک ہے ڈیڈی!'' عاشی نے مردہ سے لہجے میں جواب دیا اور فون بند کر دیا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ باپ کا سامنا کس طرح کر سکے گی۔

☆

صوفیہ اپنے آپ میں عجیب سی سنسنی محسوس کر رہی تھی۔''میں کیوبک سٹی کبھی نہیں گئی۔'' وہ پشپا سے کہہ رہی تھی۔''کیا وہاں میوزیم بھی ہیں؟''

''کئی میوزیم ہیں۔'' پشپا نے بتایا۔''وہاں سب کچھ ہے۔ میوزیم، آرٹ گیلریاں، سردیوں کے کھیل۔ سکیٹنگ.....''

''سرد اور برفانی موسم سے تو مجھے ویسے ہی نفرت ہے۔'' صوفیہ نے اس کی بات کاٹ دی۔''سردیوں کے کھیلوں سے تو مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی۔ موٹے موٹے دستانے پہنے ہونے کے باوجود میری انگلیاں سردی سے مڑنے لگتی ہیں۔ میں..... میں میوزیم اور آرٹ گیلریوں تک ہی محدود رہوں گی۔''

☆

گلوبل کمپیوٹر کارپوریشن کا وفد اکیس دسمبر کو کیوبک سٹی پہنچ گیا۔ اس وقت درجہ حرارت صفر سے نیچے تھا۔ سڑکیں اور عمارتوں کی چھتیں برف کی چادر سے ڈھکی ہوئی تھیں۔

جم نے پشپا کو انٹرنیٹ پر اپنا فون نمبر دے دیا تھا۔ پشپا نے ہوٹل کے کمرے میں آنے کے بعد سب سے پہلے اسی کو فون کیا۔

''مجھے فون کرنے میں دیر تو نہیں ہوگئی؟'' پشپا نے رابطہ ہونے پر پوچھا۔

''بالکل نہیں!'' جم نے جواب دیا۔''مجھے یقین نہیں آرہا کہ تم یہاں پہنچ چکی ہو۔ ہماری ملاقات کب ہو رہی ہے؟''

''ہمارا گروپ کل صبح کنونشن سنٹر جا رہا ہے۔ لیکن میں کھسک لوں گی۔ ہم دوپہر کا کھانا اکٹھے ہی کھائیں گے۔'' پشپا نے جواب دیا۔

''گڈ!'' جم نے کہا۔''ایلی سٹریٹ پر لی پیرس ریسٹوران ہے۔ کل دوپہر ایک بجے میں وہاں تمہارا انتظار کروں گا۔''

''میں پہنچ جاؤں گی۔'' پشپا نے جواب دیا۔

اگلے روز صبح نو بجے کنونشن ہال دنیا بھر سے آئے ہوئے کمپیوٹر ماہرین سے بھرا ہوا تھا۔ کمپیوٹر کی جدید ترین ٹیکنالوجی اور اس کی پیش رفت پر مباحثے ہو رہے تھے۔ ہر شخص بھرپور دلچسپی لے رہا تھا لیکن پشپا بری طرح بور ہو رہی تھی۔ اور آخرکار بارہ بج کر پینتالیس منٹ پر وہ اپنی سیٹ سے اٹھ کر ہال سے باہر آگئی۔ وہ چند لمحے سڑک پر اِدھر اُدھر دیکھتی رہی اور پھر ایک ٹیکسی پر بیٹھ کر لی پیرس ریسٹوران کی طرف روانہ ہوگئی۔

جم اس کا منتظر تھا۔ وہ دونوں چونکہ انٹرنیٹ پر ایک دوسرے کی تصویریں دیکھ چکے تھے اس لئے ایک دوسرے کو شناخت کرنے میں دشواری پیش نہیں آئی۔ دونوں نے اس ملاقات پر بڑی گرم جوشی کا اظہار کیا تھا۔

''میں اس بات کا خیال رکھوں گا کہ یہاں تمہیں بوریت نہ ہونے پائے اور تمہارا وقت بہت اچھا اور خوشگوار گزرے۔ یہ بہت خوب صورت شہر ہے۔ یہاں کی ہر چیز تمہیں بہت اچھی لگے گی۔'' جم نے کہا۔

''مجھے یقین ہے یہاں میرا وقت واقعی بہت اچھا گزرے گا۔'' پشپا مسکرائی۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم جتنے دن بھی یہاں رہو میرا زیادہ سے زیادہ وقت تمہارے ساتھ گزرے۔'' جم بولا۔

''لیکن کیا تمہیں اپنی جیولری کی دکان سے اتنا وقت مل سکے گا؟'' پشپا مسکرائی۔

''دکان میرے بغیر بھی چل سکتی ہے۔'' جم نے کہا اور ویٹریس کی طرف متوجہ ہوگیا جو مینو کارڈ لئے ابھی وہاں پہنچی تھی۔

جم نے پشپا سے پوچھ کر کھانے کا آرڈر دے دیا۔

کھانے کے دوران دونوں ایک دوسرے کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہے۔ پھر جم اسے اس شہر کے بارے میں بتاتا رہا۔ پشپا اپنے آپ کو بہت مطمئن اور پرسکون محسوس کر رہی تھی۔ اسے جم کی شخصیت پسند آئی تھی۔

وہ روزانہ اکٹھے ہی لنچ کرتے۔ کھانے کے بعد جم اسے گھمانے کے لئے لے جاتا۔ شہر کی گلیاں، بازار، قدیم عمارتیں، یہاں کے لوگ۔ پشپا ہر چیز میں بھرپور دلچسپی کا اظہار کر رہی تھی۔

دوسری طرف صوفیہ بھی اپنے طور پر سیر و تفریح میں مصروف تھی۔ لیکن اسے صرف شہر کی قدیم عمارتوں، میوزیم اور آرٹ گیلریوں سے دلچسپی تھی۔ آرٹ گیلریوں میں گھومتے ہوئے

اسے اکثر اپنا سان فرانسسکو والا آرٹسٹ دوست یاد آ جاتا اور وہ سوچتی کہ کاش یہاں وہ بھی اس کے ساتھ ہوتا۔

☆

شہر میں کرسمس کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ عاشی نے کئی مرتبہ سوچا تھا کہ ڈیڈی کو فون کر کے اسے یہاں آنے سے منع کر دے۔ لیکن وہ ہمت نہ کر سکی۔ کیا کہے گی؟ ''آپ قاتل ہیں۔ میں اب آپ کو دیکھنا بھی نہیں چاہتی؟''

وقت گزرتا رہا اور عاشی کی بے چینی بڑھتی رہی۔

☆

آؤ! آج میں تمہیں اپنا جیولری سٹور دکھاؤں۔'' جم نے اس روز کھانے کے بعد کہا۔

جواب میں پشپا نے مسکرانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

جم کا جیولری سٹور کیوبک شہر کے قلب میں واقع تھا۔ دروازے کے اندر قدم رکھتے ہی پشپا اچھل پڑی۔ انٹرنیٹ پر جم نے بتایا تھا کہ وہ ایک چھوٹے سے جیولری سٹور کا مالک ہے۔ لیکن یہ سٹور دیکھ کر پشپا کی آنکھیں حیرت سے پھٹی پڑ رہی تھیں۔ بہت بڑا اسٹور تھا۔ نصف درجن سے زیادہ سیلز مین تھے جو گاہکوں کے ساتھ مصروف تھے۔

''حیرت انگیز!'' پشپا چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''تم نے تو بتایا تھا کہ چھوٹا سا سٹور ہے۔ لیکن یہ......''

جم مسکرا دیا۔ ''میں تمہیں ایک چھوٹا سا تحفہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ ہماری ملاقات کی یادگار سمجھ لینا۔''

''یہ کوئی ضروری تو نہیں۔ دراصل میں......''

''انکار مت کرو۔ اسی میں میری خوشی ہے۔'' جم نے کہا اور اسے ایک شوکیس کے قریب لے گیا۔ ''کیا پسند کرو گی؟''

''یہ چیزیں بہت قیمتی ہیں۔ میں......''

''پلیز!'' جم نے اس کی بات کاٹ دی۔

''ٹھیک ہے!'' پشپا نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا اور جھک کر شوکیس میں دیکھنے لگی۔ درمیان میں زمرد کی ایک خوبصورت انگوٹھی رکھی ہوئی تھی۔ زمرد کے اطراف میں ہیرے جڑے ہوئے تھے۔

جم نے اس کی نظروں کو تاڑ لیا۔ کاؤنٹر سے چابی منگوائی اور شوکیس کا تالا کھول کر وہ انگوٹھی

نکال لی۔

''نہیں! یہ بہت قیمتی انگوٹھی ہے۔'' پشپا نے کہا۔

''تم سے زیادہ قیمتی نہیں۔'' جم نے کہا اور پشپا کے احتجاج کے باوجود انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنا دی۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تمہارا شکریہ کس طرح ادا کروں۔'' پشپا نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

''شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔'' جم مسکرایا۔ ''تمہیں اندازہ نہیں مجھے اس وقت کتنی خوشی ہو رہی ہے۔ اعتراض نہ ہو تو رات کے کھانے کی دعوت بھی میری طرف سے۔ پویلین ریسٹوران میں دنیا کے بہترین کھانے ملتے ہیں۔''

''مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟'' پشپا مسکرائی۔

''میں آٹھ بجے تمہیں فون کر دوں گا۔'' جم نے کہا۔

☆

اس شام چھ بجے عاشی نے ہوٹل کے کمرے میں اپنے باپ کی فون کال ریسیو کی۔ ''مجھے افسوس ہے عاشی!'' وہ کہہ رہے تھے۔ ''اس مرتبہ کرسمس پر ہم دونوں اکٹھے نہیں ہو سکیں گے۔ ارجنٹائن میں میرے ایک مریض کو دل کا دورہ پڑا ہے۔ شاید آپریشن کرنا پڑے۔ میں آج ہی رات کی فلائٹ سے جا رہا ہوں۔''

''مجھے واقعی افسوس ہو رہا ہے ڈیڈی!'' عاشی نے بظاہر افسردہ لہجے میں جواب دیا۔ لیکن دل ہی دل میں وہ خوش ہو رہی تھی۔

☆

پشپا تیاری کرتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ جم کو شاید اس سے محبت ہو گئی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اتنی قیمتی انگوٹھی اسے تحفہ میں نہ دیتا۔

پویلین ریسٹوران شہر کے پرانے ریلوے سٹیشن کے قریب ہی واقع تھا۔ داخلی دروازے سے ذرا آگے ایک لمبا بار کاؤنٹر تھا اور اس سے آگے پیچھے دور تک بڑے سلیقے سے میزیں لگی ہوئی تھیں۔ ہر رات گیارہ بجے درمیان سے کچھ میزیں ہٹا دی جاتیں اور خالی ہونے والی یہ جگہ رقص کے لئے استعمال کی جاتی۔

پشپا اور جم نو بجے وہاں پہنچے تو دروازے پر موجود ریسٹوران کے مالک نے بڑی گرمجوشی سے ان کا استقبال کیا۔

''ہیلو موسیو جم! تمہیں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ہے۔''

''شکریہ آندرے!'' جم مسکرا دیا۔ ''یہ میری دوست پشپا، اور یہ مسٹر آندرے۔'' اس نے دونوں کا تعارف کرایا۔

''بہت خوشی ہوئی۔ آپ لوگوں کی میز تیار ہے۔'' آندرے بولا۔

وہ دونوں اندر آ کر اپنے لئے مخصوص میز پر بیٹھ گئے۔ کھانے کا آرڈر بھی دے دیا گیا۔ کھانے کے دوران اور اس کے بعد بھی پشپا اپنی انگلی میں اس قیمتی انگوٹھی کو دیکھتی رہی۔

''بہت خوبصورت ہے یہ انگوٹھی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''مجھے تو زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ آخر کار ہماری ملاقات ہو گئی۔'' جم نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

اسی وقت سازینہ شروع ہو گیا۔ دوسرے جوڑوں کے ساتھ وہ دونوں بھی اٹھ کر ڈانس فلور پر پہنچ گئے۔ جم نے اسے اپنے ساتھ لپٹا رکھا تھا۔ پشپا کو گانے اور رقص کا بہت شوق تھا لیکن اس کی ماں ہمیشہ اس کی برائیاں کیا کرتی تھی۔

''تم بہت اچھی رقاصہ ہو۔'' جم نے اسے اپنے ساتھ دباتے ہوئے کہا۔

''سنا تم نے ماں؟'' پشپا نے اپنی ماں کی روح کو مخاطب کیا۔ اور وہ سوچ رہی تھی کہ کاش یہ رقص کبھی ختم نہ ہو۔

ہوٹل کی طرف واپس جاتے ہوئے جم پشپا سے کہہ رہا تھا۔ ''میرا مکان راستے ہی میں ہے۔ اگر تم پسند کرو تو تھوڑی دیر کے لئے رک جاؤ۔ ایک کپ کافی ہو جائے۔''

''نہیں جم!'' پشپا نے جواب دیا۔ ''آج رات نہیں۔''

''تو پھر کل؟'' جم نے کہا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔

''ہاں! کل رات۔'' پشپا نے کہتے ہوئے اس کا ہاتھ ہولے سے دبا دیا۔

☆

رات کے تین بجے تھے۔

پولیس آفیسر پیکارڈ اپنی سکواڈ کار میں گرینڈ ایلی کے علاقے میں گشت کر رہا تھا۔ کار کی رفتار بہت ہلکی تھی۔ وہ کبھی سامنے دیکھتا اور کبھی دائیں بائیں دیکھنے لگتا۔ دفعتاً دائیں طرف ایک سرخ اینٹوں والے دو منزلہ مکان کا دروازہ چوپٹ کھلا دیکھ کر اس نے کار روک لی۔ انجن بند کر کے نیچے اتر آیا اور مکان کے دروازے کے سامنے پہنچ کر رک گیا۔ اس نے پہلے اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر دروازے کی طرف رُخ کر کے اونچی آواز میں بولا ''اندر کوئی ہے؟''

کوئی جواب نہ پا کر وہ اندر داخل ہو گیا اور ڈیوڑھی میں چلتا ہوا ڈرائنگ روم کے دروازے کے سامنے پہنچ گیا۔ ''کوئی ہے؟'' اس نے ایک مرتبہ پھر پکارا۔

اس بار بھی کوئی جواب نہیں ملا۔ مکان میں غیر فطری سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ آفیسر پیکارڈ نے ہولسٹر کا بٹن کھول کر ریوالور نکال لیا اور نچلی منزل پر کمروں کے دروازوں میں جھانکنے لگا۔ وہ کسی کو پکار بھی رہا تھا لیکن جواب میں خاموشی ہی رہی۔ وہ دوبارہ ڈیوڑھی میں آ گیا۔ وہیں اوپر جانے کے لئے زینہ تھا۔

''ہیلو!'' اس نے اوپر دیکھتے ہوئے پکارا۔

پیکارڈ کوئی جواب نہ پا کر دبے قدموں سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ آخری سیڑھی پر پہنچ کر اس نے پھر پکارا اور وسیع ہال میں آگے بڑھنے لگا۔ ایک کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ پیکارڈ نے دروازہ پوری طرح کھول دیا۔ اور پھر جیسے ہی اس نے اندر جھانکا۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

☆

صبح پانچ بجے سنٹرل پولیس آفس کے ایک کمرے میں انسپکٹر پال اپنے ایک ماتحت آفیسر سے پوچھ رہا تھا۔ ''ہاں! کیا صورتحال ہے آفیسر؟''

''مقتول کا نام جم کلاڈ ہے۔'' آفیسر نے کہا۔ ''اس کے جسم پر ایک درجن سے زیادہ زخموں کے نشان ہیں جو تیز دھار آلے سے لگائے گئے ہیں۔ اس کا زیرِ ناف جسم کا مخصوص عضو بھی کٹا ہوا تھا۔ کورونر کے کہنے کے مطابق قتل کی یہ واردات گزشتہ تین یا چار گھنٹوں کے درمیان ہوئی ہے۔ مقتول کے کوٹ کی جیب سے پولینین ریستوران کا ایک کیش میمو بھی برآمد ہوا ہے۔ ہم نے ریستوران کے مالک کو اس کے گھر سے جگا کر کچھ معلومات حاصل کی ہیں۔''

''بات جاری رکھو آفیسر!'' انسپکٹر نے کہا۔

''موسیو جم کو رات کے ابتدائی حصے میں ایک عورت کے ساتھ پولینین ریستوران میں دیکھا گیا تھا۔ وہ عورت جوان اور بہت خوب صورت تھی۔ جم کی جیولری سٹور کے منیجر نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ جم اس حلیے کی ایک عورت کو اپنے ساتھ لے کر آیا تھا اور پشپا دھیرن کے نام سے اس کا تعارف بھی کرایا تھا۔ جم نے اسے ایک قیمتی انگوٹھی بھی تحفے میں دی تھی۔ جم کے کمرے سے کاغذ کاٹنے والی ایک تیز دھار چھری بھی ملی ہے۔ اسے غالباً اسی چھری سے قتل کیا گیا تھا۔ چھری پر انگلیوں کے نشان بھی پائے گئے ہیں۔ ہم نے فنگر پرنٹس اپنی لیبارٹری اور ایف بی آئی کو بھیج دیئے ہیں۔''

''پشپا دھیرن کون ہے؟'' انسپکٹر نے پوچھا۔

''اس کا کچھ پتہ نہیں چل رہا۔'' آفیسر نے جواب دیا۔ ''ہم نے شہر کے تمام رہائشی ہوٹلوں سے معلوم کر لیا ہے اور اپنی اور ایف بی آئی کی فائلیں بھی چیک کر لی ہیں۔ اس کے نام کا نہ تو کوئی پیدائشی سرٹیفکیٹ ہے، نہ سوشل سکیورٹی نمبر اور نہ ہی اس نام سے کبھی ڈرائیونگ لائسنس جاری ہوا ہے۔''

''ناممکن!'' انسپکٹر بڑبڑایا۔ ''کیا تمہارے خیال میں وہ شہر سے نکل گئی ہو گی؟''

''میرے خیال میں نہیں۔'' آفیسر نے جواب دیا۔ ''ایئرپورٹ آدھی رات کو بند ہو جاتا ہے۔ کیوبک سے باہر جانے والی آخری ٹرین کل شام پانچ بج کر پینتیس منٹ پر روانہ ہو گئی تھی اور آج پہلی ٹرین چھ بج کر چالیس منٹ پر روانہ ہو گی۔ ہم نے دو ٹیکسی کمپنیوں، کرائے پر کاریں دینے والی ایجنسی اور بس سٹیشن پر بھی اس کا حلیہ بتا دیا ہے۔ وہ نظروں میں آئے بغیر کہیں نہیں جا سکتی۔''

''حیرت انگیز!'' انسپکٹر بولا۔ ''ہم اس کا نام جانتے ہیں۔ اس کا حلیہ معلوم ہے اور اس کی انگلیوں کے نشانات بھی موجود ہیں مگر وہ غائب ہو گئی جیسے ہوا میں تحلیل ہو گئی ہو۔''

تقریباً ایک گھنٹے بعد ایف بی آئی سے بھی رپورٹ مل گئی۔ اس کی شناخت نہیں ہو سکی تھی۔ پشپا دھیرن نام سے کوئی ریکارڈ نہیں تھا۔

☆

کیوبک شہر میں پانچ دن گزارنے کے بعد عاشی واپس آ گئی اور اسی روز اس کے ابو کا فون آ گیا۔

''میں ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی واپس آیا ہوں۔'' ڈاکٹر سلطان جمیل نے بتایا۔

''واپس آئے ہیں! کہاں سے؟'' عاشی کے لہجے میں حیرت تھی۔ پھر اسے یاد آ گیا۔ ''اوہ! آپ ارجنٹائن گئے ہوئے تھے۔ آپ کا مریض کیسا ہے؟''

''ٹھیک ہے۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔ ''میرا خیال ہے تم بھی آج ہی کیوبک سے واپس آئی ہو۔ شام کو سان فرانسسکو آ سکتی ہو؟ کھانا اکٹھے ہی کھائیں گے۔''

وہ باپ کا سامنا کرنے سے گھبرا رہی تھی۔ لیکن انکار نہیں کر سکی۔

''ٹھیک ہے! آٹھ بجے لولو ریستوران میں تمہارا انتظار کروں گا۔'' ڈاکٹر نے فون بند کر دیا۔

عاشی مقررہ وقت سے چند منٹ پہلے ہی لولو ریستوران پہنچ گئی تھی۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد

ڈاکٹر سلطان جمیل بھی ریستوران میں داخل ہوا۔ وہ ایک معروف شخص تھا۔ لوگ اس کا احترام کرتے تھے۔ کئی لوگوں نے ہاتھ اٹھا کر ہیلو بھی کہا تھا۔ ''کیا میرے والد کوئی غلط کام کر کے اپنی عزت داؤ پر لگا سکتے ہیں؟'' عاشی نے سوچا۔

''ہیلو!'' ڈاکٹر سلطان جمیل اس کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔ ''مجھے افسوس ہے میں تمہارے پاس کیوبک نہیں پہنچ سکا۔''

''افسوس تو مجھے بھی ہوا تھا ڈیڈی!'' عاشی نے مسکرانے کی کوشش کی اور مینیو اٹھا کر دیکھنے لگی۔ وہ باپ سے نظریں ملانے سے کترا رہی تھی۔

''ہاں! کیا کھانا پسند کرو گی؟'' ڈاکٹر نے دوسرا مینیو کارڈ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ کھانے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا ڈیڈی!'' عاشی نے کہا۔

''تمہیں کچھ نہ کچھ ضرور کھانا چاہئے۔ دن بدن کمزور ہوتی جا رہی ہو۔''

''تو پھر میں فش لے لوں گی۔'' عاشی نے جواب دیا۔

ڈاکٹر سلطان جمیل ویٹریس کو آرڈر نوٹ کروا رہا تھا اور عاشی اس کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی وہ سوچ رہی تھی کہ اس موضوع پر بات کرے یا نہیں۔ اور آخر اس نے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

''ڈیڈی!'' وہ اپنے لہجے کو نارمل رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ ''پچھلے جون میں، میں سکول کی دس سالہ تقریب میں شرکت کے لئے بیڈفورڈ گئی تھی۔''

''اوہ ہاں! تم نے کچھ بتایا ہی نہیں تھا۔ وہاں مزہ تو خوب آیا ہو گا۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''بالکل نہیں!'' وہ محتاط لہجے میں بولی۔ ''وہاں جا کر مجھے معلوم ہوا کہ دس سال پہلے جب میں اور آپ لندن کے لئے روانہ ہوئے تھے تو اسی رات گوپال واس کو قتل کر دیا گیا تھا۔ اور......اور۔'' اس نے نظریں جھکا لیں۔ ''اس کے بدن کا نازک ترین حصہ کاٹ دیا گیا تھا۔''

''وہ گوپال!'' ڈاکٹر سلطان جمیل چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ ''مجھے یاد آ گیا۔ وہ ہندو لڑکا تمہارے پیچھے پڑا ہوا تھا اور میں نے تمہیں اس سے بچایا تھا۔''

''اس کا مطلب ہے۔'' عاشی نے سوچا۔ ''کیا ڈیڈی اپنے جرم کا اعتراف کر رہے ہیں؟ اور کیا مجھے بچانے کے لئے انہوں نے گوپال واس کو قتل کر دیا تھا؟''

عاشی چند لمحے باپ کے چہرے کو دیکھتی رہی۔ پھر کہنے لگی۔ ''دستیش مہتہ کو بھی اسی طرح قتل کیا گیا تھا۔ اس کے جسم کا نازک عضو بھی کاٹ دیا گیا تھا۔''

ڈاکٹر سلطان جمیل ایک رول اٹھا کر اس پر مکھن لگانے لگے تھے۔ پھر عاشی کی طرف دیکھتے

ہوئے بولے۔ ''مجھے یہ جان کر کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ برے لوگوں کا انجام عام طور پر برا ہی ہوتا ہے۔''

یہ ایک ڈاکٹر کے الفاظ تھے جس کا کام لوگوں کی زندگی بچانا تھا۔ ''میں اپنے باپ کو بھی نہیں سمجھ سکوں گی۔'' عاشی نے سوچا۔ ''سمجھنا بھی نہیں چاہتی۔'' اور جب کھانے کے بعد وہ رخصت ہوئی تو اس کے اور باپ کے درمیان خلیج حائل ہو چکی تھی۔

☆

''مجھے تو کیوبک سٹی میں بہت مزہ آیا تھا صوفیہ!'' پشپا نے کہا۔ ''موقع ملا تو دوبارہ وہاں ضرور جاؤں گی۔ تمہارا یہ دورہ کیسا رہا؟''

''مجھے تو صرف میوزیم اور آرٹ گیلریاں اچھی لگیں۔'' صوفیہ نے جواب دیا۔

''تم نے سان فرانسسکو میں اپنے فنکار دوست سے بات کی؟'' پشپا نے پوچھا۔

''وہ میرا دوست یا محبوب نہیں ہے۔'' صوفیہ نے کہا۔

''دوست نہیں بھی ہے تو اس سے بات تو کرو۔''

''میرا خیال ہے یہ مناسب وقت نہیں ہے۔'' صوفیہ بولی۔

صوفیہ نے پشپا کے کہنے پر رچرڈ کو فون کر دیا اور ان میں ملاقات بھی طے ہو گئی۔

ان کی ملاقات ڈی ینگ میوزیم میں ہوئی تھی۔ رچرڈ اس سے کیوبک کے بارے میں پوچھتا رہا۔

''تمہارا کام کیسا چل رہا ہے؟'' صوفیہ نے پوچھا۔

''برا نہیں ہے۔'' رچرڈ نے جواب دیا۔ ''دو دن پہلے ہی میں نے اپنی ایک پینٹنگ ایک بہت معروف اور باذوق شخص کے ہاتھ فروخت کی ہے۔''

''گڈ!'' صوفیہ نے خوشی کا اظہار کیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنے ذہن میں در آنے والے اس خیال کو نہیں روک سکی تھی۔ ''رچرڈ کے ہوتے ہوئے میں بالکل بدل جاتی ہوں۔ اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو میں یہ ضرور سوچتی کہ وہ کون کور ذوق تھا جس نے تمہاری بنائی ہوئی پینٹنگ خرید لی۔ اسی قسم کا کوئی اور ظالمانہ تبصرہ کرتی۔ لیکن نجانے کیوں رچرڈ کے بارے میں، میں منفی انداز میں نہیں سوچ سکتی۔

وہ دوپہر کا کھانا کھانے کے لئے میوزیم کے کیفے ٹیریا میں چلے گئے۔ ابھی وہ کرسیوں پر بیٹھے ہی تھے کہ ایک جوان اور خوبصورت ویٹریس آ گئی۔

''ہیلو رچرڈ!'' ویٹریس کے ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ آ گئی۔

''ہیلو برنیس!'' رچرڈ بھی مسکرا دیا تھا۔

صوفیہ کو ایک دھچکا سا لگا۔ وہ ناگواری نظروں سے ویٹریس کو دیکھنے لگی۔ اپنے اس ردعمل پر اسے خود بھی حیرت ہو رہی تھی۔

رچرڈ نے اپنے اور صوفیہ کے لئے کھانے کا آرڈر نوٹ کرا دیا۔ ویٹریس بھی عجیب سی نظروں سے صوفیہ کی طرف دیکھ رہی تھی اور صوفیہ سوچے بغیر نہ رہ سکی کہ کیا وہ بھی اس سے حسد کرنے لگی ہے؟ ویٹریس آرڈر لے کر چلی گئی۔

''بہت خوب صورت لڑکی ہے اور میرا خیال ہے تم اسے بہت اچھی طرح جانتے ہو۔'' صوفیہ نے رچرڈ کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے پوچھا۔

''میں اکثر یہاں آتا ہوں۔'' رچرڈ نے جواب دیا۔ ''جب میں پہلی مرتبہ یہاں آیا تھا تو کھانے کا بل اتنا تھا کہ میری جیب میں اتنی رقم نہیں تھی۔ اس موقع پر یہ برنیس ہی میرے کام آئی تھی۔ اس نے اپنی جیب سے بل ادا کیا تھا۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔''

''ہاں! واقعی وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔'' صوفیہ کا خون کھول اٹھا۔

اور پھر رچرڈ نے موضوع بدل دیا۔ وہ مصوروں کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔

کھانے کے بعد وہ دونوں ایک بار پھر میوزیم میں آ گئے۔ صوفیہ بڑی توجہ سے مختلف ہالز میں آویزاں مصوری کے شاہکار دیکھ رہی تھی۔ اس میوزیم میں قدیم مصر سے لے کر امریکہ کی ماڈرن تاریخ تک بیالیس ہزار سے زیادہ آرٹ کے نادر نمونے موجود تھے۔

رچرڈ کے ساتھ میوزیم میں گھومتے ہوئے صوفیہ ایک عجیب سی سرخوشی محسوس کر رہی تھی اور لطف کی بات یہ تھی کہ ایک مرتبہ بھی رچرڈ کے بارے میں اس کے ذہن میں کوئی منفی خیال نہیں آیا تھا۔

اسی دوران میوزیم کا ایک باوردی گارڈ ان کے قریب آ گیا۔

''ہیلو بریان! اس سے ملو۔ یہ میری دوست صوفیہ، اور یہ بریان۔'' رچرڈ نے دونوں کا تعارف کرا دیا۔

''میوزیم کیسا لگا؟'' بریان نے مسکراتے ہوئے صوفیہ کی طرف دیکھا۔

''بہت اچھا۔'' صوفیہ نے جواب دیا۔

''میں رچرڈ کا شاگرد ہوں۔ یہ مجھے مصوری سکھا رہا ہے۔'' بریان نے بتایا۔

صوفیہ نے رچرڈ کی طرف دیکھا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ''میں تو صرف اس کی رہنمائی کر رہا ہوں۔ یہ خود بہت اچھا کام کر لیتا ہے۔''

''رہنمائی بھی کوئی استاد ہی کر سکتا ہے۔'' بریان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''مجھے بچپن سے مصوری کا شوق تھا۔ مجھے آرٹ سے عشق ہے اسی لئے میں نے اس میوزیم میں ملازمت بھی کر لی۔ بہرحال! رچرڈ اکثر یہاں آتا ہے۔ میں نے اسے یہاں مصوری کرتے ہوئے دیکھا تو اس سے درخواست کی کہ مجھے بھی کچھ سکھا دے۔ آرٹسٹ عام طور پر کسی کو قریب نہیں پھٹکنے دیتے۔ لیکن رچرڈ بہت اچھا آدمی ہے۔ اس نے میری درخواست قبول کر لی۔ کیا تم نے اس کی بنائی ہوئی پینٹنگز دیکھی ہیں؟''

''ہاں! یہ واقعی بہت اچھا مصور ہے۔'' صوفیہ نے جواب دیا۔

شام ہو رہی تھی۔ صوفیہ اور رچرڈ میوزیم سے باہر آ گئے۔

''میرا روم میٹ آج رات ایک پارٹی میں گیا ہوا ہے۔ دیر سے واپس آئے گا۔ تم میرے فلیٹ پر چلو۔'' رچرڈ نے صوفیہ کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہیں کچھ پینٹنگز دکھانا چاہتا ہوں۔''

''ابھی نہیں رچرڈ!'' صوفیہ اس کا ہاتھ دباتے ہوئے بولی۔ ''آج رات نہیں۔''

''ٹھیک ہے! میں اگلے سنیچر پر تمہارا انتظار کروں گا۔'' رچرڈ نے کہا۔

وہ دونوں پارکنگ ایریا میں آ گئے جہاں صوفیہ کی کار کھڑی تھی۔ صوفیہ نے کار میں بیٹھ کر انجن سٹارٹ کر دیا اور رچرڈ کی طرف ہاتھ ہلاتے ہوئے کار کو ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دیا۔

اس رات بستر پر لیٹتے ہوئے صوفیہ سوچ رہی تھی۔ ''حیرت کی بات ہے۔ رچرڈ نے مجھے چھوڑ دیا۔'' اور پھر وہ رچرڈ ہی کے بارے میں سوچتی ہوئی نیند کی آغوش میں پہنچ گئی۔

☆

رچرڈ کا روم میٹ گیری پارٹی سے رات دو بجے واپس آیا۔ وہ اپنی چابی سے تالا کھول کر اندر داخل ہوا۔ پورے فلیٹ میں تاریکی تھی۔

''رچرڈ!'' اس نے نشست گاہ میں رُک کر پکارا۔

کوئی جواب نہیں ملا۔ شاید رچرڈ گہری نیند میں تھا اور اس نے آواز نہیں سنی تھی۔ گیری یہی سوچتا ہوا بیڈ روم کے سامنے آ گیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے اندر داخل ہو کر بتی جلا دی۔ روشنی ہوتے ہی وہ اچھل پڑا اور پھر اس طرح چیخنے لگا جیسے کوئی بہت ہی بھیانک چیز دیکھ لی ہو۔

☆

''ہوش میں آؤ دوست!'' سراغ رساں والٹر نے کرسی پر بیٹھے تھر تھر کانپتے ہوئے گیری کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''اپنے حواس قابو میں رکھو اور یہ بتاؤ کہ اس کا کوئی دشمن تھا؟ کوئی ایسا شخص جو اس کے ساتھ اس قدر بہیمانہ سلوک کر سکتا ہو؟''

''کوئی نہیں!'' گیری نے بمشکل تھوک نگلتے ہوئے جواب دیا۔ ''اس کا کوئی دشمن نہیں تھا۔ سب لوگ اسے پسند کرتے تھے۔''

''لیکن کوئی ایسا شخص ضرور ہے جو اسے پسند نہیں کرتا تھا۔'' والٹر بولا۔ ''تم دونوں کب سے اس فلیٹ میں رہ رہے ہو؟''

''دو سال سے۔'' گیری نے جواب دیا۔ ''ہمارے مالی حالات اچھے نہیں تھے۔ اس لئے ہم دونوں نے مل کر یہ فلیٹ کرائے پر لے لیا تھا۔''

سراغ رساں والٹر سیدھا ہو کر فلیٹ کا جائزہ لینے لگا۔ ''اسے چوری کی واردات تو نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ یہاں ایسی کوئی چیز دکھائی نہیں دے رہی جسے چوری کرنے کی کوشش کی جا سکے۔'' والٹر نے کہا۔ پھر گیری کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''کیا تمہارے دوست کا کسی سے رومانس چل رہا تھا؟''

''نہیں..... اوہ ہاں!'' وہ یاد آنے پر جلدی سے بولا۔ ''وہ ایک لڑکی میں دلچسپی لے رہا تھا۔ اور میرا خیال ہے وہ اسے پسند بھی کرنے لگا تھا۔

"وہ کون ہے؟ اس کا نام؟"

"صوفیہ! اس کا نام صوفیہ ہے۔ اطالوی ہے اور کوپرٹینو میں کام کرتی ہے۔" گیری نے جواب دیا۔

سراغ رساں والٹر نے معنی خیز نظروں سے اپنے ساتھی سراغ رساں رونالڈ کی طرف دیکھا۔ کوپرٹینو کے نام سے اس کے دماغ میں کوندا سا لپک گیا۔

دس منٹ بعد سراغ رساں والٹر کوپرٹینو کے شیرف سے فون پر بات کر رہا تھا۔

"ہیلو شیرف! تمہیں یہ جاننے میں یقیناً دلچسپی ہوگی کہ ہمارے علاقے میں قتل کی ایک ایسی واردات ہوئی ہے جس طرح کی واردات کوپرٹینو میں ہو چکی ہے۔ میرا مطلب ہے مقتول مرد ہے۔ اس کے جسم پر زخموں کے متعدد نشان ہیں اور اس کا عضو خاص کاٹ دیا گیا ہے۔"

"او مائی گاڈ!" ریسیور پر شیرف کی آواز سنائی دی۔

"میں نے ایف بی آئی والوں سے بھی بات کی ہے۔" والٹر کہہ رہا تھا۔ "ان کے کمپیوٹر ریکارڈ کے مطابق بالکل اسی طرح قتل کی تین وارداتیں پہلے بھی ہو چکی ہیں۔ پہلی واردات دس سال پہلے ریاست پنسلوانیا کے شہر بیڈفورڈ میں ہوئی تھی۔ اس سے اگلی واردات تمہارے علاقے میں ہوئی تھی۔ مقتول کا نام ستیش مہتہ تھا۔ اس کے بعد قتل کی بالکل ایسی ہی واردات کینیڈا کے شہر کیوبک سٹی میں ہوئی اور اب یہ چوتھی واردات ہے۔"

"بات سمجھ نہیں آسکی۔" شیرف نے جواب دیا۔ "پنسلوانیا، کیوبک سٹی، کوپرٹینو اور اب سان فرانسسکو۔ کیا ان چاروں وارداتوں کا آپس میں کوئی تعلق ہے؟"

"ہم معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" سراغ رساں والٹر نے جواب دیا۔ "کیوبک سٹی جانے کے لئے پاسپورٹ کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایف بی آئی والے یہ چیک کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ کوئی ایسا شخص جو کرسمس کے لگ بھگ کیوبک سٹی میں موجود تھا وہ دوسرے شہروں میں ہونے والی وارداتوں کے وقت وہاں موجود تھا یا نہیں......"

☆

اخبارات نے طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ ٹیلی ویژن بھی ان سے پیچھے نہیں رہا تھا۔ پرنٹ اور الیکٹرک میڈیا نے سنسنی پھیلا دی۔ خود ساختہ ماہرین اور تجزیہ نگاروں کے تبصرے شائع بھی ہو رہے تھے اور ریڈیو، ٹی وی پر نشر بھی کئے جا رہے تھے۔

"تمام مقتول مرد ہیں جنہیں موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد اعضائے مخصوصہ کاٹ دیئے گئے۔ اس سے اس شبہ کو تقویت ملتی ہے کہ یہ ہم جنس پرستی کا شاخسانہ ہے۔ ہر مقتول کے

دوسرے ساتھی نے اسے قتل کیا ہے۔ اگر پولیس تمام مقتولین میں کوئی تعلق تلاش کرنے میں کامیاب ہوگئی تو یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں ہوگا کہ قاتل کوئی ایسی عورت ہے جو ان سب سے نفرت کرتی تھی۔" اس قسم کے تبصرے اخبارات میں شائع ہو رہے تھے۔

سنیچر کی صبح سراغ رساں والٹر کوپرٹینو کے ڈپٹی شیرف دلیر سنگھ کو ٹیلی فون پر بتا رہا تھا۔ "ہیلو ڈپٹی! تمہارے لئے ایک تازہ ترین اطلاع ہے۔ ایف بی آئی نے اطلاع دی ہے کہ کیوبک سٹی میں جم کلاڈ کے قتل کے روز جو امریکی وہاں موجود تھا وہ کوپرٹینو کا رہنے والا ہے۔"

"دلچسپ خبر ہے۔ اس کا نام؟" دلیر سنگھ نے پوچھا۔

"وہ ایک عورت ہے اور نام ہے عائشہ..... عائشہ سلطان جمیل۔"

☆

اس روز شام چھ بجے ڈپٹی شیرف دلیر سنگھ عاشی کے فلیٹ کی اطلاعی گھنٹی بجا رہا تھا۔

"کون ہے؟" ایک منٹ بعد بند دروازے کے پیچھے سے عاشی کی آواز سنائی دی۔

"ڈپٹی دلیر سنگھ۔ دروازہ کھولو مس عاشی! میں تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

ایک منٹ کے توقف سے دروازہ کھل گیا۔ عاشی پریشان نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"کیا مجھے اندر آنے کے لئے نہیں کہو گی؟" دلیر سنگھ بولا۔ "یہاں کھڑے کھڑے بات نہیں ہو سکتی۔ میں اطمینان سے بیٹھ کر تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں نہیں؟" عاشی نے اسے اندر داخل ہونے کے لئے راستہ دے دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے ذہن میں یہ خیال ابھرا تھا کہ اگر دلیر سنگھ ڈیڈی کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہے تو مجھے محتاط رہنا پڑے گا۔ "فرمایئے جناب! کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟" اس نے اندر آکر دلیر سنگھ کو بیٹھنے کے لئے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"چند باتیں پوچھنی ہیں۔ امید ہے تم ٹھیک ٹھیک جواب دو گی۔" دلیر سنگھ بولا۔

عاشی نے بے چینی سے سیٹ پر پہلو بدلا اور بولی۔ "میں سمجھی نہیں۔ کیا مجھ پر کسی قسم کا شبہ کیا جا رہا ہے؟"

"ایسی بات نہیں ہے مس عاشی!" دلیر سنگھ کے ہونٹوں پر خفیف مسکراہٹ آگئی۔ "قتل کی چند وارداتوں کے بارے میں تحقیقات ہو رہی ہیں۔ معمولی سے چند سوالات ہیں جو تم سے پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"چند قتل۔" عاشی بڑبڑائی۔ اس کی آنکھوں میں وحشت ابھر آئی۔ "میں کسی قتل کے

بارے میں کچھ نہیں جانتی۔"

"کرسمس کے دنوں میں تم کیوبک سٹی میں تھیں؟" دلیر سنگھ نے پوچھا۔ عاشی نے اثبات میں سر ہلا دیا تو وہ بولا۔ "جم کلاڈ کو جانتی ہو؟"

"جم کلاڈ" عاشی نے زیر لب یہ نام دہرایا۔ "نہیں! یہ نام میں نے پہلے کبھی نہیں سنا۔ کون ہے یہ؟"

"وہ کیوبک سٹی میں ایک بڑے جیولری سٹور کا مالک ہے۔" دلیر سنگھ بولا۔

"میں نے کیوبک میں کوئی ایسی شاپنگ نہیں کی کہ مجھے کسی جیولری سٹور میں جانے کا موقع ملا ہو" عاشی نے جواب دیا۔

"تم ستیش مہتہ کے ساتھ کام کرتی تھیں؟" دلیر سنگھ نے پوچھا۔

عاشی کے دل کی دھڑکن ایک بار پھر تیز ہونے لگی۔ اسے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ معاملہ اس کے ڈیڈی ہی کا ہے۔ وہ محتاط انداز میں بولی۔ "میں ستیش مہتہ کے ساتھ کام نہیں کرتی تھی۔ یہ کہہ سکتے ہو کہ وہ بھی اسی کمپنی میں ملازم تھا۔"

"تم اکثر و بیشتر سان فرانسسکو بھی جاتی رہتی ہو؟" دلیر سنگھ نے پوچھا۔

"کبھی کبھار!" عاشی نے جواب دیا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ یہ ڈپٹی اسے گھیر کر کس طرف لے جانا چاہتا ہے؟

"اور میرا خیال ہے وہاں رچرڈ نامی کسی مصور سے بھی ملاقات ہوئی ہو گی؟" دلیر سنگھ نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"نہیں! میں اس نام کے کسی شخص کو نہیں جانتی۔" عاشی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

ڈپٹی دلیر سنگھ اس کے چہرے پر نظریں گاڑے بیٹھا رہا۔ پھر اٹھتے ہوئے بولا۔ "مس عاشی! تمہیں جھوٹ پکڑنے والے پولی گراف ٹیسٹ کے لئے میرے ساتھ پولیس آفس چلنا ہو گا۔ اگر تم چاہو تو اپنے قانونی مشیر کو بھی بلا سکتی ہو۔"

"میں ٹیسٹ دینے کو تیار ہوں۔ لیکن مجھے کسی قانونی مشیر کی ضرورت نہیں۔" عاشی یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

کینی جھوٹ پکڑنے والے پولی گراف ٹیسٹ کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔ وہ اگرچہ ایک دعوت پر جانے کی تیاری کر رہا تھا لیکن ڈپٹی دلیر سنگھ کی وجہ سے اس نے اپنا یہ پروگرام منسوخ کر دیا۔

عاشی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سر پر ایک مخصوص ٹوپی تھی جس سے منسلک تاریں پولی گراف مشین سے جڑی ہوئی تھیں۔ جسم کے کچھ اور حصوں پر بھی ایسی ہی تاریں لگی ہوئی تھیں۔

اس تیاری سے پہلے کینی نے تقریباً پینتالیس منٹ تک عاشی سے گفتگو کی تھی اور آخر کار وہ ٹیسٹ کے لئے تیار ہو گیا۔ اس نے مشین کا بٹن دبا دیا اور عاشی سے مختلف سوالات کرنے لگا۔ اس کا نام، عمر، گھر کا پتہ، کام کے بارے میں کئی سوالات کرنے کے بعد اس نے پوچھا۔

"مصور رچرڈ کو جانتی ہو؟"

عاشی کا جواب نفی میں تھا۔ کینی بار بار مشین کے پرنٹ آؤٹ کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ "جم کلاڈ سے کبھی ملی ہو؟" اس نے دوسرا سوال کیا۔ اس مرتبہ بھی عاشی کا جواب نفی میں تھا۔ پولی گراف مشین کے پرنٹ آؤٹ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ "کیا تم نے ستیش مہتہ کو قتل کیا ہے؟"

"نہیں!" عاشی نے جواب دیا۔

سوال جواب کا یہ سلسلہ تقریباً تیس منٹ تک جاری رہا۔ جھوٹ پکڑنے والی مشین کے ماہر کینی نے کم از کم ہر سوال کو دہرایا تھا ہر مرتبہ نتیجہ ایک ہی نکلا تھا۔ سیشن ختم کرنے کے بعد وہ ڈپٹی دلیر سنگھ کے کمرے میں آ گیا اور پولی گراف ٹیسٹ کی رپورٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "بالکل کلیئر! غلطی کا ایک فیصد بھی امکان نہیں۔"

اس کے چند منٹ بعد عاشی پولیس آفس سے نکل رہی تھی۔ اس کے چہرے پر طمانیت تھی۔ ذہن سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا تھا۔ اس سے پہلے وہ خوف زدہ تھی کہ شاید اس سے ایسے سوالات پوچھے جائیں گے جن سے اس کے باپ کو اس معاملے میں گھسیٹ لیا جائے گا۔ لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ اب اس کے باپ کو اس قسم کے کسی معاملے میں ملوث نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اس نے کار گیراج میں کھڑی کر دی اور تیسری منزل پر اپنے فلیٹ میں جانے کے لئے لفٹ میں سوار ہو گئی۔ اس نے پرس میں سے چابی نکال کر تالا کھولا۔ اندر داخل ہو کر دروازہ بند کیا اور بڑی احتیاط سے تالا لگا دیا۔ پچھلے دو تین گھنٹوں کے دوران وہ ذہنی اذیت کا شکار رہی تھی اور اپنے آپ میں شدید قسم کی تھکن سی محسوس کر رہی تھی۔ اس کے خیال میں گرم پانی سے غسل مفید ثابت ہو سکتا تھا۔

وہ باتھ روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ پہلا قدم اندر رکھتے ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ سامنے ہی آئینے پر لپ سٹک سے جلی حروف میں لکھا ہوا تھا۔ "تمہیں مرنا ہو گا!"

عاشی چیختی ہوئی باتھ روم سے باہر آ گئی۔ اس پر ہسٹیریا کی سی کیفیت طاری تھی۔ تھرتھراہٹ

اس کے پورے بدن میں تھی۔ ہاتھ بھی کانپ رہے تھے۔ تین مرتبہ کوشش کے بعد وہ ٹیلی فون پر مطلوبہ نمبر ملا سکی تھی۔ چند سیکنڈ گھنٹی کی آواز سنائی دیتی رہی۔ پھر ایک بھاری آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ ''یہ شیرف کا دفتر ہے۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

''مجھے ڈپٹی شیرف دلیر سنگھ سے بات کرنی ہے۔ پلیز..... ذرا جلدی!''

''دلیر سنگھ تو گھر جا چکے ہیں۔ کسی اور.....''

''نہیں!'' عاشی نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''پلیز! اس سے کہیں مجھے جلدی فون کرے۔ میں عاشی جمیل بول رہی ہوں۔ میں اس سے ابھی اور اسی وقت بات کرنا چاہتی ہوں۔ پلیز!''

''ہولڈ کرو۔ میں دیکھتا ہوں، دلیر سنگھ سے رابطہ ہو سکتا ہے یا نہیں۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

☆

دلیر سنگھ دیر سے اپنی بیوی سیرینا کی بکواس سن رہا تھا۔

''میرا بھائی گدھوں کی طرح تم سے کام لیتا ہے لیکن آج تک اس نے تمہاری تنخواہ نہیں بڑھائی۔'' وہ چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔ ''اس نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ ہم کس طرح تنگی میں گزر بسر کر رہے ہیں۔ مگر سارا قصور تو تمہارا ہے۔ تم نے آج تک تنخواہ بڑھانے کا مطالبہ نہیں کیا۔ میں پوچھتی ہوں کیوں؟''

وہ دونوں اس وقت کھانے کی میز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دلیر سنگھ کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا جیسے اس پر بیوی کے چیخنے دہاڑنے کا کوئی اثر نہیں ہو رہا۔ ''ذرا وہ آلو والی پلیٹ تو میری طرف بڑھانا'' اس نے پرسکون لہجے میں کہا۔

سیرینا نے پلیٹ اٹھا کر اس کے سامنے پٹخ دی۔ ''مصیبت تو یہ ہے کہ تم پر دیانت داری کا بھوت بھی سوار ہے۔ کانسٹیبل جیک کی بیوی کو دیکھو عیش کرتی ہے۔ مگر ایک تم ہو کبھی کسی سے ایک ڈالر بھی نہیں لیا۔''

''وہ شوربہ دینا ذرا۔'' دلیر سنگھ کا لہجہ اب بھی پرسکون تھا۔

''میری بکواس تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی؟'' سیرینا چیخی۔

''ایک ایک لفظ سمجھ رہا ہوں ڈیئر!'' دلیر سنگھ بولا۔ ''کھانا بہت اچھا ہے۔ مزیدار کھانے تیار کرنے میں تمہارا کوئی جواب نہیں۔''

''دکھ کی بات تو یہ ہے کہ تمہیں میری کسی بات پر غصہ بھی نہیں آتا۔ چکنے گھڑے ہو تم۔ کسی بات کا اثر نہیں ہوتا تم پر۔ میں تم سے لڑوں تو کیسے لڑوں؟'' سیرینا نے زور سے اپنی پیشانی پر

ہاتھ مارا۔

''لڑنا اس لئے نہیں چاہتا کہ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں اور.....'' اسی لمحہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ دلیر سنگھ جملہ ادھورا چھوڑ کر اٹھ گیا اور آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو..... ہاں! لائن ملاؤ۔'' چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر ریسیور پر عاشی کی سسکتی ہوئی سی آواز سنائی دی۔ ''ہیلو مس عاشی! کیا بات ہے؟''

''بہت..... بہت ہی خوفناک۔ تم جلدی سے یہاں آ جاؤ۔'' عاشی کی آواز سنائی دی۔

''آخر معاملہ کیا ہے؟'' دلیر سنگھ نے پوچھا۔

''یہاں آ کر دیکھ لو۔ میں..... میں بہت خوف زدہ ہوں۔'' عاشی کی آواز سے ہی لگ رہا تھا کہ وہ بہت ڈری ہوئی ہے۔

''میں آ رہا ہوں۔'' دلیر سنگھ نے ریسیور رکھ دیا۔

''کیا؟'' سیرینا چیختی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''تم کہیں جا رہے ہو؟ کھانا چھوڑ کر.....؟''

''ایمرجنسی ہے ڈارلنگ!'' دلیر سنگھ نے نرم لہجے میں کہا۔ ''میں جلد سے جلد واپس آنے کی کوشش کروں گا۔''

سیرینا خونخوار نظروں سے اسے گھورتی رہی۔ دلیر سنگھ نے ریوالور اور بیلٹ کمر پر باندھا اور ہاتھ ہلاتا ہوا باہر نکل گیا۔ سیرینا کی آواز دور تک اس کا پیچھا کرتی رہی۔

دلیر سنگھ کو عاشی کے فلیٹ پر پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ اطلاعی گھنٹی بجاتے ہی اس نے دروازہ کھول دیا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ رخساروں پر ایسے نشان تھے جیسے آنسو بہتے رہے ہوں۔ وہ خوف سے کانپ رہی تھی۔ دلیر سنگھ اندر آ گیا اور محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولا۔ ''یہاں کوئی اور بھی ہے کیا؟''

''کوئی تھا!'' عاشی نے اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''آؤ! دیکھو۔'' وہ اسے باتھ روم کی طرف لے آئی۔

''تمہیں مرنا ہو گا۔'' دلیر سنگھ نے آئینے پر لکھے ہوئے الفاظ قدرے اونچی آواز میں پڑھے۔ پھر وہ عاشی کی طرف گھوم گیا۔ ''تمہارے خیال میں یہ کس کی حرکت ہو سکتی ہے؟''

''پ..... پتہ نہیں!'' عاشی نے جواب دیا۔ ''یہ میرا فلیٹ ہے اور اس کی چابی میرے علاوہ کسی اور کے پاس نہیں ہے۔ کوئی میرا پیچھا کرتا ہے۔ آئینے پر یہ تحریر ثابت کرتی ہے کہ وہ میری عدم موجودگی میں یہاں بھی آیا ہے۔ کوئی..... کوئی مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔'' وہ رو پڑی۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں۔ میں پاگل ہو جاؤں گی۔''

وہ ہچکیاں لے رہی تھی۔ دلیر سنگھ قریب پہنچ کر اس کا کندھا تھپتھپانے لگا۔ ''ہمت سے کام لو مس عاشی! سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہم تمہیں تحفظ فراہم کریں گے اور بہت جلد یہ پتہ چل جائے گا کہ وہ کون ہے جو تمہیں اس طرح پریشان کر رہا ہے۔''

''سس..... سوری آفیسر!'' عاشی اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ ''مجھے اب ڈر لگنے لگا ہے۔ یہ سب کچھ میری برداشت سے باہر ہوتا جا رہا ہے۔''

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔ گھبراؤ نہیں۔ ویسے اب ایک کپ چائے کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' دلیر سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

عاشی کو اس کی باتوں سے بڑا حوصلہ ملا۔ وہ باورچی خانے میں جا کر چائے بنا لائی۔

''اس کی شروعات کب اور کیسے ہوئی تھیں مس عاشی؟'' دلیر سنگھ نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے پوچھا۔

''تقریباً چھ مہینے پہلے میں نے محسوس کیا تھا کہ کوئی میرا پیچھا کر رہا ہے۔'' عاشی کہنے لگی۔ ''شروع میں تو یہ احساس بہت خفیف سا رہا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شدت اختیار کرتا گیا۔ میں جانتی تھی کہ کوئی میرا پیچھا کر رہا ہے لیکن کوئی نظروں میں نہیں آیا تھا۔ اور پھر ایک روز میں دفتر میں کام کر رہی تھی کہ میرے کمپیوٹر پر میرا خاکہ اُبھرا اور ساتھ ہی کسی کا ہاتھ نمودار ہوا۔ اس ہاتھ میں چاقو تھا اور وہ مجھ پر حملہ کرنے کے لئے میری طرف بڑھ رہا تھا۔''

''تمہارے خیال میں یہ کون ہو سکتا ہے؟'' دلیر سنگھ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ ''کسی پر شبہ ہے؟''

''نہیں! میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکتی۔''

''ابھی تم نے بتایا تھا کہ اس سے پہلے بھی کوئی تمہارے فلیٹ میں گھس آیا تھا؟'' دلیر سنگھ نے پوچھا۔

''ہاں! اس روز میں دفتر گئی تھی تو دروازہ لاک کرنے سے پہلے تمام بتیاں بجھا دی تھیں لیکن جب واپس آئی تو تمام بتیاں جل رہی تھیں۔ ایک روز میری سنگھار میز پر سگریٹ کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا نظر آیا تھا جبکہ میں سگریٹ بالکل نہیں پیتی۔ ایک روز کسی نے میرے کپڑوں کی الماری کھول کر میرے زیر جامے ادھر اُدھر پھیلا دیئے تھے۔'' اس نے گہرا سانس لیا۔ پھر بولی۔ ''اور اب یہ.....''

''تمہارا کوئی ایسا دوست جو یہ سمجھتا ہو کہ تم نے اسے مسترد کر دیا ہے؟'' دلیر سنگھ نے پوچھا۔

''نہیں!'' عاشی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''کوئی ایسا آدمی جسے کاروبار میں تمہاری وجہ سے کوئی نقصان پہنچا ہو؟''

''نہیں! میرا ایسا کوئی جاننے والا نہیں ہے۔'' عاشی نے جواب دیا۔

''کسی طرف سے کوئی دھمکی؟''

''نہیں!'' عاشی نے اس مرتبہ بھی نفی میں سر ہلا دیا۔ اسے خیال آیا تھا کہ شکا گو والا واقعہ بتائے لیکن پھر یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا اس طرح بات اس کے ڈیڈی تک پہنچ سکتی تھی۔ اس نے اس سلسلے میں زبان بند ہی رکھنا مناسب سمجھا۔ ''مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ میں آج رات یہاں اکیلی نہیں رہنا چاہتی۔''

''ٹھیک ہے!'' دلیر سنگھ نے کہا۔ ''میں پولیس سٹیشن فون کر کے کسی کانسٹیبل کو یہاں بلوا لیتا ہوں۔ وہ رات کو.....''

''نہیں پلیز!'' عاشی جلدی سے بولی۔ ''میں کسی پر بھروسہ نہیں کر سکتی۔ لیکن کیا تم آج کی رات یہاں نہیں رہ سکتے؟ صبح سویرے چلے جانا۔''

''میں اپنی ڈیوٹی چھوڑ کر.....''

''پلیز!'' عاشی نے اس کی بات کاٹ دی۔ وہ ایک بار پھر خوف سے تھر تھر کانپنے لگی تھی۔ دلیر سنگھ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس نے آج تک کسی کو اس طرح وحشت زدہ نہیں دیکھا تھا۔ ''کیا کوئی اور ایسی جگہ نہیں جہاں تم رات گزار سکو؟ میرا مطلب ہے تمہارا کوئی قابل اعتماد دوست۔''

''نہیں! میرا ایسا کوئی دوست نہیں۔'' عاشی نے کہا۔ ''اور پھر کیا یہ ممکن نہیں یہ سب کچھ میرا کوئی جاننے والا ہی کر رہا ہے؟''

''ٹھیک ہے۔'' دلیر سنگھ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''آج رات میں یہیں رہوں گا اور پھر کل سے تمہارے لئے حفاظت کا مستقل انتظام کر دیا جائے گا۔''

''شکریہ جناب!'' عاشی نے کہا۔ اس کے چہرے پر طمانیت سی آ گئی تھی۔

''پریشان مت ہو مس عاشی!'' دلیر سنگھ عاشی کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے بولا۔ ''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ معاملے کی تہہ تک پہنچ کر ہی دم لوں گا اور اس شخص کا سراغ لگاؤں گا جو تمہاری پریشانیوں کا سبب بنا ہوا ہے۔ اور اب میں ذرا شیرف میٹ کو فون کر کے صورت حال سے آگاہ کر دوں۔''

وہ تقریباً پانچ منٹ تک فون پر شیرف سے بات کرتا رہا۔ پھر اس نے اپنی بیوی سیرینا کو بھی

اطلاع دے دی کہ وہ آج رات گھر نہیں آئے گا۔ سیرینا نے جواب میں جو کچھ بھی کہا تھا اس کا اندازہ دلیر سنگھ کے چہرے سے لگایا جا سکتا تھا۔ اس نے ریسیور رکھ دیا اور خجالت آمیز نگاہوں سے عاشی کی طرف دیکھنے لگا۔

''میری بیوی دراصل مجھے بہت چاہتی ہے۔'' دلیر سنگھ بولا۔ ''وہ زیادہ دیر تک مجھ سے دور نہیں رہ سکتی۔ وہ ڈرتی ہے کہ.....''

''کس بات سے ڈرتی ہے؟'' عاشی نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''دلیر سنگھ چند لمحوں کو خاموش ہوا۔ پھر مدھم لہجے میں بولا۔ ''اسے کینسر ہے۔ اس کا انکشاف سات سال پہلے ہوا تھا۔ اس وقت محض شبہ تھا۔ مگر پانچ سال پہلے جب میری شادی ہوئی تو اس کے کچھ عرصہ بعد اس بیماری کی تصدیق ہو گئی۔''

''تو تمہیں معلوم تھا کہ وہ کینسر میں مبتلا ہے؟'' عاشی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں! اور میں نے اسی لئے اس سے شادی کی تھی۔ میں اسے بہت چاہتا ہوں۔'' دلیر سنگھ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''کچھ عرصہ پہلے تو اس کی حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ اسے ڈر ہے کہ میں اسے چھوڑ دوں گا۔ اسے ہر وقت موت کا بھی خوف لگا رہتا ہے اور دراصل اس خوف کو ہی چھپانے کے لئے وہ چیختی چلاتی رہتی ہے۔''

''مجھے افسوس ہوا یہ سن کر!'' عاشی نے ہمدردی کا اظہار کیا۔

''وہ بظاہر بہت جھگڑالو عورت ہے۔ مگر اندر سے بہت اچھی ہے۔ وہ میرا بہت خیال رکھتی ہے۔'' دلیر سنگھ نے کہا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

''یہاں صرف ایک بیڈ روم ہے۔'' عاشی اس کی نگاہوں کا مطلب سمجھتے ہوئے بولی۔ ''تم بیڈ روم میں سو جانا اور میں اس کوچ پر لیٹ جاؤں گی۔''

''نہیں! میرے لئے کوچ ہی مناسب رہے گا۔ تم اپنے کمرے میں سو جانا۔'' دلیر سنگھ نے کہا۔

''میں تمہاری بہت شکر گزار ہوں آفیسر کہ تم نے.....''

''شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔'' دلیر سنگھ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''لوگوں کو تحفظ فراہم کرنا ہماری ڈیوٹی ہے۔ میں اپنا فرض پورا کر رہا ہوں۔'' وہ خاموش ہو کر عاشی کی طرف دیکھتا رہا جو الماری سے چادر اور کمبل وغیرہ نکال رہی تھی۔ پھر عاشی نے کوچ پر چادر بچھا دی اور پیروں کی طرف کمبل رکھ دیا۔ ''تمہیں یہاں زیادہ آرام تو نہیں ملے گا لیکن.....''

''میں یہاں آرام کرنے کے لئے نہیں رکا۔'' دلیر سنگھ نے اس کی بات کاٹ دی۔

''تھوڑی بہت نیند لے لوں گا اور اس کے لئے یہ کوچ بہترین جگہ ہے۔''

اس نے کھڑکیوں کے بولٹ چیک کئے اور دروازے کو بھی دوہرا مقفل کر دیا۔

''ٹھیک ہے مس عاشی!'' اس نے ریوالور کوچ کے قریب چھوٹی میز پر رکھ دیا۔ ''اب تم بھی اپنے کمرے میں جا کر اطمینان سے سو جاؤ۔ صبح تمہاری حفاظت کے لئے کوئی مستقل بندوبست کر دیا جائے گا۔''

''شکریہ آفیسر!'' عاشی نے متشکرانہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور اپنے کمرے کی طرف مڑ گئی۔

دلیر سنگھ بڑی گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اور جب عاشی نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا تو اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا اور وہ ایک بار پھر کھڑکیوں اور دروازے کے لاک چیک کرنے لگا۔

☆

ایف بی آئی ہیڈ کوارٹر واشنگٹن میں سپیشل ایجنٹ ریمر اپنے سیکشن چیف رونالڈ کو بتا رہا تھا۔

''بیڈ فورڈ، کوپرٹینو، کیوبک سٹی اور سان فرانسسکو میں قتل کی وارداتوں کے جائے وقوعہ پر ملنے والے انگلیوں کے نشانات کی رپورٹ مل گئی ہے۔ تمام جگہوں سے ملنے والے انگلیوں کے نشانات ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ میرا مطلب ہے ایک ہی شخص کی انگلیوں کے نشان ہیں۔''

''اوہ!'' چیف رونالڈ بولا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ ان چاروں کا قاتل ایک ہی ہے۔''

''جی ہاں جناب! اب اس میں کوئی شک نہیں رہا۔'' ریمر نے جواب دیا۔

☆

بلڈنگ کے نگران کی ادھیڑ عمر بیوی صبح چھ بجے عمارت کے عقبی دروازے سے نکل کر گلی میں آئی تو سڑک پر ایک لاش دیکھ کر بری طرح چیخنے لگی۔

وہ لاش ڈپٹی شیرف دلیر سنگھ کی تھی۔ اس کے جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ بدن پر کسی تیز دھار آلے سے لگائے گئے زخموں کے متعدد نشان تھے اور اس کے جسم کا نازک عضو بھی کٹا ہوا تھا۔

☆

شیرف میٹ کے ساتھ دو سادہ لباس سراغ رساں اور دو باوردی پولیس والے بھی تھے۔ وہ سب عاشی کو دیکھ رہے تھے جو کرسی پر بیٹھی تھر تھر کانپ رہی تھی اور ہچکیوں سے روئے جا رہی تھی۔

''مس عاشی!'' آخر کار شیرف نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرو۔ تم واحد ہستی ہو جو اس وقت ہماری مدد کر سکتی ہو۔''

عاشی نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور ہچکیوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ ''تم..... میں..... میں کوشش کروں گی۔''

''ہم شروع سے بات کرتے ہیں۔'' شیرف نے کہا۔ ''دلیر سنگھ نے رات یہاں گزاری تھی؟''

''ہاں!'' عاشی نے کہا۔ ''میں نے ہی.... اس سے درخواست کی تھی۔ دراصل میں بہت خوف زدہ تھی۔''

''اس فلیٹ میں صرف ایک ہی بیڈ روم ہے۔ دلیر سنگھ کہاں سویا تھا؟'' شیرف نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

''وہاں.... اس کوچ پر۔'' عاشی نے اشارہ کیا۔ کوچ پر اب بھی تکیہ اور کمبل پڑے ہوئے تھے۔

''تم سونے کے لئے کمرے میں کس وقت گئی تھیں؟'' شیرف نے پوچھا۔

''تقریباً آدھی رات کا وقت تھا۔'' عاشی نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں بہت نروس ہو رہی تھی۔ میں نے دلیر سنگھ کے کہنے پر چائے بنائی تھی اور پھر ہم کافی دیر تک یہاں بیٹھے باتیں کرتے رہے تھے۔ دلیر سنگھ کی باتوں سے مجھے بہت حوصلہ ملا تھا۔ پھر میں نے الماری سے تکیہ اور کمبل نکال کر کوچ پر رکھے اور سونے کے لئے کمرے میں چلی گئی تھی۔''

''گویا تم نے اس وقت آخری مرتبہ اسے دیکھا تھا؟''

''ہاں!'' عاشی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''میں اپنے کمرے میں جا کر بھی کچھ دیر تک جاگتی رہی تھی اور آخر کار مجھے خواب آور گولی لینی پڑی تھی۔ اور پھر میری آنکھ پچھلی گلی میں کسی عورت کے چیخنے کی آواز سے کھلی تھی۔'' وہ ایک بار پھر ہولے ہولے کانپنے لگی۔

''کیا تمہارے خیال میں کسی نے فلیٹ کے اندر آ کر دلیر سنگھ کو قتل کیا ہوگا؟'' شیرف نے پوچھا۔

''مم..... مجھے نہیں معلوم۔'' عاشی نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔ ''کوئی میرے بند فلیٹ میں بھی اندر آتا رہتا ہے۔ اس نے باتھ روم کے آئینے پر دھمکی آمیز پیغام بھی لکھا تھا۔''

''دلیر سنگھ نے ٹیلی فون پر مجھے بتایا تھا۔'' شیرف بولا۔

''میرا خیال ہے کوئی آواز سن کر دلیر سنگھ دروازہ کھول کر فلیٹ سے باہر نکلا ہوگا۔'' عاشی نے کہا۔

''اور میرا خیال ہے وہ بغیر لباس کے تو باہر نہیں گیا ہوگا۔'' شیرف نے کہتے ہوئے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

''مجھے کچھ نہیں پتہ۔ میں کچھ نہیں جانتی۔'' عاشی نے ہسٹیریائی انداز میں چیختے ہوئے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔

''میں اس فلیٹ کو چیک کرنا چاہتا ہوں۔ کیا مجھے تلاشی کے اجازت نامے کی ضرورت ہو گی؟'' شیرف عاشی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''نہیں! تم تلاشی لے سکتے ہو۔'' عاشی نے جواب دیا۔

شیرف میٹ نے اپنے ماتحتوں کو اشارہ کیا۔ ان میں سے ایک بیڈ روم میں چلا گیا اور دوسرا کچن کی طرف۔

''رات کو ڈپٹی شیرف اور تم میں کیا باتیں ہوئی تھیں مس عاشی؟'' شیرف نے پوچھا۔

''میں اسے ان واقعات کے بارے میں بتا رہی تھی جن سے میری زندگی اجیرن ہو رہی تھی۔'' عاشی نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ ''وہ بہت ہی.....'' اس نے شیرف کی طرف دیکھا۔ ''لیکن دلیر سنگھ کو کس نے قتل کیا ہے اور کیوں؟''

''ہم یہی معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔'' شیرف نے کہا۔ اسی وقت سراغ رساں ایلٹن دروازے میں نمودار ہوا۔ ''ایک منٹ شیرف!'' اس نے شیرف کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

''کیا بات ہے؟'' شیرف نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے ایلٹن سے پوچھا۔

''مجھے یہ چھری کچن کے سنک میں پڑی ہوئی ملی ہے۔'' سراغ رساں نے نوک سے پکڑی ہوئی خون آلود چھری دکھائی۔ ''اسے دھونے یا صاف کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اس پر سے انگلیوں کے نشانات مل سکتے ہیں۔''

دوسرا سراغ رساں کوسٹ، جو بیڈ روم کی تلاشی لینے گیا تھا تقریباً دوڑتا ہوا کچن میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں زمرد کی ایک انگوٹھی تھی جس میں چھوٹے چھوٹے ہیرے بھی جڑے ہوئے تھے۔

''یہ انگوٹھی مجھے بیڈ روم میں رکھے ہوئے جیولری بکس میں سے ملی ہے۔ یہ بالکل ویسی ہی انگوٹھی ہے جس کے بارے میں ہمیں کیوبک سٹی سے رپورٹ مل چکی ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق ایسی انگوٹھی جم کلاڈ نے اپنی دوست پیشا کو تحفہ میں دی تھی۔''

وہ تینوں معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

''بات سمجھ میں نہیں آئی۔'' شیرف خون آلود چھری اور انگوٹھی لے کر نشست گاہ میں آ گیا اور چھری عاشی کو دکھاتے ہوئے بولا۔ ''یہ چھری تمہاری ہے؟''

''ہاں! میرا خیال ہے میری ہی ہے۔'' عاشی نے چھری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور یہ انگوٹھی؟'' شیرف نے اسے انگوٹھی دکھائی۔ ''یہ انگوٹھی پہلے کبھی دیکھی ہے؟''

''نہیں!'' عاشی نے انگوٹھی کی طرف دیکھتے ہوئے سر ہلا دیا۔

''یہ انگوٹھی ہمیں تمہارے جیولری بکس میں سے ملی ہے۔'' شیرف نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

عاشی کے چہرے پر انتہائی حیرت کے تاثرات اُبھر آئے۔ ''م..... مجھے نہیں معلوم۔'' وہ ہکلائی۔ ''ک..... کسی نے وہاں رکھ دی ہو گی۔''

''ایسی حرکت کون کر سکتا ہے؟'' شیرف نے اسے گھورا۔

''م..... میں کیا کہہ سکتی ہوں۔'' عاشی کا چہرہ ایک دم پیلا پڑ گیا۔

''شیرف!'' ایک کانسٹیبل نے دروازے میں نمودار ہو کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ شیرف اس کے قریب پہنچ گیا۔

''راہداری کے قالین اور لفٹ کے فرش پر خون کے دھبے ملے ہیں۔ لگتا ہے لاش کو کسی چادر میں ڈال کر گھسیٹتے ہوئے لفٹ تک لے جایا گیا اور پچھلی گلی میں پھینک دیا گیا۔''

''اوہ!'' شیرف کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ وہ عاشی کی طرف گھوم گیا۔ ''مس عاشی! تم اپنے آپ کو زیر حراست سمجھو۔ اب تم جو بھی کہو گی وہ عدالت میں تمہارے خلاف استعمال بھی کیا جا سکتا ہے۔ تمہیں قانونی مشیر کی خدمات حاصل کرنے کی اجازت ہو گی۔ اگر تم وکیل کے اخراجات برداشت کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہو تو وکیل تمہیں عدالت کی طرف سے فراہم کیا جائے گا۔''

وہ عاشی کو لے کر پولیس سٹیشن پہنچ گئے۔

''اس کی انگلیوں کے نشانات محفوظ کر کے اس کے خلاف رپورٹ درج کر لو۔'' شیرف نے اپنے ماتحتوں کو حکم دیا۔

عاشی کی انگلیوں کے نشانات لے لئے گئے اور اس کے خلاف دیگر کارروائی بھی مکمل ہو گئی تو شیرف نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں ایک ٹیلی فون کال کرنے کا حق حاصل ہو گا۔ تم اگر چاہو تو کسی کو فون کر سکتی ہو۔''

''مجھے کسی کو فون نہیں کرنا۔'' عاشی نے جواب دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس نے سوچا تھا کہ وہ اپنے باپ کو یہ اطلاع دے ہی نہیں سکتی تھی۔

عاشی کو سلاخوں کے پیچھے بند دیکھ کر شیرف میٹ عجیب سے خیالات میں الجھ کر رہ گیا۔ بات اب بھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اس نے عاشی کے پولی گراف ٹیسٹ کی رپورٹ دیکھی تھی اور اب اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ عاشی مجرم ہو سکتی ہے۔

ادھر سے فارغ ہو کر وہ دلیر سنگھ کے گھر پہنچ گیا۔ اسے اپنی بہن کو بھی یہ روح فرسا خبر سنانی تھی۔ اور یہ خبر سیرینا کے حواس پر بجلی بن کر گری۔ وہ حسب معمول چیخنے چلانے لگی۔ میٹ کو جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ اس کی بہن ذہنی توازن کھو چکی ہے۔ اس نے فون کر کے ایمبولینس منگوالی اور سیرینا کو ہسپتال پہنچا دیا گیا۔

اس کے تین گھنٹے بعد شیرف اپنے دفتر میں میٹنگ میں مصروف تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھا لیا۔

''تمہارے لئے کال ہے شیرف!'' آپریٹر کی آواز سنائی دی۔

''لائن ملاؤ۔'' شیرف نے کہا۔

''ایف بی آئی ہیڈ کوارٹر واشنگٹن سے سپیشل ایجنٹ ریمر بول رہا ہوں شیرف!'' دوسری طرف سے کہا گیا۔ قتل کی ان وارداتوں کے سلسلے میں تمہارے لئے ایک اہم اطلاع ہے۔ عائشہ سلطان جمیل کی انگلیوں کے نشانات ہمارے پاس نہیں ہیں۔ کیونکہ اس کا کوئی مجرمانہ ریکارڈ نہیں ہے۔ اور 1988ء سے پہلے ریاست کیلی فورنیا میں ڈرائیونگ لائسنس حاصل کرنے کے لئے انگوٹھوں کے نشان لینا بھی ضروری نہیں سمجھا جاتا تھا۔''

''آگے کہو! میں سن رہا ہوں۔'' شیرف نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

''پہلے تو ہم یہ سمجھتے رہے کہ شاید کمپیوٹر کی کوئی غلطی ہے۔ لیکن ہم نے دوبارہ چیک کیا تو.....''

شیرف تقریباً پانچ منٹ تک ریمر کی آواز سنتا رہا۔ اس کے چہرے کے تاثرات ہر لحظہ تبدیل ہو رہے تھے۔ اور جب ریمر نے اپنی بات ختم کی تو وہ بولا۔ اس کے لہجے میں بھی سنسنی کا عنصر نمایاں تھا۔

''کیا تم یقین سے کہہ سکتے ہو کہ اس معاملے میں تم لوگوں سے کوئی غلطی نہیں ہوئی؟ مجھے یقین نہیں آ رہا۔ یہ تمام قتل..... سمجھ گیا۔ شکریہ ریمر!''

اس نے ریسیور رکھ دیا اور کتنی دیر تک سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا۔ پھر اپنے ساتھیوں کی

طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''واشنگٹن سے ایف بی آئی کے سپیشل ایجنٹ کا فون تھا۔ انہوں نے مقتولین کی لاشوں پر پائے جاتے والے انگلیوں کے نشانات کے سلسلے میں اپنی تحقیق مکمل کر لی ہے۔ کیوبک سٹی میں جم کے قتل سے پہلے جو عورت اسے ملی تھی وہ برطانوی نژاد ہندو ہے۔ اس کا نام پشپا دھیرن ہے۔''

''اوہ!'' وہ سب چونک گئے۔

''سان فرانسسکو میں مصور رچرڈ کے قتل سے پہلے ملنے والی عورت اطالوی نژاد صوفیہ تھی۔'' شیرف نے ان سب کے چہروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ان سب نے سر ہلا دیئے۔

''اور گزشتہ رات۔'' شیرف نے کہا۔ ''ہمارا ڈپٹی شیرف دلیر سنگھ، عائشہ سلطان جمیل عرف مس عاشی کے ساتھ تھا۔''

''ٹھیک ہے!'' ان سب نے ایک بار پھر سر ہلا دیا۔

''اب صورت حال یہ ہے۔'' شیرف میٹ سسپنس پیدا کرتے ہوئے بولا۔ ''پشپا دھیرن، صوفیہ اور عائشہ جمیل عرف عاشی۔ یہ تینوں ایک ہی ہستی کے نام ہیں۔''

''کیا؟'' وہ سب اچھل پڑے۔

☆

اور یہ رہا ٹیرس۔'' جائیدادوں کے بروکر رابرٹ نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ ''یہاں سے آدھے سے زیادہ شہر کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔''

وہ مڑ کر ان میاں بیوی کی طرف دیکھنے لگا جو آگے بڑھ کر ٹیرس پر آ گئے تھے۔ وہ دونوں جوان تھے۔ ان کی شادی کو ایک سال سے زیادہ نہیں ہوا تھا۔ یہاں سے سان فرانسسکو شہر کا نظارہ واقعی دلفریب تھا۔ بروکر نے ان دونوں کو مسکراتے ہوئے دیکھا تو دل ہی دل میں وہ بھی ہنس دیا۔ وہ دونوں اپنی اندرونی کیفیت کو چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہی ہوتا تھا۔ اگر کسی گاہک کو کوئی مکان یا فلیٹ پسند آ جاتا تھا تو وہ اپنی کیفیت کو چھپانے کی کوشش کرتا تھا تاکہ اس کی دلچسپی دیکھ کر بروکر یا مالک اپنی جائیداد کی قیمت نہ بڑھا دے۔ اور بروکر رابرٹ سوچ رہا تھا کہ اس عالیشان فلیٹ کی قیمت تو پہلے ہی بہت زیادہ بتائی جا چکی ہے۔ اور یہ دونوں میاں بیوی اس پر سمجھوتہ کر سکیں گے یا نہیں۔ اور یہ گاہک ایک وکیل تھا اور کسی نوجوان وکیل کی آمدنی اتنی زیادہ نہیں ہوتی کہ اتنی مہنگی جائیداد خرید سکے۔

ڈیوڈ سنگر وکیل تھا۔ اس کی عمر تیس بتیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ دراز قامت، شہد کی رنگت کے بال اور آنکھوں میں ذہانت کی چمک۔ اس کی بیوی سینڈرا چھبیس ستائیس سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ بھی بے حد حسین تھی اور حقیقت یہ تھی کہ ان دونوں کی جوڑی خوب جچ رہی تھی۔

بروکر نے سینڈرا کا پھولا ہوا پیٹ دیکھ کر اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ وہ اس صورت حال سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

''دوسرے مہمان خانے کو بڑی آسانی سے بچوں کے کھیلنے کے کمرے میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اس عمارت سے ذرا فاصلہ پر بچوں کے لئے ایک بہت محفوظ کھیل کا میدان اور دو بہترین سکول بھی ہیں۔''

دونوں میاں بیوی ایک بار پھر معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

یہ فلیٹ ان کے لئے ہر لحاظ سے مناسب تھا۔ اوپر کی منزل پر ماسٹر بیڈ روم کے علاوہ ایک مہمانوں کا کمرہ بھی تھا اور دونوں کے ساتھ ملحق غسل خانے بھی تھے۔ جبکہ نچلی منزل پر کشادہ

نشست گاہ، ڈائننگ روم، لائبریری، کچن اور دوسرا مہمانوں کا کمرہ تھا۔ اس کے ساتھ غسل خانہ بھی تھا۔ اس فلیٹ کے تقریباً ہر کمرے سے شہر کے مختلف حصوں کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔

وہ دونوں گھوم پھر کر فلیٹ دیکھتے رہے اور بروکر گہری نظروں سے ان کا جائزہ لیتا رہا۔ وہ دونوں ایک کمرے کے کونے میں رُک گئے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشیاں کرنے لگے۔

''فلیٹ بہت اچھا ہے۔ مجھے پسند آیا۔'' سینڈرا اپنے شوہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''ہمارے بچے کے لئے بھی یہاں کا ماحول مناسب رہے گا۔ لیکن..... اس کی قیمت... چھ لاکھ ڈالر بہت زیادہ ہے۔ کیا ہم اس کے متحمل ہو سکیں گے؟''

''اور دیکھ بھال کے اخراجات اس کے علاوہ۔'' ڈیوڈ بولا۔ ''اور تمہارے لئے ایک اچھی خبر یہ ہے کہ ہم جمعرات کو اس قابل ہو جائیں گے کہ اس قیمت کے متحمل ہو سکیں۔ جمعرات کو جن بوتل سے باہر آ جائے گا اور ہماری زندگی بدل جائے گی۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' سینڈرا مسکرائی۔

''تو پھر بات آگے بڑھائی جائے؟'' وکیل ڈیوڈ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں! یہ معاملہ آج طے کر ہی لو۔'' سینڈرا مسکرائی۔

وہ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے نپے تلے قدم اٹھاتے ہوئے بروکر کے قریب آ گئے۔

''ہم یہ فلیٹ لینے کو تیار ہیں۔'' ڈیوڈ نے کہا۔

''مبارک ہو۔'' بروکر اس مرتبہ کھل کر مسکرایا۔ ''یہ فرانسسکو شہر کا بہترین رہائشی علاقہ ہے۔ آپ لوگوں کو یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ قرب و جوار میں زندگی کی ہر سہولت موجود ہے۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا۔ پھر بولا۔ ''ایک بات اور بتا دوں۔ کچھ اور لوگ بھی اس فلیٹ کو خریدنے میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ آپ لوگ اس معاملے میں واقعی خوش قسمت ثابت ہوئے ہیں۔''

''اس کی پہلی ادائیگی کتنی ہوگی؟'' ڈیوڈ نے پوچھا۔

''فوری طور پر دس ہزار ڈالر دینے ہوں گے۔'' بروکر نے جواب دیا۔ ''میں کاغذات تیار کروا لوں گا۔ معاہدے پر دستخط کرتے وقت مزید ساٹھ ہزار ڈالر ادا کرنے ہوں گے۔ باقی رقم قرضے کی صورت میں ماہانہ قسطوں میں ادا کرنی ہوگی۔ تمہارا بینک ماہانہ قسطوں کی ادائیگی کا بندوبست کر سکتا ہے۔ بیس سے تیس سال کے عرصے میں یہ قسطیں پوری ہو جائیں گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' ڈیوڈ نے کہتے ہوئے بیوی کی طرف دیکھا۔

''تو پھر میں دو چار روز میں کاغذات تیار کروا لوں گا۔'' بروکر نے کہا۔

وہ دونوں میاں بیوی اب تک میرینا میں واقع دو بیڈ رومز کے ایک چھوٹے سے فلیٹ میں رہ رہے ہیں۔ لیکن ان کے ہاں پہلے بچے کی آمد آمد تھی۔ ان کا شمار ان لوگوں میں کیا جا سکتا تھا جو بہت آگے کی سوچتے ہیں۔ وہ اپنے بچے کو ایک اچھا، خوشگوار اور پرسکون ماحول فراہم کرنا چاہتے تھے۔ وہ اب تک جہاں رہ رہے تھے وہ شہر کا متوسط علاقہ تھا۔ زیادہ تر آبادی سیاہ فاموں پر مشتمل تھی جن کے بچے دن بھر گلیوں میں پھرتے اور ہنگامے کرتے رہتے تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کا بچہ بھی اسی رنگ میں رنگا جائے۔

ناب ہل جیسے علاقے میں کسی کشادہ اور شاہانہ فلیٹ میں رہائش اختیار کرنا ایک خواب ہی تھا اور اب ان کا یہ خواب پورا ہونے والا تھا۔ وکیل ڈیوڈ کو اپنی قانونی فرم میں جمعرات کو پارٹنر شپ ملنے والی تھی۔ اس پارٹنر شپ کے لئے چھبیس امیدوار تھے جن میں سے چھ کا انتخاب ہوا تھا اور ان چھ میں سے ایک کا حتمی انتخاب ہونا تھا اور عام تاثر یہ تھا کہ ڈیوڈ سنگر ہی کو منتخب کیا جائے گا۔ یہ قانونی مشیروں کی ایک بہت بڑی فرم تھی۔ اس کے دفاتر سان فرانسسکو کے علاوہ نیو یارک، لندن، پیرس اور ٹوکیو وغیرہ میں بھی تھے۔ اس کمپنی کو بلاشبہ دنیا کی صف اول کی وکیلوں کی کمپنی سمجھا جاتا تھا اور لاء کالج کا ہر گریجویٹ یہاں ملازمت کا خواہش مند تھا۔

اس لاء کالج کے قواعد و ضوابط بہت سخت تھے۔ سینئر وکلاء نوجوان وکیلوں پر کام کا اتنا زیادہ بوجھ ڈال دیتے کہ بعض تو بلبلا اٹھتے تھے اور کام چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے اور جو نوجوان سختیوں کو برداشت کر لیتے تھے انہیں اپنی محنت کا پھل ملتا تھا اور ان میں زیادہ محنت کرنے والا وکیل کمپنی کی پارٹنر شپ تک بھی پہنچ جاتا تھا۔ اس کمپنی میں پارٹنر شپ کا مطلب تھا تنخواہ میں کئی گنا اضافہ، کمپنی کے منافع میں حصہ، ایک کشادہ و آراستہ دفتر، غیر ممالک کے دورے اور دیگر بہت سی سہولتیں بھی شامل تھیں۔

ڈیوڈ اس کارپوریٹ لاء فرم میں گزشتہ چھ سال سے خدمات انجام دے رہا تھا۔ ابھی پر بھی گدھوں کی طرح کام کا بوجھ لاد دیا جاتا تھا۔ بعض اوقات تو اسے چوبیس گھنٹے دفتر میں بیٹھ کر کام کرنا پڑتا تھا۔ لیکن اس نے کبھی اُف نہیں کی تھی۔ اس کی نظریں شروع ہی سے پارٹنر شپ پر تھیں اور وہ بڑی محنت سے کام کرتا رہا تھا۔ اور آخر کار وہ دن آ گیا تھا جب اسے اپنی محنت کا پھل ملنے والا تھا۔

فلیٹ دیکھنے کے بعد ڈیوڈ اور سینڈرا شاپنگ کے لئے نکل گئے۔ ان کے دلوں میں بھی وہی

کچھ تھا جو نئے ماں باپ بننے والوں کے دلوں میں ہوتا ہے۔ بچے کی پیدائش سے پہلے ہی بلکہ کئی مہینے پہلے اس کے لئے انتظامات شروع کر دیئے جاتے ہیں۔ انہوں نے بھی کپڑوں کے علاوہ کچھ ایسی چیزیں خریدیں جن کی ضرورت کئی مہینوں بعد پڑنے والی تھی۔

شاپنگ کے بعد وہ دیر تک شہر کے مختلف علاقوں میں گھومتے رہے۔ دوپہر کا کھانا انہوں نے امریکن ریستوران میں کھایا۔

ڈیوڈ اور سینڈرا کی پہلی ملاقات بھی تین سال پہلے ایک ڈنر پارٹی میں ہوئی تھی۔ ڈیوس اس پارٹی میں اپنے ایک کلائنٹ کی بیٹی کے ساتھ گیا تھا۔ سینڈرا سے ملاقات بہت دلچسپ ثابت ہوئی تھی۔ سینڈرا نے بھی قانون کی ڈگری لی تھی اور وہ بھی ایک لاء فرم میں کام کر رہی تھی۔ سینڈرا اور ڈیوڈ ایک الگ تھلگ میز پر بیٹھے واشنگٹن کے ایک پرانے سیاسی کیس پر بحث کر رہے تھے۔ بحث میں گرمی آتی جا رہی تھی۔ آس پاس بیٹھے ہوئے لوگ بڑی دلچسپی سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ بحث کے دوران ہی ڈیوڈ اور سینڈرا کو یہ احساس ہو گیا کہ کئی سال پہلے اس کیس میں جج کے فیصلے پر بحث کرنے کا اب کوئی فائدہ نہیں۔ انہوں نے موضوع بدل دیا۔

اگلے روز ڈیوڈ نے سینڈرا کو فون کیا۔ ''کل ہماری بحث نا تمام رہ گئی تھی۔ میں چاہتا ہوں آج اسے مکمل کر دیا جائے۔''

''میں بھی یہی چاہتی ہوں نا'' سینڈرا نے جواب دیا۔

''تو پھر آج رات ڈنر کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' ڈیوڈ بولا۔

سینڈرا ایک لمحے کو ہچکچائی۔ آج رات وہ ڈنر پر کہیں اور مدعو تھی۔ اس نے پروگرام ختم کر دیا اور ڈیوڈ کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔ ''ٹھیک ہے! آج رات ہم ڈنر پر بات کریں گے۔''

اس رات ڈنر پر ان میں کچھ زیادہ بے تکلفانہ گفتگو ہوئی۔ اور پھر ملاقاتوں کا یہ سلسلہ چلتا رہا۔ ایک سال بعد وہ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔

ڈیوڈ کو اپنی کمپنی سے سالانہ پینتالیس ہزار ڈالر تنخواہ ملتی تھی۔ سینڈرا نے بھی اپنی لاء کمپنی میں ملازمت جاری رکھی۔

ان کے اخراجات اگرچہ بڑھ رہے تھے لیکن سینڈرا سوچ رہی تھی کہ بچے کی پیدائش کے بعد اسے اپنی نوکری چھوڑنی پڑے گی۔ وہ بچے کو کسی آیا کے رحم و کرم پر چھوڑنے کی بجائے اس کی پرورش خود کرنا چاہتی تھی۔ سونوگرام سے یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ اس کے ہاں بیٹا ہونے والا ہے اور وہ دونوں میاں بیوی بہت خوش تھے۔

''تم پریشان مت ہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' ڈیوڈ اخراجات کے معاملے میں اسے

سمجھانے کی کوشش کرتا۔ اس کی تمام امیدیں اپنی کمپنی میں پارٹنر شپ سے وابستہ تھیں۔ اسے یقین تھا کہ پارٹنر شپ مل جانے کے بعد اس کے مالی حالات بہتر ہو جائیں گے۔

وہ جمعرات کی صبح تھی۔ ڈیوڈ دفتر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس وقت ٹی وی پر خبریں بھی آ رہی تھیں۔ دفعتاً وہ ایک نام سن کر چونک گیا اور توجہ سے خبریں سننے لگا۔ نیوز کاسٹر کہہ رہی تھی۔

''.....سان فرانسسکو کے معروف ڈاکٹر سلطان جمیل کی بیٹی عائشہ جمیل عرف عاشی کو پولیس نے قتل کی چند بہیمانہ وارداتوں کے الزام میں گرفتار کر لیا ہے۔''

ڈیوڈ پر ایک لمحے کو سکتے کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس کی نظریں گویا ٹی وی سکرین پر چپک کر رہ گئی تھیں اور کان بھی صرف وہی آواز سن رہے تھے جو ٹی وی کے سپیکر سے اُبھر رہی تھی۔

''.....گزشتہ رات سانتا کلارا کاؤنٹی کے شیرف میٹ نے عائشہ جمیل کی گرفتاری کا اعلان کرتے ہوئے صحافیوں کو بتایا کہ گزشتہ کچھ عرصے کے دوران جن آدمیوں کو بے دردی سے قتل کر کے ان کے اعضائے مخصوصہ بھی کاٹ دیئے گئے تھے پولیس کا شبہ تھا کہ یہ کسی ایک ہی شخص کا کارنامہ ہو سکتا ہے۔ پولیس نے عاشی کو گرفتار کر لیا ہے اور اس میں اب کوئی شبہ نہیں رہا کہ یہ تمام قتل اسی نے کئے ہیں۔''

ڈیوڈ کے دماغ میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر سلطان جمیل کا نام اس کے دماغ میں گونج رہا تھا۔ اور پھر اسے ماضی کی بازگشت سنائی دینے لگی۔

☆

یہ کئی سال پہلے کی بات تھی۔ اس وقت ڈیوڈ سنگر کی عمر اکیس سال تھی اور اس نے چند ہفتے پہلے ہی لاء کالج میں داخلہ لیا تھا۔ ایک روز وہ کالج سے واپس آیا تو یہ دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے کہ اس کی ماں بیڈ روم کے فرش پر بے ہوش پڑی ہے۔ اس نے فوراً ہی ہسپتال فون کر دیا۔ چند منٹ بعد ہی ایمبولینس پہنچ گئی اور اس کی ماں کو سان فرانسسکو میموریل ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ ڈیوڈ ایمرجنسی روم کے باہر بے چینی سے ٹہلتا رہا۔ بہت دیر بعد ایک ڈاکٹر باہر نکلا تو ڈیوڈ تیزی سے اس کی طرف لپکا۔

''ڈاکٹر پلیز! میری ماں کیسی ہے؟ وہ ٹھیک ہو جائے گی نا؟'' اس نے پوچھا۔

''تمہاری ماں پر دل کا دورہ پڑا ہے۔ ایک کارڈیالوجسٹ اس کا معائنہ کر رہا ہے۔ دل کے ایک والو کی نس پھٹ گئی ہے۔ کیس خاصا پیچیدہ ہے۔'' ڈاکٹر نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے جواب دیا۔

''کک.....کیا؟'' ڈیوڈ ہکلایا۔ ''اس کا علاج۔''

"مجھے افسوس ہے۔ شاید ہم اس کے لئے کچھ نہ کر سکیں۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "وہ اس قدر کمزور ہے کہ دل کی تبدیلی ممکن نہیں اور منی ہارٹ سرجری ابھی حال ہی میں متعارف ہوئی ہے۔ ہم اس کا رسک نہیں لے سکتے۔"

ڈیوڈ کو اپنے اردگرد کی ہر چیز گھومتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا۔

"وہ..... وہ کب تک.....؟" کسی انجانے خوف سے وہ جملہ مکمل نہ کر سکا۔

"چند روز..... زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ۔ وہ اس سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکے گی۔ مجھے افسوس ہے بیٹا!"

"کیا کوئی ڈاکٹر۔" ڈیوڈ بولا۔

"کوئی ڈاکٹر اب اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔ پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "ہاں! ماہر قلب ڈاکٹر سلطان جمیل ایک ایسا آدمی ہے جو شاید تمہاری ماں کو زندگی کی طرف واپس لا سکے۔ لیکن وہ اس قدر......"

"ڈاکٹر سلطان جمیل کون ہے؟" ڈیوڈ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"ڈاکٹر سلطان جمیل منی ہارٹ سرجری کا بانی ہے۔ لیکن وہ حد سے زیادہ مصروف ہے۔ تحقیقی کاموں کے علاوہ اسے آپریشن بھی کرنے ہوتے ہیں۔"

ڈاکٹر کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی ڈیوڈ وہاں سے جا چکا تھا۔

ڈیوڈ نے ہسپتال ہی کے ایک فون سے ڈاکٹر سلطان جمیل کا نمبر ملایا۔ کال اس کی سیکرٹری نے ریسیو کی تھی۔

"میری ماں کی حالت بہت خراب ہے۔ میں ڈاکٹر سلطان جمیل سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"سوری سر!" سیکرٹری نے جواب دیا۔ "چھ مہینے سے پہلے کسی کو ملاقات کا وقت نہیں مل سکتا۔"

"چھ مہینے۔" ڈیوڈ چیخا۔ "میری ماں چھ دن سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکے گی۔"

"آئی ایم سوری!" سیکرٹری نے کہا۔ "ڈاکٹر سلطان جمیل کے پاس چھ مہینے سے پہلے کسی نئے مریض کو دیکھنے کا وقت نہیں ہے۔ میں تمہیں ایک اور ڈاکٹر......"

ڈیوڈ نے اس کی پوری بات سنے بغیر ریسیور پٹخ دیا۔

وہ اگلے روز صبح سویرے ہی ڈاکٹر سلطان جمیل کے دفتر پہنچ گیا۔ کمرہ انتظار کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ڈیوڈ اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا استقبالیہ پر پہنچ گیا۔ "میں ڈاکٹر سلطان جمیل سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"میری ماں کی حالت بہت......"

"میرا خیال ہے تم نے کل فون بھی کیا تھا؟" لڑکی نے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں!" ڈیوڈ نے سر ہلا دیا۔

"میں نے تمہیں کل ہی بتا دیا تھا کہ چھ مہینے سے پہلے ڈاکٹر صاحب کسی نئے مریض کو دیکھنے کے لئے وقت نہیں دے سکتے۔" لڑکی نے کہا۔

"ٹھیک ہے! میں یہاں بیٹھ کر انتظار کر لیتا ہوں۔ ڈاکٹر دفتر سے باہر نکلے گا تو میں اس سے بات کر لوں گا۔" ڈیوڈ نے جواب دیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

اسی وقت ایک آدمی اٹھ کر اندرونی دروازے کی طرف بڑھا۔ ڈیوڈ جلدی سے خالی ہونے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

کمرہ انتظار میں بیٹھے ہوئے لوگ اپنی باری پر اندر جاتے اور واپس آتے رہے۔ ڈیوڈ خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا۔ اور آخر کار وہ کمرے میں اکیلا رہ گیا۔

چھ بجے استقبالیہ پر بیٹھی ہوئی لڑکی بھی اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

"یہاں بیٹھے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں مسٹر!" وہ ڈیوڈ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "ڈاکٹر سلطان جمیل دوسرے دروازے سے جا چکے ہیں۔"

ڈیوڈ اسی شام اپنی ماں سے ملنے کے لئے ہسپتال پہنچ گیا۔ وہ انتہائی نگہداشت کے کمرے میں تھی۔

"تمہاری ماں کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔" نرس نے کہا۔ "تم ایک منٹ سے زیادہ اس کے پاس نہیں رکو گے۔"

ڈیوڈ کمرے میں داخل ہوا تو ماں کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ ماں کی ناک اور بازوؤں میں ٹیوبس لگی ہوئی تھیں جو ایک مشین سے منسلک تھیں۔

ماں کا چہرہ اس چادر سے بھی زیادہ سفید ہو رہا تھا جو اسے اوڑھائی گئی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

ڈیوڈ بستر کے قریب پہنچ گیا۔ چند لمحے ماں کو دیکھتا رہا۔ پھر رندھی ہوئی آواز میں بولا۔

"میں ہوں ماں! میں تمہیں اس طرح بے سہارا نہیں چھوڑوں گا۔ تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔" آنکھوں سے ٹپکنے والے آنسو اب اس کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔ "میری آواز سن رہی ہو ماں؟ میں تمہارے لئے وہ سب کچھ کروں گا جو مجھ سے ہو سکے گا۔ دنیا کی کوئی طاقت اس وقت تمہیں مجھ سے نہیں چھین سکتی۔ میں تمہارے لئے دنیا کے بہترین ڈاکٹر کو یہاں لے کر آؤں گا۔"

حوصلہ رکھو ماں! میں کل آؤں گا۔ ڈاکٹر کو لے کر۔" اس نے جھک کر ماں کی پیشانی پر بو
اور باہر جاتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ کیا کل تک اس کی ماں زندہ رہ سکے گی؟"

اگلے روز دوپہر کے وقت ڈیوڈ، ڈاکٹر سلطان جمیل کے دفتر والی بلڈنگ کے تہہ خانے
پہنچ گیا۔ یہ جگہ ہسپتال والوں کی گاڑیاں کھڑی کرنے کے لئے مخصوص تھی۔ پارکنگ کا نگرا
فوراً ہی اس کے قریب پہنچ گیا۔

"ہیلو مسٹر!" پارکنگ کے نگران نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "م
تمہاری کوئی مدد کر سکتا ہوں؟"

"میں اپنی بیوی کا انتظار کر رہا ہوں۔" ڈیوڈ نے جواب دیا۔ "وہ ڈاکٹر سلطان سے
چیک اپ کروا رہی ہے۔"

"ڈاکٹر سلطان بہت ذہین آدمی ہے۔" نگران مسکرا دیا۔ "ڈاکٹر سلطان نے تھوڑی
پہلے مجھے اپنی کار کے بارے میں بتایا تھا جسے وہ شاید بیچنا چاہتا ہے۔" ڈیوڈ نے کہا۔ "
کیڈلک کار ہے۔"

"نہیں!" نگران نے ایک رولز رائس کی طرف اشارہ کیا۔ "ڈاکٹر کی کار وہ کھڑی ہے
رولز رائس۔"

"اوہ!" ڈیوڈ بولا۔ "ڈاکٹر نے شاید کہا تھا کہ اس کے پاس کیڈلک بھی ہے۔"

"اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ ڈاکٹر سلطان جمیل کوئی بھی کار خرید سکتا ہے۔" نگرا
نے کہا اور پارکنگ میں داخل ہونے والی ایک گاڑی کی طرف بڑھ گیا اور ہاتھ کے اشار
سے ڈرائیور کو اس کی پارکنگ کی جگہ بتانے لگا۔

ڈیوڈ ٹہلتا ہوا رولز رائس کے قریب پہنچ گیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ کچھ دیر بعد پارکنگ
نگران بھی باہر جا چکا تھا۔ ڈیوڈ نے ایک بار پھر محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا اور رولز رائس
کا پچھلا دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ کے آگے فٹ میٹ پر لیٹ گیا اور دروازہ بڑی آہستگی سے
بند کر دیا۔

چھ بج کر پندرہ منٹ پر ڈیوڈ نے کار کے قریب قدموں کی آواز سنی۔ پھر کوئی شخص کار کا
دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ انجن سٹارٹ ہوا اور کار حرکت میں آ گئی۔

کار پارکنگ سے نکل کر سڑک پر آ گئی اور ایک موڑ پر گھومنے کے ساتھ ہی اس کی رفتار میں
اضافہ ہونے لگا۔ ڈیوڈ نے دو منٹ انتظار کیا اور پھر گہرا سانس لیتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

ڈاکٹر سلطان جمیل نے عقبی منظر پیش کرنے والے آئینے میں اسے دیکھ لیا۔ وہ ذرا بھی

خوف زدہ نہیں ہوا۔ وہ آئینے میں دیکھتے ہوئے پرسکون لہجے میں بولا۔ "اگر تم مجھے لوٹنا چاہتے
ہو تو میری جیب میں زیادہ کیش نہیں ہے۔"

"کار کسی سائیڈ سٹریٹ پر موڑ کر روک لو۔" ڈیوڈ نے کہا۔

ڈاکٹر سلطان جمیل نے سر ہلا دیا اور کچھ ہی دیر بعد کار کو ایک گلی میں موڑ کر سڑک کے
کنارے پر روک لیا اور پرسکون لہجے میں بولا۔ "میرے پاس جتنی بھی رقم موجود ہے وہ میں
تمہارے حوالے کر دوں گا۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "تم یہ کار بھی لے جا سکتے ہو۔ مجھے کسی ایسی کار کی
ضرورت نہیں جو.....".

"مجھے نہ تو رقم درکار ہے اور نہ ہی تمہاری کار کی ضرورت ہے۔" ڈیوڈ کہتے ہوئے اگلی
سیٹ پر آ گیا۔

"تو پھر کیا چاہتے ہو؟" ڈاکٹر نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میرا نام ڈیوڈ سنگر ہے۔ میری ماں مر رہی ہے اور تم..... صرف تم اسے بچا سکتے ہو۔"
ڈیوڈ نے کہا۔

ڈاکٹر کے چہرے پر طمانیت سی آ گئی۔ اس کے دل پر طاری خوف بھی زائل ہو گیا۔

"میری سیکرٹری سے اپائنٹ منٹ....."

"اپائنٹ منٹ لینے کا وقت نہیں ہے۔" ڈیوڈ نے اس کی بات کاٹ دی۔ اس کے لہجے
میں تلخی تھی۔ "میری ماں مر رہی ہے۔ اس کی زندگی کی امید ختم ہوتی جا رہی ہے۔" اس کی آواز
بھرا گئی۔ وہ اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "پلیز ڈاکٹر! ہسپتال کے
ڈاکٹروں نے مجھے بتایا تھا کہ اسے تم اور صرف تم ہی بچا سکتے ہو۔"

ڈاکٹر سلطان جمیل نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "میرا شیڈول....."

"میں لعنت بھیجتا ہوں تمہارے شیڈول پر۔" ڈیوڈ چیخا۔ "میری ماں مر رہی ہے۔ تم اسے
بچا سکتے ہو۔ اس کے علاوہ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ وہی میرا سب کچھ ہے۔"

ڈاکٹر سلطان چند لمحے گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ "کیا تکلیف
ہے اسے؟"

"اس کے دل کے ایک والو کی نس ختم ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر آپریشن کرنے سے ڈرتے ہیں۔
ان کا کہنا ہے کہ صرف تم ہی اسے بچا سکتے ہو۔" ڈیوڈ نے کہا۔

کئی لمحے خاموشی میں گزر گئے۔ ڈیوڈ نے سختی سے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ ڈاکٹر گہری
نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ "ٹھیک ہے! میں کوئی وعدہ نہیں کرتا لیکن میں تمہاری

ماں کو دیکھ لیتا ہوں۔ کہاں ہے وہ؟"

ڈاکٹر کی آواز سن کر ڈیوڈ نے آنکھیں کھول دیں۔ "وہ..... وہ سان فرانسسکو میموریل ہسپتال کے انتہائی نگہداشت کے شعبے میں ہے۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "صبح آٹھ بجے مجھے ہسپتال میں ملنا۔"

"میں تمہارا شکریہ کس طرح ادا کروں....."

"ایک بات ذہن میں رکھنا۔ میں کوئی وعدہ نہیں کرتا۔ ایک بات اور مجھے یہ طریقہ بھی پسند نہیں۔ تم نے تو میری جان ہی نکال لی تھی۔ آئندہ کوئی بات کرنی ہو تو ٹیلی فون استعمال کرنا۔ سمجھے؟" ڈاکٹر نے کہا۔

ڈیوڈ افسردہ سا بیٹھا رہا۔

"ایک اور مسئلہ ہے ڈاکٹر!" وہ مدھم لہجے میں بولا۔

"کیا؟" ڈاکٹر نے اسے گھورا۔

"میرے پاس ماں کے علاج کے لئے رقم نہیں ہے۔ میں قانون کا سٹوڈنٹ ہوں اور میری آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ کبھی کبھار کوئی کام مل جاتا ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا۔ پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایک ایک پائی ادا کردوں گا۔ چاہے اس کے لئے مجھے اپنے آپ کو گروی ہی کیوں نہ رکھنا پڑے۔"

"کتنے سال سے لاء کالج میں پڑھ رہے ہو؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"میں نے اس سال داخلہ لیا ہے۔" ڈیوڈ نے جواب دیا۔

"اور تم یہ توقع رکھتے ہو کہ بہت جلد میری فیس ادا کردو گے؟"

"یس ڈاکٹر! میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"اب تم میری گاڑی سے اتر جاؤ۔" ڈاکٹر نے اسے گھورا۔

ڈیوڈ کار سے اتر گیا۔ ڈاکٹر نے ایک بار پھر اس کی طرف دیکھا اور انجن سٹارٹ کر کے کار آگے بڑھا لے گیا۔

ڈیوڈ جب گھر پہنچا تو خوف زدہ تھا۔ اسے ہر لمحہ یہی دھڑکا لگا ہوا تھا کہ پولیس اسے پکڑنے کے لئے کسی بھی وقت پہنچ جائے گی۔ اس پر ڈاکٹر سلطان جمیل کو اغواء کرنے، دھمکانے اور نجانے کیا کیا الزامات لگائے جائیں گے۔ اس کے ساتھ ہی اس کے ذہن میں بار بار یہ خیال بھی اُبھر رہا تھا کہ ڈاکٹر سلطان جمیل صبح ہسپتال پہنچے گا یا اس سے پیچھا چھڑانے کے لئے کہہ رہا

تھا۔

اگلے روز صبح ڈیوڈ جب ہسپتال کے کمرے میں داخل ہوا تو ڈاکٹر سلطان جمیل اس کی ماں کا معائنہ کر رہا تھا۔ ڈیوڈ کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی اور حلق خشک ہونے لگا۔

ڈاکٹر سلطان جمیل مریضہ کو چھوڑ کر ایک ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہوگیا۔ "مریضہ کو فوری طور پر آپریشن تھیٹر پہنچا دو۔ میں ابھی اس کا آپریشن کروں گا۔" ڈاکٹر سلطان تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔

"ڈاکٹر....." ڈیوڈ نے کچھ کہنا چاہا۔

"پریشان مت ہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ڈاکٹر سلطان جمیل اس کا کندھا تھپتھپاتا ہوا باہر نکل گیا۔

ڈیوڈ کی ماں کو بستر سے اٹھا کر سٹریچر پر ڈال دیا گیا اور ڈیوڈ وہاں کھڑا اسے آپریشن تھیٹر کی طرف لے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

چھ گھنٹے بعد ڈیوڈ جب کمرہ انتظار میں بیٹھا ہوا تھا تو ڈاکٹر سلطان جمیل کو اپنی طرف آتے دیکھ کر ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"میری ماں کا..... کیسی....." وہ جملہ مکمل کرتے ہوئے ڈر رہا تھا۔

"تمہاری ماں بہت باہمت عورت ہے۔" ڈاکٹر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اب وہ بہت جلد اچھی ہو جائے گی۔"

ڈیوڈ کی آنکھیں بند تھیں۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات اُبھر آئے جیسے بہت بڑی اذیت سے نجات مل گئی ہو۔ ڈاکٹر بڑی گہری نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

"تم نے ابھی تک اپنا نام بھی نہیں بتایا۔"

ڈاکٹر کی آواز سن کر ڈیوڈ نے آنکھیں کھول دیں۔ "ڈیوڈ....." اس نے کہا۔ "ڈیوڈ سنگر سر۔"

"تو ڈیوڈ سنگر!" ڈاکٹر بولا۔ "تمہیں معلوم ہے میں نے یہ سب کچھ کیوں کیا ہے؟"

"نہیں!" ڈیوڈ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اس کی دو وجوہات ہیں۔" ڈاکٹر بولا۔ "ایک تو یہ کہ تمہاری ماں کی حالت میرے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی تھی۔ اور دوسری وجہ تم ہو۔"

"میں سمجھا نہیں۔" ڈیوڈ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"کل تم نے جو کچھ بھی کیا تمہاری عمر میں تمہاری جگہ میں بھی ہوتا تو یہی کرتا۔ بہرحال تم نے

کہا تھا کہ تم بہت جلد میری فیس ادا کرو گے۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''یس سر! ایک نہ ایک دن.....''

''ایک نہ ایک دن نہیں۔ آج کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' ڈاکٹر نے اسے گھورا۔

''آج؟'' ڈیوڈ کا منہ کھل گیا۔

''آج میں تم سے ایک معاملہ طے کرنے جا رہا ہوں۔ گاڑی چلانا جانتے ہو؟''

''جی ہاں جناب!'' ڈیوڈ نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔'' ڈاکٹر نے کہا۔ ''میں اتنی بڑی گاڑی چلاتے چلاتے تھک گیا ہوں۔ تم ہر صبح مجھے اس گاڑی پر دفتر پہنچاؤ گے اور شام چھ سات بجے واپس میرے گھر پر چھوڑو گے۔ یہ معاہدہ ایک سال رہے گا۔ ایک سال کی مدت پوری ہونے کے بعد میں سمجھوں گا کہ مجھے میری فیس مل گئی۔''

اور اس سے اگلے ہی روز ڈیوڈ، ڈاکٹر کے لئے ڈرائیور کی خدمات انجام دینے لگا۔ ڈاکٹر سلطان جمیل کے بارے میں ڈیوڈ نے لوگوں سے بہت کچھ سنا تھا۔ وہ بد اخلاق، بدتمیز اور مغرور ہے۔ ہر شخص کو اپنے سے کمتر سمجھتا ہے۔ ہر وقت چیختا دھاڑتا ہے۔ لیکن ایک سال کے دوران ڈیوڈ نے اسے بالکل مختلف پایا تھا۔ اسے کبھی غصہ تو آتا تھا لیکن درحقیقت وہ بہت مہربان اور رحم دل آدمی تھا۔ اس نے اپنا بیشتر وقت فلاحی کاموں کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ کئی کلینک ایسے تھے جہاں وہ مقررہ وقت پر فیس لئے بغیر مستحق مریضوں کو دیکھتا تھا۔

گھر سے ہسپتال یا ہسپتال سے گھر جاتے ہوئے ان دونوں میں مختلف موضوعات پر باتیں بھی ہوتی رہتی تھیں۔

''قانون کے کس شعبے میں سٹڈی کر رہے ہو ڈیوڈ؟''

''فوجداری قوانین۔''

''کیوں؟'' ڈاکٹر کے لہجے میں ناگواری تھی۔ ''اس لئے کہ تم مجرموں کو قانون کے شکنجے سے چھڑا سکو؟''

''نہیں جناب!'' ڈیوڈ نے جواب دیا۔ ''بہت سے بے گناہ بھی قانون کی گرفت میں آ جاتے ہیں اور انہیں مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں ایسے ہی لوگوں کی مدد کے لئے قانون پڑھ رہا ہوں۔''

''ایک سال گزر گیا۔ وہ آخری دن تھا۔ ڈاکٹر سلطان جمیل نے بڑی گرم جوشی سے ڈیوڈ سے ہاتھ ملایا۔

''اب ہمارا تمہارا معاہدہ برابر ہو چکا ہے۔'' ڈاکٹر نے کہا۔ ''کبھی کسی معاملہ میں میری مدد کی ضرورت ہو تو بلا تکلف آ جانا۔''

''اس کے بعد کئی سال گزر گئے۔ ڈاکٹر سلطان جمیل سے اگرچہ کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی لیکن ڈیوڈ اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی پر اکثر اس کا نام سنتا رہتا تھا۔

''ڈاکٹر سلطان جمیل نے ایڈز زدہ بچوں کے علاج کے لئے اپنے خرچ پر فری کلینک قائم کیا۔''

''ڈاکٹر سلطان جمیل اپنے خرچ پر قائم ہونے والے فری میڈیکل سنٹر کا افتتاح کرنے کے لئے آج کینیا پہنچے۔''

اس کے بارے میں ایسی ہی خبریں سننے میں آتی رہتی تھیں۔ لگتا تھا ڈاکٹر سلطان جمیل دنیا میں ہر جگہ موجود ہے اور اپنے وقت اور اپنے پیسے سے ضرورت مندوں کی مدد کر رہا ہے۔

''کیا ہوا ڈیوڈ! تم ٹھیک تو ہو نا؟'' سینڈرا کی آواز سن کر ڈیوڈ اپنے خیالات سے چونک گیا۔ وہ سینڈرا کی طرف گھوم گیا۔

''پولیس نے ڈاکٹر سلطان جمیل کی بیٹی کو گزشتہ دنوں ہونے والی قتل کی بہیمانہ وارداتوں کے الزام میں گرفتار کر لیا ہے۔'' ڈیوڈ نے کہا۔ اس کی آواز بھی مری مری سی تھی۔

''افسوس کا اظہار ہی کیا جا سکتا ہے۔'' سینڈرا بولی۔

''ڈاکٹر سلطان جمیل کے علاج سے میری ماں سات سال مزید زندہ رہی تھی۔ اگر ڈاکٹر میری مدد نہ کرتا تو.....''

''تم نے بتایا تھا مجھے۔'' سینڈرا نے بات کاٹتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''وہ بہت عظیم آدمی ہے۔'' ڈیوڈ بولا۔ ''اس کے ساتھ ایسی کوئی بات بہت بڑی زیادتی ہو گی۔ وہ برداشت نہیں کر سکے گا۔ اس کی بیٹی عاشی لعنت ہو اس پر۔ اس نے ایسا کیوں کیا؟''

''اپنے ذہن پر بوجھ مت لادو۔ ناشتہ کرو۔ تمہیں دفتر سے دیر ہو رہی ہے۔''

''ناشتے کو طبیعت نہیں چاہ رہی۔'' ڈیوڈ ٹی وی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''آج میری پارٹنر شپ کا دن ہے اور یہ..... یہ بھیانک خبر۔''

''پریشان مت ہو۔ آج تمہیں پارٹنر شپ ضرور ملے گی۔'' سینڈرا نے کہا۔

''تمہارے لئے پارٹنر شپ کی پیشکش تمہاری نہیں، ان کی خوش قسمتی ہو گی۔ تم جیسا محنتی آدمی تو انہیں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملے گا۔''

''تم نے ہمیشہ میرا ساتھ دیا ہے۔ میری ڈھارس بندھاتی رہتی ہو۔''

"دفتر میں جیسے ہی کوئی فیصلہ ہو، مجھے فون کر دینا۔ میں انتظار کروں گی۔" سینڈرا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں! اور پھر ہم باہر جا کر جشن منائیں گے۔" ڈیوڈ نے کہا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کے دماغ میں دھماکہ سا ہوا۔ کئی سال پہلے بھی اس نے کسی سے یہ الفاظ کہے تھے اور پھر ہم باہر جا کر جشن منائیں گے۔

اور ڈیوڈ نے اسے قتل کر دیا تھا۔

☆

ڈیوڈ کی فرم بیری اینڈ بیری کے دفاتر سان فرانسسکو کے زیریں علاقے میں واقع ایک شاندار عمارت کی تین منزلوں پر پھیلے ہوئے تھے۔

ڈیوڈ عمارت میں داخل ہوا تو اس نے لوگوں کا طرز عمل کچھ بدلا ہوا سا محسوس کیا تھا۔ وہ شاید جان گئے تھے کہ مستقبل کے پارٹنر سے بات کر رہے ہیں۔ اپنے دفتر کی طرف جاتے ہوئے وہ اس کمرے کے سامنے سے بھی گزرا جو نئے پارٹنر کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو اندر جھانکنے سے باز نہ رکھ سکا۔ وسیع و عریض کمرہ تھا۔ فرش پر دبیز قالین، شاندار فرنیچر، شیشے کے ٹاپ والی آفس ٹیبل، اس کے پیچھے آرام دہ گھومنے والی کرسی اور آرام دہ صوفے۔ سامنے کے رخ پر وہ بڑی کھڑکی تھی جہاں سے سمندر کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ وہ دیر تک دروازے میں کھڑا رہا۔ پھر اپنے دفتر میں آ گیا۔ اس کی سیکرٹری ہولی نے صبح بخیر کہا تو اس کا انداز بھی بدلا ہوا تھا۔

"تمہارے لئے ایک پیغام ہے مسٹر ڈیوڈ!" ہولی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"مسٹر بیری پانچ بجے اپنے دفتر میں تمہارا انتظار کریں گے۔"

"گڈ!" ڈیوڈ کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اسے پارٹنر کی حیثیت سے منتخب کر لیا گیا ہے۔

"میں تمہیں ایک اور بات بتاؤں۔" ہولی رازدارانہ لہجے میں بولی۔ "تھوڑی دیر پہلے میں بیری کی سیکرٹری ڈورتھی کے ساتھ چائے پی رہی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ امیدواروں کی فہرست میں تمہارا نام سب سے اوپر ہے۔"

"شکریہ ہولی!" ڈیوڈ مسکرایا۔

وہ اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ "آخر کار وہ دن آ ہی گیا تھا۔ فرم کے مالک بیری کا پیغام اور فہرست میں نام سب سے اوپر ہونے کا ایک ہی مطلب ہو سکتا تھا کہ اسے پارٹنرشپ کے لئے

منتخب کر لیا گیا ہے اور اب صرف رسمی طور پر اعلان ہونا باقی ہے۔ اور شام پانچ بجے وہ بھی ہو جائے گا۔ اس نے سینڈرا کو خوش خبری سنانے کے لئے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ پھر رک گیا۔ شام پانچ بجے کے بعد ہی فون کروں گا۔

اگلے دو گھنٹے اس نے اپنی میز پر جمع فائلیں نمٹانے میں صرف کئے۔ گیارہ بجے اس کی سیکرٹری ہولی اندر آ گئی۔

"ڈاکٹر سلطان جمیل نام کا ایک آدمی تم سے ملنا چاہتا ہے۔"

"ڈاکٹر سلطان جمیل! یہاں؟" ڈیوڈ کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

"ہاں!" ہولی نے جواب دیا۔ "یہ وہی منی ہارٹ سرجری کا بانی ڈاکٹر سلطان جمیل ہے نا جس کی بیٹی کو پولیس نے....."

"ہاں! اسے اندر بھیج دو۔" ڈیوڈ نے اس کی بات کاٹ دی۔

ہولی عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتی ہوئی باہر چلی گئی اور اس کے چند سیکنڈ بعد ہی ڈاکٹر سلطان جمیل اندر داخل ہوا۔ ڈیوڈ نے اپنے تاثرات کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر سلطان بہت بوڑھا اور تھکا ہوا سا لگ رہا تھا۔

چند رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد ڈیوڈ نے ڈاکٹر کو کرسی پیش کی اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "آج صبح میں نے ٹی وی پر وہ خبر دیکھی تھی۔ مجھے بہت صدمہ پہنچا۔ میں اپنے دلی جذبات کا اظہار نہیں کر سکتا ڈاکٹر!"

"جب مجھے اطلاع ملی تو یوں لگا جیسے سر پر آسمان ٹوٹ پڑا ہو۔" ڈاکٹر سلطان نے کہا۔

"بہر حال! مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے ڈیوڈ۔"

"میں حاضر ہوں ڈاکٹر!" ڈیوڈ نے جواب دیا۔ "آپ کی خدمت کر کے مجھے خوشی ہو گی۔ میں ہر طرح سے آپ کی مدد کرنے کو تیار ہوں۔"

"میں چاہتا ہوں تم عاشی کے مقدمے کی پیروی کرو۔" ڈاکٹر نے کہا۔

ڈیوڈ اچھل پڑا۔ پہلے تو بات اس کی سمجھ میں نہیں آ سکی تھی۔ پھر اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "میں یہ نہیں کر سکتا ڈاکٹر! میں مجرموں کے دفاع کا وکیل نہیں ہوں۔"

"عاشی مجرم نہیں ہے۔" ڈاکٹر سلطان نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"آپ سمجھے نہیں ڈاکٹر۔" ڈیوڈ بولا۔ "میں کارپوریٹ وکیل ہوں۔ کمپنیوں کے حساب کتاب، انکم ٹیکس، آڈٹ اور اسی قسم کے انتظامی امور سرانجام دیتا ہوں۔ جرائم کے مقدمات

سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں آپ کو ایک اچھے وکیل کا پتہ بتا سکتا ہوں۔''

''درجنوں اچھے وکیل خود ہی مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کر چکے ہیں۔ وہ سب عاشی کے کیس کی پیروی کرنے کے خواہش مند ہیں۔'' ڈاکٹر کسی قدر آگے جھک گیا۔ ''لیکن انہیں میری بیٹی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ یہ بہت ہی اہم کیس ہے۔ وہ لوگ میرے نام کے حوالے سے شہرت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں میری بیٹی کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی۔ عاشی میری بیٹی ہے اور میرے لئے سب کچھ وہی ہے۔''

''تم میری ماں کی زندگی بچا سکتے ہو ڈاکٹر! اس دنیا میں میرا سب کچھ وہی ہے۔'' ڈیوڈ کے کانوں میں وہ الفاظ گونجنے لگے جو اس نے کئی سال پہلے ڈاکٹر سلطان سے کہے تھے۔

''میں آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں ڈاکٹر! لیکن.....''

''لاء کالج میں اپنی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد تم ایک کریمنل لاء فرم میں کام کرنے لگے تھے جو جرائم کے مقدمات لڑتی تھی۔'' ڈاکٹر نے اسے گھورا۔

ڈیوڈ کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ ''یہ درست ہے لیکن.....''

''تم نے کئی سال تک مجرموں کے وکیل صفائی کی حیثیت سے کام کیا ہے۔'' ڈاکٹر نے اس کی بات کاٹ دی۔

''ہاں! لیکن میں نے عرصہ پہلے وہ شعبہ چھوڑ دیا تھا۔''

''زیادہ عرصہ تو نہیں ہوا۔'' ڈاکٹر سلطان نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''اور ایک مرتبہ تم نے مجھے بتایا بھی تھا کہ تمہیں قانون کا یہ شعبہ بہت پسند ہے۔ پھر تم وہ شعبہ چھوڑ کر کاروباری قوانین میں کیوں آ گئے؟''

''آپ کے لئے یہ جاننا ضروری نہیں ہے۔'' ڈیوڈ نے مدھم لہجے میں کہا۔

ڈاکٹر سلطان جمیل نے جیب میں ہاتھ سے لکھا ہوا ایک خط نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس خط کو پڑھے بغیر ہی ڈیوڈ سمجھ گیا کہ وہ تحریر کیا ہے۔

''ڈیئر ڈاکٹر سلطان!

آپ نے میرے ساتھ جو ہمدردی کی ہے اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے مجھے الفاظ نہیں مل رہے۔ زندگی کے کسی بھی موڑ پر کسی بھی معاملے میں میری خدمت کی ضرورت پڑے تو مجھے یاد کر لیجئے۔ بلا چوں و چرا آپ کی خدمت کر کے مجھے خوشی ہوگی۔''

ڈیوڈ کی نظریں اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے اس خط پر جیسے جم کر رہ گئی تھیں۔

''تو پھر۔ تم عاشی سے مل رہے ہو؟'' ڈاکٹر سلطان نے پوچھا۔

''ہاں ضرور!'' ڈیوڈ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''میں اس سے بات ضرور کروں گا۔ لیکن میں.....''

''شکریہ ڈیوڈ!'' ڈاکٹر اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی اٹھ گیا۔

ڈیوڈ اپنی کرسی پر بے حس و حرکت بیٹھا اسے باہر جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

''تم مجرموں کی وکالت چھوڑ کر کاروباری لوگوں کی وکالت کیوں کرنے لگے؟''

''کیونکہ مجھ سے ایک سنگین غلطی سرزد ہو گئی تھی۔ اور میری اس غلطی کی وجہ سے وہ عورت اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھی تھی جسے میں دل کی گہرائیوں سے چاہتا تھا اور میں نے قسم کھا لی تھی کہ آئندہ کسی کی زندگی اپنے ہاتھ میں نہیں لوں گا۔''

''اور اب اسی لئے میں عاشی کا کیس نہیں لینا چاہتا۔'' ڈیوڈ سوچ رہا تھا۔

ڈیوڈ کے دماغ میں بگولے سے اٹھ رہے تھے۔ خیالات کا بھنور تھا جس نے اسے بے چین کر کے رکھ دیا تھا۔ اس نے انٹرکام کا ریسیور اٹھا کر بٹن دبایا اور بولا۔ ''ہولی! مسٹر ہیری سے کہو میں ابھی ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ فوراً۔''

''یس سر!'' دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔

آدھے گھنٹے بعد ڈیوڈ، ہیری کے شاندار دفتر میں داخل ہو رہا تھا۔ ہیری اپنی کرسی پر موجود تھا۔ اس کی عمر ساٹھ کے لگ بھگ تھی۔ وہ ذہنی، جذباتی اور جسمانی لحاظ سے صحت مند تھا۔ وہ گہری نظروں سے ڈیوڈ کو اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

''تم زیادہ ہی تجسس پسند ہو۔'' ہیری اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ ''تم بورڈ آف ڈائریکٹرز کا فیصلہ جاننا چاہتے ہو۔ حالانکہ میں نے تمہیں شام پانچ بجے بلایا تھا۔''

''اس وقت میں کسی اور مسئلے پر بات کرنے آیا ہوں مسٹر ہیری!'' ڈیوڈ اس کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''کیا مسئلہ ہے؟'' ہیری نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ڈاکٹر سلطان جمیل کچھ دیر پہلے میرے پاس آیا تھا۔''

''آج صبح ٹی وی پر اس کی بیٹی کے بارے میں ایک خبر سنی تھی۔'' ہیری بولا۔ ''بات افسوس ناک بھی ہے اور شرمناک بھی۔ بہرحال! وہ تمہارے پاس کس لئے آیا تھا؟''

''وہ چاہتا تھا کہ میں اس کی بیٹی کے کیس کی پیروی کروں۔'' ڈیوڈ نے بتایا۔

''مگر تمہاری تو یہ لائن ہی نہیں ہے۔'' ہیری کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''وہ اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اس کے باوجود.....''

"میں نے ڈاکٹر سلطان کو یہی بات سمجھانے کی کوشش کی تھی۔" ڈیوڈ بولا۔

"ہوں!" ہیری چند لمحوں کو خاموش ہوا۔ پھر بولا۔ "ڈاکٹر سلطان جمیل ہمارے گاہکوں کی فہرست میں آ جائے تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔ وہ ایک معزز اور بااثر شخص ہے۔ اس کی وجہ سے ہمیں بہت سا بزنس مل سکتا ہے۔ کئی طبی تنظیموں سے بھی اس کے قریبی تعلقات ہیں اور وہ....."

"میں نے اس کی بیٹی سے ملنے کا وعدہ کرلیا ہے۔" ڈیوڈ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"کوئی حرج نہیں ہے۔" ہیری نے کہا۔ "تم اس کی بیٹی سے مل کر کیس کے بارے میں بات کرو۔ ہم کسی اچھے وکیل کو اس کی پیروی کے لئے تیار کرلیں گے۔"

"میں نے بھی یہی سوچ رکھا ہے۔" ڈیوڈ نے جواب دیا۔

"وکیل سے بات کرتے ہوئے ہم اس سے اپنا معاملہ بھی طے کرلیں گے۔" ہیری نے کہا۔ پھر اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔ "تم اپنا کام شروع کردو اور شام پانچ بجے مجھ سے ملنا مت بھولنا۔"

"ٹھیک ہے!" ڈیوڈ کہتے ہوئے اٹھ گیا۔ اپنے دفتر میں آکر وہ کرسی پر ڈھیر ہوگیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ڈاکٹر سلطان جمیل اس بات پر بضد کیوں ہے کہ میں اس کی بیٹی کے کیس کی پیروی کروں۔

☆

سانتا کلارہ جیل کی کوٹھڑی میں بیٹھی ہوئی عاشی کی شکل دیکھ کر ہی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ پوری طرح اپنے حواس میں نہیں ہے۔ اسے تو یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ یہاں کب اور کیسے آئی تھی اور اسے لانے والا کون تھا۔ لیکن ایک بات پر بہرحال وہ مطمئن تھی۔ وہ سلاخوں کے پیچھے بند جیل کی اس کوٹھڑی میں اپنے آپ کو محفوظ سمجھ رہی تھی۔ وہ جو کوئی بھی تھا یہاں وہ اسے پریشان نہیں کر سکے گا۔ وہ اس کوٹھڑی میں اپنے آپ کو اس طرح محفوظ سمجھ رہی تھی جیسے سردی سے بچنے کے لئے اپنے اوپر موٹا کمبل لپیٹ رکھا ہو۔ الجھے ہوئے ذہن سے وہ یہ بھی سوچنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ اس کی زندگی ایک بھیانک خواب کی طرح گزر رہی تھی۔

وہ ان پراسرار اور خوفناک واقعات کے بارے میں سوچ رہی تھی جو اب تک رونما ہو چکے تھے۔ کسی کا اس کے فلیٹ میں داخل ہو کر ڈرا دینے والی حرکتیں کرنا، اپنے آپ کو بے ہوشی کی حالت میں شکاگو کے ایک تیسرے درجے کے ہوٹل میں پانا، غسل خانے کے آئینے پر وہ تحریر اور اب پولیس کی حراست۔ پولیس نے اس پر ایسے خوفناک اور سنگین الزامات لگائے تھے جن کے بارے میں وہ کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔ اس کے خلاف یقیناً کوئی خوفناک سازش ہو رہی تھی۔ لیکن اسے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ اس سازش کے پیچھے کون ہوسکتا ہے اور کیوں؟"

"مس عاشی!" جیل کے ایک محافظ نے اسے چونکا دیا۔ "تمہارا ایک ملاقاتی آیا ہے۔"

محافظ اسے کوٹھڑی سے نکال کر ملاقات والے کمرے میں لے آیا جہاں اس کا باپ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر ایک جھٹکے سے اٹھ گیا۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا۔

"سمجھ میں نہیں آتا بیٹی کہ میں اس وقت کیا کہوں!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"مجھ پر جتنے بھی الزامات لگائے گئے ہیں، سب غلط ہیں۔ میں نے کچھ بھی نہیں کیا ڈیڈی!" عاشی کی آواز سرگوشی سے زیادہ اونچی نہیں تھی۔

"میں جانتا ہوں تم نے کچھ نہیں کیا۔" ڈاکٹر سلطان جمیل نے کہا۔ "تمہیں جان بوجھ کر پھنسانے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہیں نہ کہیں کوئی غلطی ہوئی ہے۔ پریشان نہ ہو۔ سب ٹھیک ہو

''اسے تمہارے بارے میں اطلاع مل چکی ہے۔'' شیرف نے کہتے ہوئے اپنے ایک ڈپٹی کو اشارہ کیا جو اسے ملاقات والے کمرے میں چھوڑ کر چلا گیا اور اس کے چند منٹ بعد وہ عاشی کو لے آیا۔

عاشی کو دیکھ کر ڈیوڈ اچھل پڑا۔ اس نے کئی سال پہلے عاشی کو اس وقت دیکھا تھا جب وہ ڈاکٹر سلطان کے لئے ڈرائیور کی خدمات انجام دیا کرتا تھا۔ اس وقت عاشی نوعمر تھی اور اس کے خوبصورت ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا اور اب تو عاشی بھرپور عورت تھی۔ بے حد حسین تھی۔ اگر وہ کسی مقابلہ حسن میں حصہ لیتی تو بلاشبہ پہلے نمبر پر آسکتی تھی۔ اس کی موٹی موٹی سیاہ آنکھوں میں خوف تھا لیکن اس خوف سے اس کا حسن بالکل متاثر نہیں ہوا تھا۔ وہ اس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔

''ہیلو مس عاشی! میں ڈیوڈ سنگر ہوں۔'' ڈیوڈ نے اپنا تعارف کرایا۔

''ڈیڈی نے تمہارے بارے میں بتا دیا تھا۔'' عاشی کے لہجے میں ہلکا سا ارتعاش تھا۔

''میں تم سے چند باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔'' ڈیوڈ نے کہا۔ عاشی نے اثبات میں سر ہلا دیا تو وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس وقت تم سے جو کچھ بھی پوچھوں گا وہ میرے اور تمہارے درمیان رہے گا۔ لیکن میں سچ جاننا چاہتا ہوں۔ صرف سچ!''

وہ ایک لمحہ کو خاموش ہو گیا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ اس معاملے میں اتنا آگے نہیں بڑھے گا۔ لیکن جیسی کو معلومات فراہم کرنے کے لئے عاشی سے کچھ اگلوانا ضروری تھا۔ ''کیا تم نے ان آدمیوں کو قتل کیا تھا؟''

''نہیں!'' عاشی نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ ''میں بے گناہ ہوں۔''

ڈیوڈ نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر ایک نظر اس پر ڈالی۔ پھر دوسرا سوال کیا۔

''کیا تم گوپال داس کو جانتی تھیں؟ تمہارا اس سے ملنا جلنا تھا؟''

''ہاں! ہم شادی کرنے والے تھے۔ اسے کوئی نقصان پہنچانے کی میرے پاس کوئی وجہ نہیں تھی۔ میں اس سے محبت کرتی تھی۔'' عاشی نے جواب دیا۔

ڈیوڈ چند لمحے اس کے چہرے کو تکتا رہا۔ پھر کاغذ پر نظر ڈالتے ہوئے بولا ''اور ستیش مہتہ کے بارے میں کیا کہتی ہو؟''

''ستیش مہتہ بھی اسی کمپنی میں ملازم تھا جہاں میں کام کرتی تھی۔'' عاشی نے جواب دیا۔ ''لیکن میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

ڈیوڈ اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔

''تمہیں میری بات کا یقین کرنا ہوگا۔'' عاشی نے کہا۔ ''اسے قتل کرنے کی میرے پاس کوئی وجہ نہیں تھی۔''

''ٹھیک ہے!'' ڈیوڈ ایک بار پھر کاغذ پر دیکھنے لگا۔ ''جم کلارڈ سے تمہارا کیا تعلق تھا؟''

''پولیس نے بھی مجھ سے یہی سوال کیا تھا لیکن میں نے تو کبھی اس کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ میں ایک ایسے شخص کو قتل کیوں کرنے لگی جسے زندگی میں کبھی دیکھا تک نہیں؟'' وہ ڈیوڈ کی طرف دیکھنے لگی۔ ''پولیس نے مجھے جھوٹے الزامات میں گرفتار کیا ہے۔ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔'' وہ سسکیاں بھرنے لگی۔

''اور مصور رچرڈ کے بارے میں کیا کہتی ہو؟''

''میں اسے بھی نہیں جانتی۔'' عاشی نے جواب دیا۔

ڈیوڈ چند لمحے خاموش رہا۔ اور جب عاشی اپنی سسکیوں پر قابو پا چکی تو اس نے اگلا سوال کیا۔ ''ڈپٹی شیرف دلیر سنگھ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

عاشی نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''ڈپٹی شیرف دلیر سنگھ میری حفاظت کے لئے رات کو میرے فلیٹ پر رکا تھا۔ کوئی شخص پراسرار طور پر میرا پیچھا کرتا رہا تھا اور اپنی حرکتوں سے مجھے دھمکا رہا تھا۔ میں اس رات اپنے بیڈ روم میں سوئی ہوئی تھی اور ڈپٹی دلیر سنگھ نشست گاہ میں کوچ پر تھا۔ اس کی لاش عقبی گلی میں پڑی ہوئی ملی تھی۔'' عاشی کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ ''مم..... میں اسے قتل کیوں کرتی؟ وہ تو میری مدد کر رہا تھا۔ میری حفاظت کر رہا تھا۔''

ڈیوڈ گہری نظروں سے اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ عاشی یا تو بالکل سچ کہہ رہی ہے یا بہت بڑی اداکارہ ہے۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں شیرف سے بات کر کے تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں۔''

دو منٹ بعد وہ شیرف کے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔

''بات ہو گئی؟'' شیرف نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں شیرف!'' ڈیوڈ بولا۔ ''لیکن میرا خیال ہے تم کسی بڑی مصیبت میں پھنسنے والے ہو۔''

''کیا مطلب؟ کیا کہنا چاہتے ہو؟'' شیرف نے اسے گھورا۔

''تم نے ایک ایسی لڑکی کو گرفتار کیا ہے جو ان لوگوں کو جانتی تک نہیں جن کے قتل کا الزام اس پر عائد کیا جا رہا ہے۔'' ڈیوڈ نے کہا۔

شیرف کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ ''اس نے ہمیں بھی یہی تو بتایا تھا اور اب

تمہیں بھی بیوقوف بنانے میں کامیاب ہوگئی ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو شیرف؟" اس مرتبہ ڈیوڈ نے اسے گھورا۔

"ابھی بتاتا ہوں مسٹر!" شیرف نے کہتے ہوئے میز پر رکھی ہوئی ایک فائل کھول کر اس کی طرف بڑھا دی۔ "یہ قتل ہونے والے ان پانچ آدمیوں کے بارے میں ڈاکٹروں، ایف بی آئی اور انٹرپول کے ایجنٹوں کی رپورٹیں ہیں۔ شبہ تھا کہ قتل کی ان وارداتوں میں تین مختلف عورتیں ملوث ہیں۔ لیکن جائے واردات پر انگلیوں کے نشانات اور دیگر شہادتوں سے ایف بی آئی والے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ وہ تین مختلف عورتیں نہیں صرف ایک عورت ہے۔ عائشہ سلطان جمیل۔ ہر مقتول کے جسم پر آلہ قتل اور ہر جگہ سے اس کی انگلیوں کے نشان ملے ہیں۔"

"کیا تمہیں یقین ہے؟" ڈیوڈ نے غیر یقینی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں! تمہیں میری بات کا نہیں انٹرپول، ایف بی آئی اور تین مختلف اور دور دراز کے ڈاکٹروں کی رپورٹس پر یقین کرنا ہی پڑے گا۔ یہ کیس آئینے کی طرح صاف ہے مسٹر! مقتولین میں سے ایک میرا بہنوئی تھا۔ مس عاشی کے خلاف فرسٹ ڈگری قتل کا کیس چلے گا۔ اسے کم از کم موت کی سزا ضرور ملے گی۔ اور کچھ؟" شیرف نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں! میں ایک بار پھر مس عاشی سے ملنا چاہتا ہوں۔" ڈیوڈ بولا۔

ڈیوڈ کو دوبارہ کمرہ ملاقات میں پہنچا دیا گیا۔ اور جب عاشی کمرے میں داخل ہوئی تو ڈیوڈ اسے گھورتے ہوئے قدرے درشت لہجے میں بولا۔ "تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا عاشی؟ میں تو تمہاری مدد کررہا ہوں۔"

"میں نے تم سے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ میں بے گناہ ہوں۔" عاشی نے جواب دیا۔

"ان کے پاس تمہارے خلاف اتنے ثبوت ہیں کہ تمہیں کم از کم دس مرتبہ پھانسی دی جاسکتی ہے۔" ڈیوڈ نے کہا۔ "میں نے تم سے کہا تھا کہ میں صرف سچ جاننا چاہتا ہوں۔"

عاشی دیر تک اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر پرسکون لہجے میں بولی۔ "میں نے تمہیں وہی کچھ بتایا ہے جو سچ تھا۔ میں اور کچھ نہیں کہنا چاہتی۔"

ڈیوڈ بری طرح الجھ کر رہ گیا۔ عاشی پورے اعتماد سے کہہ رہی تھی کہ اس نے کوئی بھی اور کہیں بھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ لیکن شیرف کے پاس موجود وہ فائل اس کے بیان کی نفی کرتی تھی۔ وہ یہ کیس لے کر مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ وہ جیسی کو کیا بتائے گا؟

"کیا تم کسی ماہر نفسیات سے ملنا پسند کروگی؟" ڈیوڈ نے پوچھا۔

"نہیں!" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ "اگر تم کہتے ہو

تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔"

"ٹھیک ہے! میں اس کا انتظام کرلوں گا۔" ڈیوڈ نے کہا اور ملاقات ختم کرکے اس سے رخصت ہوگیا۔

واپس سان فرانسسکو جاتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ میں نے تو اپنا وعدہ پورا کردیا۔ عاشی سے ملاقات اور بات ہوگئی۔ آگے وکیل جیسی کا کام ہوگا کہ وہ اس کے کیس کی پیروی کرے اور عاشی کو اس دلدل سے نکالنے کی کوشش کرے۔

☆

اپنے دفتر والی عمارت میں داخل ہوتے ہی ڈیوڈ مسٹر بیری سے ملاقات کرنے کے لئے اس کے دفتر میں پہنچ گیا۔

"چھ بج چکے ہیں۔" بیری گھڑی دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں نے چونکہ تم سے ملنا تھا اس لئے تمہارے انتظار میں بیٹھا رہا۔ ڈاکٹر سلطان کی بیٹی سے ملاقات ہوئی؟"

"ہاں!" ڈیوڈ نے جواب دیا۔

"اور تم نے اس کے لئے کسی وکیل کا انتظام کیا؟" بیری نے پوچھا۔

"ابھی نہیں۔" ڈیوڈ نے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا۔ "ابھی تو مجھے اس کے لئے ایک ماہر نفسیات کا بندوبست کرنا ہے۔ کل صبح پھر اس سے ملوں گا۔"

"اوہ!" بیری کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "اس کا مطلب ہے تم کچھ زیادہ ہی دلچسپی لے رہے ہو۔ لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہماری کمپنی اس طرح کے کسی قتل کے کیس میں ملوث ہونے کی متحمل نہیں ہوسکتی۔"

"میں صرف اس حد تک دلچسپی لے رہا ہوں جہاں تک مناسب ہے۔" ڈیوڈ چند لمحوں کو خاموش ہوا۔ پھر بولا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ میں ایک معاملے میں اس کے باپ کا احسان مند ہوں اور میں نے اس سے وعدہ کیا ہے....."

"کوئی تحریری معاہدہ تو نہیں؟" بیری نے اسے گھورا۔

"نہیں!" ڈیوڈ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تو گویا صرف اخلاقی فرض پورا کرنے کی کوشش کررہے ہو۔"

"ہاں! یہی سمجھ لو۔" ڈیوڈ بولا۔

"ٹھیک ہے!" بیری نے کہا۔ "جب ڈاکٹر سلطان جمیل سے تمہارا معاملہ نمٹ جائے تو میرے پاس آجانا۔ ہم بات کرلیں گے۔"

ڈیوڈ کا منہ لٹک گیا۔ پارٹنر شپ کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

شام کو ڈیوڈ جب گھر پہنچا تو پورا فلیٹ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔

''سینڈرا!'' اس نے بیوی کو پکارا۔ لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ دیوار ٹٹول کر بتی جلانا ہی چاہتا تھا کہ اچانک ہی سینڈرا باورچی خانے سے نمودار ہوئی۔ اس نے ٹرے میں ایک کیک رکھا ہوا تھا جس پر موم بتیاں جل رہی تھیں۔

''سرپرائز.....! آج ہم جشن منائیں گے۔'' ڈیوڈ کا چہرہ دیکھ کر وہ یکا یک خاموش ہوگئی۔ چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر بولی ''کوئی گڑبڑ؟ کیا تمہیں کمپنی کی پارٹنر شپ نہیں ملی؟ انہوں نے کسی اور کو منتخب کرلیا ہے کیا؟''

''نہیں! یہ بات نہیں۔'' ڈیوڈ جلدی سے بولا۔ ''سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

سینڈرا نے کیک میز پر رکھ دیا اور اس کے قریب آ کر بولی۔ ''کیا معاملہ ہے؟ مجھے تو کوئی گڑبڑ لگ رہی ہے۔''

''کوئی گڑبڑ نہیں۔ بس کچھ تاخیر سمجھ لو۔'' ڈیوڈ بولا۔ وہ دونوں کوچ پر بیٹھ گئے۔ ''بعض باتیں بالکل غیر متوقع ہوتی ہیں۔ آج ڈاکٹر سلطان جمیل دفتر آیا تھا۔''

''کیوں.....؟'' سینڈرا چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

''وہ چاہتا ہے کہ میں اس کی بیٹی کے کیس کی پیروی کروں۔''

''لیکن تم تو.....''

''میں نے اسے بتایا تھا'' ڈیوڈ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''میں نے اسے بتایا تھا کہ میں فوجداری مقدمات نہیں لیتا لیکن اس کا کہنا ہے کہ میں چونکہ کئی سال تک فوجداری مقدمات پر کام کر چکا ہوں اس لئے اس کی بیٹی کا کیس میں ہی لڑوں۔ اس کا کہنا ہے کہ صرف میں ہی اس کی بیٹی کو بچا سکتا ہوں۔ میں نے تو اسے جیسی کے لئے مشورہ دینا چاہا تھا لیکن وہ کوئی اور بات سننے کو تیار ہی نہیں۔ عجیب ضدی آدمی ہے۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا۔ پھر بولا۔ ''میں نے جیل میں اس کی بیٹی سے ملاقات بھی کی تھی۔''

''بیری کو معلوم ہے؟'' سینڈرا نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں! اس کا کہنا ہے کہ وہ کسی ایسے معاملے میں ملوث نہیں ہونا چاہتا جس سے کمپنی کی ساکھ متاثر ہونے کا اندیشہ ہو۔''

''ڈاکٹر سلطان کی بیٹی کیسی ہے؟'' سینڈرا نے پوچھا۔

''طبی اصطلاح میں اسے فروسٹ کیک کہتے ہیں۔''

''میں ڈاکٹر نہیں ہوں۔'' سینڈرا بولی۔ ''اس لئے تمہیں اس کی وضاحت کرنی ہوگی۔''

''اس کا مطلب ہے کہ وہ اپنے آپ کو بے گناہ سمجھتی ہے جبکہ شیرف نے مجھے ایسی رپورٹیں دکھائی ہیں جن سے وہ مجرم ثابت ہوتی ہے۔''

''اب کیا پروگرام ہے؟'' سینڈرا نے پوچھا۔

''سب سے پہلے مجھے ڈاکٹر سنتوش سے ملنا ہے۔ وہ ماہر نفسیات ہے اور جیسی بھی اپنے مقدمات میں اسی سے کام لیتا رہتا ہے۔ جاشی کے معائنے کے بعد اس کی رپورٹ ڈاکٹر سلطان کے حوالے کردوں گا۔ اس کے بعد اگر وہ چاہے تو کسی اور ماہر نفسیات سے بھی اپنی بیٹی کا معائنہ کرا سکتا ہے۔ یا وہ کسی اچھے وکیل سے رابطہ کرسکتا ہے۔''

''سمجھ گئی۔'' سینڈرا کتنی دیر تک شوہر کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتی رہی۔ پھر مدھم لہجے میں بولی۔ ''مسٹر بیری نے پارٹنر شپ کی کوئی بات نہیں کی؟''

''نہیں!'' ڈیوڈ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''ہوسکتا ہے مصروفیت کی وجہ سے وہ ایسا نہ کرسکا ہو۔ شاید کل یا پرسوں۔'' سینڈرا اسے تسلی دینے لگی۔

☆

ڈاکٹر سنتوش دراز قامت اور خوبرو آدمی تھا۔ سفید ہوتے ہوئے بال اور فرنچ کٹ داڑھی اسے خوب جچ رہی تھی۔ وہ بھارتی ہندو تھا اور بہت سے دوسرے ہم وطنوں کی طرح عرصہ پہلے یہاں آ کر آباد ہوگیا تھا۔ اس نے ڈیوڈ کی باتیں بڑی توجہ سے سنیں۔

''جیسی اکثر تمہارا ذکر کرتا رہتا ہے۔'' ڈیوڈ کے خاموش ہونے پر وہ بولا۔

''نفسیات کے حوالے سے دلچسپ کیس ہے۔ کیا تم اسے ذہنی مریضہ یا پاگل کے طور پر اس کے لئے کسی اپیل کے بارے میں سوچ رہے ہو؟''

''دراصل میں یہ کیس نہیں لڑ رہا۔'' ڈیوڈ نے جواب دیا۔ ''کسی اچھے وکیل کی خدمات حاصل کرنے سے پہلے میں اس کی ذہنی کیفیت کی رپورٹ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ مختصر طور پر عاشی کے بارے میں بتانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔ ''وہ اپنے آپ کو بے گناہ سمجھتی ہے۔ لیکن جو شہادتیں اس کے خلاف جمع ہوئی ہیں وہ اسے مجرم ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' ڈاکٹر سنتوش اٹھتے ہوئے بولا۔ ''چلو! پہلے اسے دیکھ لیتے ہیں۔''

☆

ہسپتھراپی سیشن کا انتظام سانتا کلارہ جیل کے ایک تفتیشی کمرے میں کیا گیا تھا۔ اس

کمرے میں ایک لکڑی کی میز اور دو چار کرسیوں کے علاوہ کسی قسم کا فرنیچر نہیں تھا۔ عاشی جب ایک محافظ کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہوئی تو اس کا چہرہ کسی انجانے خوف سے پیلا ہو رہا تھا۔ محافظ اسے چھوڑ کر باہر چلا گیا تھا۔

''عاشی! یہ ڈاکٹر سنتوش شرما ہیں، اور یہ عائشہ سلطان جیل۔'' ڈیوڈ نے ان دونوں کا تعارف کرا دیا۔

ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر سر ہلایا۔ عاشی کی آنکھوں میں وحشت سی تھی اور وہ خاصی نروس دکھائی دے رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی بھی وقت کمرے سے بھاگ جائے گی۔

''تمہیں ہپناٹائز کیے جانے پر کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟'' ڈاکٹر سنتوش شرما نے عاشی کی طرف دیکھا اور عاشی نے سر ہلا دیا تو وہ ڈیوڈ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''تم بھی یہیں رکو گے ڈیوڈ۔ تاکہ اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ سکو۔''

ڈیوڈ کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی اور وہ یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ وہ تو اس معاملے میں پھنستا ہی جا رہا ہے۔ ''بس! یہ آخری موقع ہے۔ اس کے بعد میں الگ ہو جاؤں گا۔'' اس نے سوچتے ہوئے سر ہلا دیا۔

''ٹھیک ہے ڈاکٹر!'' وہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سیشن جلد سے جلد ختم ہو جائے تاکہ وہ اپنے دفتر میں جا کر مسز پیری سے ملاقات کر سکے۔

عاشی کو کرسی پر بٹھا دیا گیا۔

''کیا تمہیں پہلے ہپناٹائز کیا گیا ہے؟'' ڈاکٹر سنتوش شرما نے پوچھا۔

عاشی نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''ڈاکٹر سنتوش بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں صرف یہ کرنا ہے کہ اپنے سارے اعضا ڈھیلے چھوڑ دو اور میری آواز سنتی رہو۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اپنے اعضاء ڈھیلے چھوڑ دو۔ بالکل ڈھیلے اور یوں محسوس کرو جیسے تمہاری آنکھیں بوجھل ہو رہی ہیں۔ تم تھکی ہوئی ہو..... بہت تھکی ہوئی..... تم سونا چاہتی ہو۔ آنکھیں بند کر لو..... تمہیں نیند آ رہی ہے..... تم سو رہی ہو..... گہری نیند.....''

عاشی کو سحر میں لانے میں دس منٹ لگ گئے۔ ڈاکٹر سنتوش اس کے قریب آ گیا۔

''مس عاشی! کیا تمہیں معلوم ہے اس وقت کہاں ہو؟'' ڈاکٹر نے پوچھا۔

''ہاں! میں جیل میں ہوں۔'' عاشی کی کھوکھلی سی آواز کسی گہرے کنویں کی تہہ سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''تم جیل میں کیوں آئی ہو؟'' ڈاکٹر سنتوش نے پوچھا۔

''لوگ سمجھتے ہیں میں نے کوئی بہت سنگین جرم کیا ہے۔''

''کیا یہ سچ ہے کہ تم نے کوئی سنگین جرم کیا ہے؟'' ڈاکٹر نے سوال کیا۔

''نہیں!'' عاشی نے جواب دیا۔

''کیا تم نے کبھی کسی کو قتل کیا ہے؟'' ڈاکٹر نے پوچھا۔

''نہیں!'' عاشی نے جواب دیا۔

ڈیوڈ نے متوحش نظروں سے ڈاکٹر سنتوش کی طرف دیکھا۔ اس کی نظروں میں ایک سوال تھا۔ ''کیا تنویمی کیفیت میں کوئی جھوٹ بول سکتا ہے؟''

''کیا تم اندازہ لگا سکتی ہو کہ یہ قتل کس نے کیے ہوں گے؟'' ڈاکٹر سنتوش نے عاشی سے ایک اور سوال کیا۔

دفعتاً عاشی کے چہرے کے تاثرات بگڑنے لگے۔ اس کا سانس بھی بے ربط ہو گیا۔ وہ دونوں حیرت سے اس کے چہرے پر نمودار ہونے والی تبدیلی کو دیکھنے لگے۔ عاشی کے ہونٹ بھنچ گئے اور اس کے چہرے کے نقوش نمایاں طور پر تبدیل ہو گئے۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اب اس کا چہرہ زندگی کا بھرپور تاثر دے رہا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھوں میں بھی زندگی کی بھرپور چمک ابھر آئی تھی۔ اس میں یہ تبدیلی ان دونوں کے لئے حیرت انگیز تھی۔ اور پھر بالکل غیر متوقع طور پر اس نے ایک گیت گانا شروع کر دیا۔ یہ انگریزی کا ایک مشہور گیت تھا جسے عام طور پر بچے گایا کرتے تھے۔ اس کا لہجہ بھی انگریزی تھا۔

ڈیوڈ حیرت سے عاشی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ کسے بیوقوف بنا رہی ہے؟ یہ اپنے آپ کو عاشی نہیں کوئی اور سمجھ رہی ہے؟

''میں تم سے کچھ اور سوال پوچھنا چاہتا ہوں مس عاشی!'' ڈاکٹر سنتوش شرما نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''میں عاشی نہیں ہوں۔'' اس نے انگریزی لہجے میں جواب دیا۔

ڈاکٹر سنتوش نے ڈیوڈ کی طرف دیکھا اور پھر عاشی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ''اگر تم عاشی نہیں ہو تو کون ہو؟''

''پیشیا..... پیشیا ڈھیرن۔'' عاشی نے جواب دیا۔

''وہ کس ڈھٹائی سے جھوٹ بول رہی ہے۔'' ڈیوڈ نے سوچا۔ ''یہ اس جھوٹ کو کب تک چھپا سکے گی؟ اور یہ ہمارا وقت کیوں ضائع کر رہی ہے؟''

''عاشی!'' ڈاکٹر سنتوش شرما نے اسے مخاطب کیا۔
''میرا نام پشپا ہے..... پشپا دھیرن۔'' عاشی نے جواب دیا۔
''ٹھیک ہے۔ پشپا ہی سہی..... میں چاہتا ہوں کہ.....''
''اور تم بھی یہ سن لو کہ میں کیا چاہتی ہوں۔'' عاشی نے اس کی بات کاٹ دی۔ میں جلد سے جلد اس گندی جگہ سے نکلنا چاہتی ہوں۔ کیا تم ہمیں یہاں سے نکال سکتے ہو؟''
''یہ تو اس پر منحصر ہے کہ.....'' ڈاکٹر سنتوش نے کہا۔ ''تم قتل کی ان.....''
''وہ قتل جن کے لئے عاشی کو یہاں بند کر دیا گیا ہے۔'' پشپا نے بات کاٹ دی۔ ''میں تمہیں بہت کچھ بتا سکتی ہوں.....''
دفعتاً عاشی کے چہرے کے تاثرات ایک بار پھر تبدیل ہونے لگے۔ ڈاکٹر سنتوش اور ڈیوڈ حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ عاشی کرسی پر سست سی گئی تھی۔ اس کے چہرے پر تناؤ ختم ہو گیا لیکن رونما ہونے والی تبدیلیوں نے اسے ایک نئی شخصیت کا روپ دے دیا تھا۔
''پشپا..... اب تم اور کچھ مت کہنا.....'' عاشی کے ہونٹوں کو حرکت ہوئی اور اس مرتبہ اس کا لہجہ اطالوی تھا۔
ڈیوڈ متوحش نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ڈاکٹر سنتوش کرسی کے قریب بیٹھ گیا۔
''پشپا.....'' اس نے عاشی کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔
''میں مداخلت کی معذرت چاہتی ہوں ڈاکٹر شرما! میں پشپا نہیں ہوں۔'' عاشی کے ہونٹوں سے آواز نکلی۔
''تو پھر..... تم کون ہو؟'' ڈاکٹر نے پوچھا۔
''میں صوفیہ ہوں..... صوفیہ پیٹر!'' اس نے جواب دیا۔
ڈیوڈ کا دماغ گھوم گیا۔ یہ اداکاری نہیں ہو سکتی۔ اس نے سوچا اور مڑ کر ڈاکٹر سنتوش شرما کی طرف دیکھنے لگا۔
''دوہری شخصیت کا معاملہ ہے۔'' ڈاکٹر نے کہا۔
''دوہری شخصیت! کیا مطلب؟'' ڈیوڈ کے لہجے میں حیرت تھی۔
''بعد میں وضاحت کروں گا۔'' ڈاکٹر سنتوش نے کہا اور عاشی کی طرف متوجہ ہو گیا۔
''عاشی..... میرا مطلب ہے صوفیہ..... تم لوگوں کی تعداد کتنی ہے؟''
''عاشی کے علاوہ صرف پشپا اور میں۔'' جواب ملا۔
''تمہارا لہجہ اطالوی ہے۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''میں روم میں پیدا ہوئی تھی۔'' جواب ملا۔
''پشپا کو جانتی ہو؟ وہ انگلش لہجے میں بات کرتی ہے۔'' ڈاکٹر بولا۔
''پشپا لندن میں پیدا ہوئی تھی۔''
''ٹھیک ہے صوفیہ! میں قتل کی ان وارداتوں کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ کیا تم بتا سکتی ہو کہ.....''
عاشی کے چہرے کے تاثرات ایک بار پھر تبدیل ہونے لگے۔ وہ دونوں اس کی طرف دیکھتے رہے۔ اور پھر انہیں سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ اب وہ پشپا کا روپ دھار چکی ہے۔
''تم اپنا وقت ضائع کر رہے ہو ڈاکٹر!'' انگلش لہجے میں کہا گیا۔ ''صوفیہ کچھ نہیں جانتی۔ تمہیں جو بھی بات کرنی ہے مجھ سے کرو۔''
''ٹھیک ہے پشپا!'' ڈاکٹر بولا۔ ''تو پھر میں تم سے ہی چند سوال پوچھنا چاہوں گا۔''
''تمہارے سوالوں کا جواب ضرور دوں گی۔ لیکن اس وقت میں بہت تھکی ہوئی ہوں۔ عاشی نے ہمیں رات بھر جگائے رکھا ہے۔ میں سونا چاہتی ہوں۔''
''ابھی نہیں!'' ڈاکٹر نے کہا۔ ''معاملہ بہت سنگین ہے۔ تمہیں ہماری مدد.....''
''میں تمہاری مدد کیوں کروں؟'' ڈاکٹر کی بات کاٹ دی گئی۔ عاشی کے چہرے پر تناؤ سا پیدا ہو گیا۔ ''عاشی نے ہمارے لئے کیا کیا ہے؟ اس نے زندگی بھر ہمیں خوشیوں سے محروم رکھا ہے۔ میں تو اس سے تنگ آ گئی ہوں۔ تم میری بات سن رہے ہو۔'' اس کے چہرے پر کرختگی نمایاں ہو گئی۔
''میں اسے اس مصیبت سے نکالنا چاہتا ہوں۔'' ڈاکٹر نے ڈیوڈ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور عاشی پر جھک گیا۔ ''عاشی..... عاشی..... سب ٹھیک ہے۔ اب اپنی آنکھیں بند کر لو۔ تمہاری آنکھیں بوجھل ہو رہی ہیں..... تم ذہنی اور جسمانی طور پر بالکل پرسکون ہو رہی ہو..... میں پانچ تک گنتی گنوں گا اور تم جاگ جاؤ گی۔ ایک.....'' اس نے ڈیوڈ کی طرف دیکھا اور گنتی جاری رکھی۔ عاشی کے چہرے کے تاثرات بتدریج تبدیل ہو رہے تھے۔ تناؤ ختم ہو رہا تھا۔ اور پھر وہ بالکل پرسکون نظر آنے لگی۔ اور پھر ڈاکٹر نے جیسے ہی پانچ کہا اس نے آنکھیں کھول دیں۔
''مم..... میں سو رہی تھی کیا؟'' عاشی نے پہلے ڈاکٹر اور پھر ڈیوڈ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اوہ..... کیا میں نے سب کچھ بتا دیا.....؟ میرا مطلب ہے میں کچھ مددگار ثابت ہو سکتی ہوں یا نہیں؟''

''تمہاری باتیں ہمارے لئے کافی مفید ثابت ہو سکتی ہیں عاشی!'' ڈیوڈ نے کہا۔ اسے شدید حیرت تھی کہ اس وقت عاشی کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا وہ اس سے بالکل بے خبر تھی۔ ''اب تم جا سکتی ہو۔ میں ڈاکٹر سے تنہائی میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

محافظ کو بلا کر عاشی کو اس کے ساتھ بھیج دیا گیا۔ ڈیوڈ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ ''یہ..... یہ سب کیا تھا ڈاکٹر.....؟ میں تو کچھ نہیں سمجھ سکا۔''

''میں نے اپنی زندگی میں ایسا کیس کبھی نہیں دیکھا۔'' ڈاکٹر سنتوش نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

''کیسا کیس؟'' ڈیوڈ نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''کیا تم نے کبھی ایک سے زیادہ متصادم ذہنی شخصیات کے بارے میں سنا ہے؟''

''میں پہلی بار سن رہا ہوں۔'' ڈیوڈ نے کہا۔

''کسی ایک جسم کے اندر کئی مختلف شخصیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اسے علیحدگی پذیر متضاد شخصیات بھی کہا جاتا ہے۔ علم نفسیات میں یہ موضوع تقریباً دو سو سال سے زیر بحث ہے۔ یہ عام طور پر بچپن یا نوعمری میں کسی شدید ذاتی صدمے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس کا شکار اس ذہنی صدمے کو بھلانے کے لئے غیر شعوری طور پر اپنے اندر ایک نئی شخصیت پیدا کر لیتا ہے۔ بعض اوقات تو اس کے اندر کئی کئی شخصیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ برصغیر میں ایسا کوئی واقعہ ہو تو عام طور پر کہا جاتا ہے کہ جن یا کسی بدروح نے مریض کے دماغ پر قبضہ کر رکھا ہے۔''

''اور کسی کے اندر پیدا ہونے والی یہ پراسرار شخصیات ایک دوسرے کو جانتی ہیں؟'' ڈیوڈ نے پوچھا۔

''اس کا جواب ہاں میں بھی ہے اور نفی میں بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن عاشی کے ذہن پر قابض دونوں شخصیات، پشپا اور صوفیہ ایک دوسرے کو جانتی ہیں جبکہ عاشی ان دونوں کے وجود سے بالکل لاعلم ہے۔'' ڈاکٹر نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ ''یہ دوسری شخصیات اس لئے جنم لیتی ہیں کہ میزبان یعنی اصل شخصیت اس ذہنی صدمے کو بھلانا چاہتی ہے۔ یہ دراصل فرار کا ایک راستہ ہے۔ جب بھی کوئی نیا صدمہ پہنچتا ہے اس کے اندر ایک نئی شخصیت جنم لے لیتی ہے۔ علم نفسیات کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ کسی کے اندر جنم لینے والی یہ پراسرار شخصیات ایک دوسرے سے مکمل طور پر مختلف ہو سکتی ہیں۔ بعض شخصیات سیدھی سادھی اور احمق سی ہوتی ہیں اور بعض بہت ذہین اور چالاک۔ یہ مختلف زبانیں بول سکتی ہیں۔''

''کیا یہ بیماری..... میں اسے بیماری ہی کہوں گا..... عام ہے یا.....'' ڈیوڈ نے جملہ ادھورا

چھوڑ دیا۔

''مجموعی طور پر آبادی کا ایک فیصد اس ذہنی بیماری ''ملٹی پل پرسنالٹی آرڈر'' یعنی ایم پی ڈی کا شکار ہے اور ذہنی امراض کے ہسپتالوں میں زیر علاج بیس فیصد مریض اس میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔'' ڈاکٹر نے بتایا۔

''لیکن عاشی تو بالکل نارمل لگتی ہے اور.....''

''ایم پی ڈی کا شکار اس وقت تک نارمل رہتا ہے جب تک اس کے اندر کی شخصیت اس پر حاوی نہ ہو جائے۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔ ''میزبان یعنی اصل شخصیت ملازمت کر سکتی ہے، بہتر طور پر اپنے کنبے کی پرورش کر سکتی ہے اور معمول کے مطابق زندگی گزار سکتی ہے لیکن اس کے اندر کی شخصیت کسی بھی وقت اس پر حاوی ہو سکتی ہے۔ یہ کیفیت گھنٹہ دو گھنٹے، پورا دن، ہفتہ بھر یا اس سے بھی لمبے عرصے کے لئے طاری رہ سکتی ہے۔ اس دوران ذہنی انتشار کا شکار رہتی ہے اور اس کی یادداشت بھی ختم ہو جاتی ہے یعنی اس دوران اس سے جو بھی حرکت سرزد ہوتی ہے، اُسے اس کا قطعی علم نہیں ہوتا۔''

''اس کا مطلب ہے کہ عاشی..... بالکل لاعلم ہے یعنی اسے بالکل یاد نہیں کہ اس کے اندر کی شخصیات کیا کر رہی ہیں؟'' ڈیوڈ نے پوچھا۔

''ہاں! وہ بالکل بے خبر ہے۔'' ڈاکٹر سنتوش شرما نے جواب دیا۔

ڈیوڈ پر عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ وہ خاموشی سے ڈاکٹر کی باتیں سنتا رہا۔ ''متعدد متضاد شخصیات کے حوالے سے بریڈی مرش کے کیس کو خاصی شہرت ملی تھی۔'' ڈاکٹر سنتوش شرما کہہ رہا تھا۔ ''دراصل یہی وہ پہلا کیس تھا جس سے عام لوگ بھی اس ''بیماری'' سے آگاہ ہوئے تھے۔ اس کے بعد بھی ایسے کئی کیسز سامنے آئے لیکن انہیں اتنی زیادہ شہرت نہیں مل سکی تھی۔''

''یہ سب کچھ حیرت انگیز اور ناقابل یقین سا لگتا ہے۔'' ڈیوڈ بولا۔

''میں بہت عرصے سے اس موضوع میں دلچسپی لے رہا ہوں۔'' ڈاکٹر سنتوش نے کہا۔ ''اس موضوع پر اب تک کی تحقیقات سے بڑی دلچسپ اور سنسنی خیز باتیں سامنے آئی ہیں۔ ایک مہربان اور ہمدرد شخص سے بہت ظالمانہ فعل سرزد ہو سکتا ہے اور عام زندگی میں ایک ظالم اور بے رحم شخص کسی سے ہمدردی بھی کر سکتا ہے۔''

ڈیوڈ کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ ''اس کا مطلب ہے کہ اگر عاشی نے واقعی وہ قتل کئے ہیں تو.....''

''وہ ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتی ہوگی۔ جو کچھ بھی ہوا اس کے اندر کی شخصیات میں

سے کسی نے کیا ہے۔'' ڈاکٹر سنتوش نے جواب دیا۔

''لیکن میں اسے عدالت میں کس طرح ثابت کرسکوں گا؟'' ڈیوڈ نے کہا۔

''تم نے تو شاید یہ کہا تھا کہ عاشی کا کیس نہیں لڑو گے۔'' ڈاکٹر نے اسے گھورا۔

''کچھ کہہ نہیں سکتا۔'' ڈیوڈ سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''اس وقت تو میں خود اپنے اندر متضاد شخصیات کا شکار ہو رہا ہوں۔ لیکن کیا یہ 'بیماری' قابل علاج ہے؟''

''ہاں..... اکثر کیسز میں کامیاب علاج ہوا ہے۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

''اگر علاج کامیاب نہ ہوسکے تو؟''

''خودکشی!'' ڈاکٹر ڈیوڈ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''ایسے کیسوں میں خودکشی کی شرح بھی بہت زیادہ ہے۔''

''اور عاشی نہیں جانتی کہ وہ اپنے اندر متضاد شخصیات کا شکار ہے؟'' ڈیوڈ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''نہیں! لیکن اسے بتانا پڑے گا۔'' ڈاکٹر سنتوش نے جواب دیا۔

☆

''نہیں.....!'' عاشی چیخ اٹھی۔ وہ سمٹ کر دیوار کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں وحشت سی بھر گئی تھی۔ ''تم جھوٹ بول رہے ہو ڈاکٹر! ایسا نہیں ہوسکتا۔''

''یہ سچ ہے عاشی!'' ڈاکٹر سنتوش نے کہا۔ ''تمہیں اس حقیقت کا سامنا کرنا ہوگا۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ جو کچھ بھی ہوا ہے اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔''

''نہیں نہیں..... میرے قریب مت آنا۔'' عاشی اسے آگے بڑھتے دیکھ کر چیخی۔

''ڈرو مت..... تمہیں کوئی کچھ نہیں کہہ رہا۔'' ڈاکٹر بولا۔

''مم..... میں..... میں مرنا چاہتی ہوں۔ پلیز! میری مدد کرو!'' وہ سسکیاں بھرنے لگی۔ اس کا بدن ہولے ہولے کانپنے لگا تھا۔

ڈاکٹر سنتوش شرما خاتون محافظ کی طرف گھوم گیا۔ ''اسے کوئی سکون بخش دوا دے دو اور اس کا خیال رکھو۔''

☆

ڈیوڈ نے ڈاکٹر سلطان جمیل کو اطلاع دے دی تھی کہ وہ اس سے ملنے کے لئے آرہا ہے۔ سان فرانسسکو کی طرف واپس جاتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا، میں یہ کیس نہیں لے سکتا۔ اس سے مجھے بہت نقصان اٹھانا پڑے گا۔ میں جلد ہی کسی اچھے وکیل سے رابطہ کر کے یہ کیس اس کے

حوالے کر دوں گا۔

جب وہ سان فرانسسکو میموریل ہسپتال پہنچا تو ڈاکٹر سلطان جمیل اپنے دفتر میں اس کا منتظر تھا۔

''عاشی سے بات ہوئی؟ کیسی ہے وہ؟'' ڈاکٹر سلطان نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

''آپ نے کبھی ایم پی ڈی یعنی ایک شخص کی کئی شخصیات کے بارے میں سنا ہے؟'' ڈیوڈ نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں! لیکن زیادہ نہیں۔'' ڈاکٹر سلطان نے جواب دیا۔

''اس کی وضاحت کچھ اس طرح ہے کہ کسی شخص کے اندر ایک یا ایک سے زیادہ شخصیات جنم لے لیتی ہیں۔ وقتاً فوقتاً اس کے دماغ پر بھی قابض ہو جاتی ہیں اور اس دوران جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ شخص اس سے بالکل بے خبر رہتا ہے۔ آپ کی بیٹی عاشی بھی متعدد متضاد شخصیات کا شکار ہے۔''

''کیا؟'' ڈاکٹر سلطان اچھل پڑا۔ ''کیا تمہیں یقین ہے؟ کیا.....''

''ڈاکٹر سنتوش شرما نے اسے سحر میں لیا تھا تو میں ان میں ہونے والی گفتگو سن رہا تھا۔'' ڈیوڈ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''آپ کی بیٹی کے اندر دو متضاد شخصیات موجود ہیں جو وقتاً فوقتاً اس پر حاوی ہو جاتی ہیں۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا۔ پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''شیرف نے مجھے عاشی کے خلاف ثبوت دکھائے تھے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ قتل عاشی ہی نے کئے تھے۔''

''اوہ خدایا!'' ڈاکٹر سلطان نے سر پکڑ لیا۔ ''اس کا مطلب ہے وہ مجرم ہے؟''

''نہیں! کیونکہ میں نہیں سمجھتا کہ عاشی اس حقیقت سے واقف ہے کہ اس نے قتل کئے تھے۔ وہ اس وقت اپنے اندر کی ایک شخصیت کے قبضے میں تھی۔ ان میں سے کسی بھی شخص کو قتل کرنے کی عاشی کے پاس کوئی وجہ نہیں تھی، کوئی محرک نہیں تھا۔ وہ اس وقت اپنے آپ میں بھی نہیں تھی۔ میرا خیال ہے استغاثہ کو محرک یا عاشی کا ارادہ ثابت کرنے میں خاصی دشواری پیش آئے گی۔''

''گویا تم عدالت میں عاشی کا دفاع اس طرح کرو گے کہ.....''

''میں عدالت میں اس کا دفاع نہیں کروں گا۔'' ڈیوڈ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''میں وکیل جیسی سے بات کروں گا۔ میں ان کے ساتھ کام بھی کر چکا ہوں۔ قتل کے کیس میں اس وقت جیسی سے بہتر اور کوئی وکیل.....''

''نہیں!'' اس مرتبہ ڈاکٹر سلطان جمیل نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''عاشی کا کیس تم اور صرف تم لڑو گے۔''

''آپ سمجھتے کیوں نہیں؟'' ڈیوڈ نے پرسکون لہجے میں کہا۔ ''میں اس کیس کی پیروی کے لئے مناسب نہیں ہوں۔ عاشی کو تو ایسے وکیل کی ضرورت ہے جو.....''

''ڈیوڈ!'' ڈاکٹر سلطان نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ ''میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ تم واحد شخص ہو جس پر میں مکمل اعتماد اور بھروسہ کر سکتا ہوں۔ میرے لئے اس دنیا میں جو کچھ بھی ہے، وہ میری بیٹی ہے اور اس کی زندگی تم ہی بچا سکتے ہو۔''

''میں قتل کے مقدمات کا اہل نہیں ہوں۔'' ڈیوڈ نے کہا۔

''میرا اعتبار سے اہل ہو۔'' ڈاکٹر سلطان نے کہا۔ ''تمہارے پاس لائسنس ہے اور تم فوجداری وکیل کی حیثیت سے کام کر چکے ہو۔''

''لیکن میں.....''

''عاشی کے کیس کی پیروی تمہارے سوا اور کوئی نہیں کرے گا۔'' ڈاکٹر سلطان کا لہجہ فیصلہ کن تھا۔ ڈیوڈ نے محسوس کیا تھا کہ ڈاکٹر سلطان بڑی مشکل سے اپنا غصہ ضبط کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ڈیوڈ بھی اب تک بڑی مشکل سے اپنا غصہ ضبط کئے ہوئے تھا۔ یہ بات ڈاکٹر سلطان جمیل کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ وہ اپنی بیٹی کا کیس ایک اناڑی وکیل کے سپرد کر کے اس کی زندگی خطرے میں ڈال رہے تھے۔ اس نے ڈاکٹر کو ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی۔

''جیسی کولمر ایک بہت اچھا وکیل ہے اور.....''

''ڈیوڈ!'' ڈاکٹر سلطان جمیل کسی قدر آگے جھک گئے۔ ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ ''جس طرح تمہاری ماں کی زندگی تمہارے لئے اہم تھی اسی طرح میری بیٹی کی زندگی میرے لئے اہم ہے۔ تم نے ایک مرتبہ مجھ سے مدد کی درخواست کی تھی اور اپنی ماں کی زندگی میرے ہاتھ میں دے دی تھی۔ اب میں تم سے مدد کی درخواست کرتے ہوئے اپنی بیٹی کی زندگی تمہارے ہاتھوں میں دے رہا ہوں۔ تم عدالت میں عاشی کا دفاع کرو گے۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ تم میرے احسان مند اور مقروض ہو۔ اب وقت ہے کہ.....''

ڈیوڈ اس سے آگے کچھ نہیں سن سکا۔ اس کے ذہن میں کئی اعتراضات آ گئے تھے۔ وہ ڈاکٹر کو قائل کرنے کی کوشش کر سکتا تھا۔ لیکن صرف ایک جملے نے اس کی زبان بند کر دی۔ ''تم میرے احسان مند اور مقروض ہو۔''

اس نے آخری کوشش کرنا چاہی مگر ڈاکٹر سلطان جمیل نے ہاتھ اٹھا کر اسے کچھ کہنے سے روک دیا اور اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولے۔ ''صرف ایک لفظ میں جواب دو ڈیوڈ! ہاں یا نہیں.....''

☆

گھر میں سینڈرا بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے دیکھ کر ڈیوڈ کی ساری کوفت اور تھکن دور ہوگئی تھی۔ وہ بڑی گہری نظروں سے سینڈرا کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کچھ عرصے بعد ماں بننے والی تھی اور پہلے سے زیادہ حسین لگ رہی تھی۔

''بروکر کا فون آیا تھا۔'' سینڈرا نے اسے بتایا۔ ''وہ کہہ رہا تھا کہ کاغذات تیار ہو چکے ہیں۔''

''اوہ!'' ڈیوڈ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ صورت حال جو رخ اختیار کر رہی تھی اس کے پیش نظر عالیشان فلیٹ خریدنے کا خواب چکنا چور ہوتا نظر آ رہا تھا۔

''یہیں بیٹھے رہو۔ میں تمہیں ایک چیز دکھانا چاہتی ہوں۔'' سینڈرا اٹھ کر بیڈ روم میں چلی گئی اور ڈیوڈ سوچنے لگا کہ اسے جو کچھ بھی کرنا ہے اس کا فیصلہ فوراً ہی کرنا ہوگا۔ سینڈرا چند منٹ بعد واپس آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں مختلف رنگوں کے وال پیپر کے ٹکڑے نظر آ رہے تھے۔

''ہم نرسری والے کمرے میں صرف نیلے رنگ کا وال پیپر لگائیں گے اور نشست گاہ میں نیلے اور سفید۔ نیلا تمہارا پسندیدہ رنگ ہے۔ اب تمہیں صرف یہ بتانا ہے کہ ہلکا شیڈ پسند کرو گے یا ڈارک؟''

''ہلکا شیڈ اچھا لگ رہا ہے۔'' ڈیوڈ نے جواب دیا۔ اس کا ذہن الجھتا جا رہا تھا۔

''مجھے بھی یہ شیڈ پسند ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ قالین گہرے نیلے رنگ کے ہوں گے۔ ہلکا نیلا رنگ میچ کرے گا یا نہیں؟''

''میں کمپنی کی پارٹنر شپ نہیں چھوڑ سکتا..... میں نے اس کے لئے بڑی محنت کی ہے۔ میرے مستقبل کا دارومدار اس پر ہے۔'' ڈیوڈ سوچ رہا تھا۔

''تم نے بتایا نہیں ڈیوڈ!''

''اوہ..... کیا.....'' سینڈرا کی آواز سن کر وہ چونک گیا۔ ''تمہیں جو پسند ہو وہی مجھے بھی پسند ہوگا ڈارلنگ.....''

''میں عجیب سی سنسنی محسوس کر رہی ہوں۔ ہمارا گھر کتنا شاندار ہوگا۔'' سینڈرا نے کہا۔

''اگر مجھے پارٹنر شپ نہ ملی تو ہم وہ فلیٹ نہیں خرید سکیں گے۔'' اس نے سوچا۔

''کچھ فرنیچر تو ہم یہاں سے لے جائیں گے۔'' سینڈرا ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''لیکن ہمیں تھوڑا بہت فرنیچر اور کچھ اور چیزیں تو نئی خریدنی ہی پڑیں گی۔ نیا گھر، نیا فلیٹ، نئی زندگی..... ویسے میں آج اس طرف گئی تھی۔ بڑا اچھا اور پرسکون علاقہ ہے۔''

سینڈرا نئے فلیٹ کے حوالے سے بہت جذباتی ہو رہی تھی اور ڈیوڈ سوچ رہا تھا کہ اگر اسے کمپنی میں پارٹنر شپ نہ ملی تو کیا ہوگا؟ سینڈرا پاگل ہو جائے گی۔ اس کے سارے خواب بکھر جائیں گے۔ میں صبح ہی مسٹر بیری سے بات کروں گا کہ میں عاشی کا کیس نہیں لے رہا۔ ڈاکٹر سلطان جمیل کو کسی اور وکیل کا بندوبست کرنا ہوگا۔

''تمہیں یاد ہے آج ہمیں وکیل جیسی سے ملنے بھی جانا ہے۔'' سینڈرا نے خود ہی موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ ''ویسے تم آج بھی مس عاشی سے ملنے گئے تھے۔ کیا واقعی وہ مجرم ہے؟''

''ہاں بھی اور نہیں بھی۔'' ڈیوڈ نے جواب دیا۔

''وکیلوں کی طرح بات کر رہے ہو۔'' سینڈرا نے اسے گھورا۔ ''کیا مطلب ہوا اس ہاں اور نہیں کا؟''

''اس نے قتل تو کئے ہیں لیکن وہ مجرم نہیں ہے۔''

''ڈیوڈ! کیسی باتیں کر رہے ہو؟''

''عاشی ایک ایسے ذہنی مرض میں مبتلا ہے جس سے اس کی شخصیت تقسیم ہوگئی ہے۔ وہ بعض ایسے کام کر گزرتی ہے جن کے بارے میں اسے خود بھی پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔'' ڈیوڈ نے جواب دیا۔ ''اس کے اندر دو اور شخصیات موجود ہیں جنہیں میں نے خود باتیں کرتے ہوئے سنا ہے۔''

''تم نے خود سنا ہے؟'' سینڈرا کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں! پہلے تو میں یہی سمجھا تھا کہ وہ جرم سے انکار کر کے جھوٹ بول رہی ہے۔ لیکن اب مجھے یقین کر لینا پڑا کہ وہ واقعی بے گناہ ہے۔ لیکن اس کا فیصلہ تو عدالت ہی کرے گی۔ آج میں نے اس کے باپ سے بھی بات کی تھی کہ وہ کسی اچھے وکیل کا بندوبست کرے۔ اس نے جیسی کا نام بھی دیا تھا لیکن وہ بضد ہے کہ کیس کی پیروی میں ہی کروں۔ وہ میری کوئی بات سننے کو تیار ہی نہیں۔''

''وہ اتنا بضد کیوں ہے؟ کیا کہتا ہے وہ؟'' سینڈرا نے پوچھا۔

''اس کا کہنا ہے کہ ایک موقع پر میں نے اس پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی ماں کی زندگی اس

کے ہاتھوں میں دے دی تھی اور اس نے میری ماں کو بچایا تھا۔ اور اب وہ مجھ پر مکمل بھروسہ کرتے ہوئے اپنی بیٹی کی زندگی میرے ہاتھوں میں دے رہا ہے اور وہ بضد ہے کہ اب میں اس کی بیٹی کو بچاؤں۔''

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' سینڈرا بولی۔ ''تمہیں تو فوجداری مقدمات کی پریکٹس چھوڑے ہوئے کافی عرصہ ہو چکا ہے۔ تم اس کیس کی پیروی کر سکو گے؟ میرا مطلب ہے.....''

''میں تمہارا مطلب سمجھ رہا ہوں۔'' ڈیوڈ بولا۔ ''مگر بڑھا پیری چاہتا ہے کہ میں یہ کیس نہ لوں۔ اگر میں نے یہ کیس لے لیا تو مجھے پارٹنر شپ سے محروم ہونا پڑے گا۔''

''اوہ!'' سینڈرا کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

کئی لمحے خاموشی رہی۔ پھر ڈیوڈ نے پہلے زبان کھولی تھی۔ ''اب میرے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ڈاکٹر سلطان جمیل کو صاف انکار کر کے اپنی کمپنی کی پارٹنر شپ حاصل کر لوں یا بغیر تنخواہ کے چھٹی لے کر عاشی کا کیس لڑوں۔ اس کے بعد جو کچھ بھی ہوگا دیکھا جائے گا۔ اگر میں نے کیس لے لیا تو پارٹنر شپ سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ ایسی صورت میں ہمیں وہ فلیٹ اور دوسری ساری باتیں ذہن سے نکال دینی ہوں گی سینڈرا!''

''شادی سے پہلے تم نے مجھے ڈاکٹر سلطان جمیل کے بارے میں بتایا تھا۔'' سینڈرا نے مدھم لہجے میں کہا۔ ''وہ دنیا کا مصروف ترین اور معروف ترین آدمی تھا۔ لیکن اس نے ایک ایسے لڑکے کے لئے وقت نکال لیا جس کی ماں مر رہی تھی اور علاج کے لئے اس کے پاس پھوٹی کوڑی تک نہیں تھی۔ وہ تمہارا ہیرو تھا ڈیوڈ! اور ایک موقع پر تم نے کہا تھا کہ اگر ہمارے ہاں بیٹا ہوا تو اسے بھی ڈاکٹر سلطان جمیل بنائیں گے۔''

ڈیوڈ نے خاموشی سے گردن ہلا دی۔

''تو پھر فیصلہ کب کر رہے ہو؟'' سینڈرا نے پوچھا۔

''میں صبح مسٹر پیری سے ملوں گا۔'' ڈیوڈ نے جواب دیا۔

سینڈرا اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب بیٹھ گئی اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بولی۔

''فیصلہ کرنے کے لئے تمہیں اتنا زیادہ وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں ہے ڈیئر! ڈاکٹر سلطان جمیل نے تمہاری ماں کی جان بچائی تھی اور اب تم اس کی بیٹی کی جان بچاؤ گے۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دی۔ ''ہمارا یہ فلیٹ برا تو نہیں۔ ہم اسے بھی اپنے خوابوں کی طرح سجا سکتے ہیں۔''

☆

فوجداری مقدمات کے حوالے سے جیسی کو ریاست کا چوٹی کا وکیل سمجھا جاتا تھا۔ وہ دراز قامت، ادھیڑ عمر اور صحت مند آدمی تھا۔ اس کا خاندانی پس منظر بھی بہت شاندار تھا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ مقدمات میں منتخب ہونے والے جیوری کے ارکان بھی اسے پسند کرتے تھے۔ جیوری کے ارکان کی ہمدردیاں بھی اس کی کامیابیوں میں اہم کردار ادا کر رہی تھیں لیکن اس کی کامیابی کی سب سے بڑی وجہ اس کی یادداشت اور ذہانت تھی۔

چھٹیوں میں وہ اپنا وقت سیر و تفریح میں ضائع کرنے کی بجائے لاء کالج میں لیکچر دیا کرتا تھا۔ کئی سال پہلے ڈیوڈ بھی اس کے شاگردوں میں شامل تھا۔ اور جب ڈیوڈ نے لاء گریجویٹ کی ڈگری حاصل کی تو جیسی نے اسے اپنی لاء فرم میں ملازمت کی پیشکش کی جسے ڈیوڈ نے قبول کر لیا اور دو سال کی ملازمت کے بعد وہ اس لاء فرم کا پارٹنر بن چکا تھا۔

ڈیوڈ بھی بڑا کامیاب وکیل ثابت ہوا تھا۔ تین سال کی پارٹنر شپ کے دوران میں اس نے کمپنی کو ملنے والے دس فیصد کیس لڑے تھے اور سب میں کامیابی حاصل کی تھی۔ لیکن پھر اچانک ہی اس نے فوجداری مقدمات کی پریکٹس چھوڑ دی اور مسٹر پیری کی کارپوریٹ لاء فرم میں ملازمت اختیار کر لی۔

جیسی اور ڈیوڈ کی دوستی بہت پرانی تھی۔ ڈیوڈ کی شادی کے بعد ان کی بیویوں میں بھی دوستی کا رشتہ استوار ہو گیا۔ وہ ہفتے میں ایک مرتبہ ایک دوسرے کے ہاں ڈنر ضرور کیا کرتی تھیں۔

جیسی کی کمپنی میں کئی حسین لڑکیاں کام کرتی تھیں۔ کئی لڑکیوں نے جیسی پر ڈورے ڈالنے کی کوشش بھی کی تھی مگر جیسی کو جین پسند تھی۔ جین بھی اسے چاہتی تھی۔ اور پھر ایک روز انہوں نے شادی کر لی۔ عمروں میں نمایاں فرق ہونے کے باوجود وہ بڑی شاندار اور کامیاب ازدواجی زندگی گزار رہے تھے۔

دونوں گھرانے منگل کی شب ضرور اکٹھے ہوتے۔ کبھی جیسی کے گھر اور کبھی ڈیوڈ کے گھر کھانے کی دعوت ہوتی۔

اس روز سینڈرا اور ڈیوڈ، جیسی کے فلیٹ پر پہنچے تو جیسی نے دروازے پر ان کا استقبال کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ ''پہلے فلیٹ کی مبارک باد دوں یا پارٹنر شپ کی؟''

سینڈرا اور ڈیوڈ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ دونوں اندر آ گئے۔ سینڈرا تو باورچی خانے میں جین کے پاس چلی گئی اور جیسی، ڈیوڈ کی طرف دیکھنے لگا۔

''بیٹھو ڈیوڈ!'' جیسی بولا۔ ''کیا بات ہے؟ کافی سنجیدہ نظر آ رہے ہو۔''

''ایک مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔'' ڈیوڈ نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔

''فلیٹ کا یا پارٹنر شپ کا؟'' جیسی نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''دونوں کا!'' ڈیوڈ نے کہا۔ ''ڈاکٹر سلطان جمیل کی بیٹی کے کیس کے بارے میں تو تم جانتے ہی ہو۔''

''عائشہ جمیل..... ہاں! لیکن تمہارا اس معاملے سے کیا تعلق؟'' جیسی نے کہا اور پھر جلدی سے بولا۔ ''ایک منٹ۔ لاء کالج میں تعلیم کے دوران میں تم نے ایک مرتبہ مجھے ڈاکٹر سلطان جمیل کے بارے میں بتایا تھا۔ اس نے تمہاری ماں کی زندگی بچائی تھی۔''

''ہاں! اب وہ چاہتا ہے کہ میں اس کی بیٹی کے کیس کی پیروی کروں۔'' ڈیوڈ نے جواب دیا۔ ''میں نے اسے تمہارا حوالے دیا تھا لیکن وہ بضد ہے کہ کیس میں ہی لڑوں۔ وہ کسی اور کا نام بھی سننے کو تیار نہیں۔''

''کیا اسے معلوم ہے کہ اب تم فوجداری مقدمات کی پریکٹس نہیں کر رہے؟'' جیسی نے پوچھا۔

''وہ سب کچھ جانتا ہے اس کے باوجود بضد ہے۔'' ڈیوڈ نے جواب دیا۔

''اپنی بیٹی کے بارے میں اس کے جذبات کیا ہیں؟'' جیسی نے پوچھا۔

''وہ اسے اپنی زندگی سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے۔''

''فرض کرو تم یہ کیس لے لیتے ہو اور.....''

''بیری نہیں چاہتا کہ میں اس کیس کی پیروی کروں۔'' ڈیوڈ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''اگر میں یہ کیس لے لیتا ہوں تو مجھے سو فیصد یقین ہے کہ مجھے پارٹنر شپ سے محروم ہونا پڑے گا۔''

''سمجھ گیا۔'' جیسی نے سر ہلایا۔ ''اور یہیں سے تمہارے فلیٹ کا مسئلہ شروع ہوتا ہے۔''

''میرا مستقبل داؤ پر لگا ہوا ہے۔'' ڈیوڈ بولا۔ ''اگر میں یہ کیس لے لیتا ہوں تو دنیا میں مجھ سے بڑا احمق کوئی نہیں ہوگا۔''

''تو پھر کیا فیصلہ کیا تم نے؟'' جیسی نے پوچھا۔

''فیصلہ!'' ڈیوڈ کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ ''میں یہ کیس لے رہا ہوں۔''

''تمہارا یہ فیصلہ سن کر مجھے زیادہ حیرت نہیں ہوئی۔'' جیسی مسکرایا۔

ڈیوڈ پیشانی مسلتے ہوئے بولا۔ ''اگر میں انکار کر دیتا ہوں اور ڈاکٹر سلطان کی بیٹی کو مجرم قرار دیتے ہوئے سزا ہو گئی اور میں اس کی مدد نہ کر سکا تو میں اپنے آپ کو معاف نہیں کر سکوں گا۔''

''میں میں تمہارے جذبات کو سمجھ رہا ہوں۔ تمہاری بیوی کیا کہتی ہے؟'' ڈیوڈ سے جواب نہ پا کر وہ آگے بولا۔ ''میرا خیال ہے وہ بھی یہی چاہتی ہے کہ تم یہ کیس لے لو۔''

''ہاں!'' ڈیوڈ نے مختصر سا جواب دیا۔

''تو پھر پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ مجھ سے جو کچھ بھی ہو سکے گا میں تمہاری مدد کروں گا۔'' جیسی نے کہا۔ ''لیکن کیا تم نے بیری کو بھی بتا دیا ہے یا نہیں؟''

''ابھی نہیں۔'' ڈیوڈ نے جواب دیا۔ ''صبح اس سے میری ملاقات ہے اور میں جانتا ہوں کہ وہ کیا کہے گا۔ یا تو وہ مجھے باز رکھنے کی کوشش کرے گا یا بغیر تنخواہ کے چھٹی لینے پر مجبور کرے گا۔''

''ہم کل دوپہر کے کھانے پر تفصیل سے بات کریں گے۔ ٹھیک ایک بجے دو بیکون ریستوران پہنچ جانا۔'' جیسی نے جین کو کچن سے نکلتے دیکھ کر کہا اور پھر موضوع بدل دیا۔

جین انہیں کھانا تیار ہونے کا بتا کر واپس چلی گئی۔

''میں سمجھ رہا ہوں کہ تم یہ کیس کیوں نہیں لینا چاہتے۔'' جیسی نے ڈیوڈ کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ ''لیکن وہ بات بہت پرانی ہو چکی ہے۔ اس میں تمہارا کوئی قصور بھی نہیں تھا۔ بھول جاؤ اسے۔ ایسا کسی کے ساتھ بھی ہو سکتا تھا۔''

''لیکن میرے ساتھ ہی کیوں ہوا؟'' ڈیوڈ بولا۔ ''یہ سب کچھ میرے ساتھ ہوا اور میں نے اسے قتل کر دیا!''

☆

ڈیوڈ اس خوفناک واقعے کو نہیں بھلا سکا تھا۔ وہ بھیانک یاد اس کے دماغ پر ہتھوڑے برساتی رہتی۔ یہ کئی سال پہلے کی بات تھی۔ وہ کیس بہت سیدھا سادہ تھا اور ڈیوڈ نے اس کیس میں موکل کی پیروی کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

''یہ کیس میں لڑوں گا۔'' اس نے جیسی سے وہ کیس لے لیا۔

ہیلن بڑی خوبصورت لڑکی تھی۔ اس پر اپنی دولت مند سوتیلی ماں کو قتل کرنے کا الزام تھا۔ ماں بیٹی میں اکثر لڑائی ہوتی رہتی تھی اور ایسے ناخوشگوار واقعات کے بہت سے گواہ بھی موجود تھے۔ تمام واقعاتی شہادتیں ہیلن کے خلاف تھیں۔ ڈیوڈ نے جیل میں ہیلن سے پہلی ملاقات میں ہی یہ رائے قائم کر لی تھی کہ وہ بے گناہ ہے۔ مقدمے کی پیروی کے سلسلے میں ہیلن سے اس کی ملاقاتیں ہوتی رہیں اور وہ جذباتی طور پر ہیلن میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی لینے لگا۔ اس نے اپنے

پیشے کا یہ اصول بھی توڑ دیا کہ اپنے موکل سے کبھی محبت جیسا جذباتی لگاؤ پیدا مت کرو۔

کیس بہت اچھا جا رہا تھا۔ ڈیوڈ نے استغاثہ کی طرف سے پیش کی جانے والی شہادتوں کی دھجیاں بکھیر دی تھیں۔ وہ اپنی موکلہ کے حق میں جیوری کی ہمدردیاں جیتنے میں بھی کامیاب ہو گیا تھا۔ لیکن پھر بالکل غیر متوقع طور پر ایک ایسا خطرناک موڑ آیا کہ کیس کا رُخ ہی بدل گیا۔

جائے واردات پر عدم موجودگی کے حوالے سے ہیلن نے بتایا تھا کہ جب قتل ہوا وہ اپنی ایک دوست کے ساتھ سینما میں بیٹھی فلم دیکھ رہی تھی لیکن وکیل استغاثہ نے اس کی دوست کو سچ اُگلنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے حلفیہ طور پر یہ بیان دیا کہ ہیلن اس کے ساتھ سینما نہیں گئی تھی۔ اور پھر بدقسمتی سے ایک اور گواہ سامنے آ گیا جس نے عدالت کو بتایا کہ ہیلن کی سوتیلی ماں کے قتل کے وقت اس نے ہیلن کو اپنی سوتیلی ماں کے فلیٹ پر دیکھا تھا۔ ان شہادتوں کے بعد ہیلن کے بچنے کے امکانات ختم ہو گئے۔ جیوری نے اسے قتل کا مجرم قرار دیا اور جج نے اسے موت کی سزا سنا دی۔

اس کیس میں ڈیوڈ کو بری طرح شکست ہوئی تھی۔

''تم نے یہ سب کچھ کیوں کیا ہیلن؟'' وہ بعد میں ہیلن پر برس پڑا۔ ''تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا تھا؟''

''میں نے اپنی ماں کو قتل نہیں کیا تھا۔'' ہیلن نے جواب دیا۔ ''جب میں اپنی سوتیلی ماں کے فلیٹ پر پہنچی تو وہ فرش پر پڑی تھی۔ اسے پہلے ہی قتل کیا جا چکا تھا۔ میں نے یہ بات تمہیں اس لئے نہیں بتائی تھی کہ تم یقین نہیں کرو گے۔ اس لئے میں نے سینما والی کہانی گھڑ لی تھی۔ میں ..... یہ سچ کہہ رہی ہوں۔ میں نے اپنی ماں کو قتل نہیں کیا تھا .....''

ڈیوڈ خاموش کھڑا اُس کی باتیں سنتا رہا۔ اور پھر کچھ کہے بغیر تیزی سے وہاں سے چلا گیا۔

اسی رات ہیلن نے جیل میں خودکشی کر لی۔

اس واقعے کے ایک ہفتے میں ایک عادی چور پولیس کی گرفت میں آ گیا۔ اس سے کچھ اور وارداتوں کے سلسلے میں پوچھ گچھ کرتے ہوئے اس نے یہ سنسنی خیز انکشاف بھی کیا کہ ہیلن کی سوتیلی ماں اس کے ہاتھوں ماری گئی تھی۔

اس سے اگلے ہی روز ڈیوڈ نے جیسی فرم سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ جیسی اسے سمجھانے کی کوشش کرتا رہا۔ ''اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں تھا۔ ہیلن نے تم سے جھوٹ بولا تھا اور یہ جھوٹ ہی اسے .....''

''یہی اصل بات ہے۔'' ڈیوڈ نے کہا۔ ''میں نے اپنی ذمہ داری احسن طریقے سے نہیں

نبھائی۔ میں نے یہ اطمینان نہیں کیا تھا کہ وہ واقعی سچ بول رہی ہے۔ میں چاہتا تھا کہ وہ مجھ پر اعتماد کرے اور سب کچھ سچ سچ بتا دے۔ لیکن میرے مطمئن ہو جانے سے اسے جھوٹ بولنے کا موقع مل گیا اور اسی جھوٹ کی بناء پر اسے موت کی سزا ہو گئی۔ اس کی موت کا ذمہ دار میں ہوں۔''

اس کے تین ہفتے بعد ڈیوڈ نے مسٹر بیری کی کارپوریٹ لاء کمپنی میں ملازمت اختیار کر لی اور اس کے ساتھ ہی قسم کھائی تھی۔ ''اب میں کبھی ایسا کوئی کیس نہیں لوں گا جس میں کسی کی زندگی داؤ پر لگی ہو۔''

اور اب وہ ڈاکٹر سلطان جمیل کی بیٹی عاشی کے کیس کی پیروی کی تیاری کر رہا تھا۔

☆

اگلی صبح دس بجے ڈیوڈ کمپنی کے چیئرمین بیری کے دفتر میں داخل ہوا تو وہ اپنے سامنے رکھے ہوئے کچھ کاغذات پر دستخط کر رہا تھا۔ اس نے ڈیوڈ کو دیکھ لیا تھا۔

''بیٹھو ڈیوڈ! ایک منٹ میں فارغ ہوتا ہوں تو بات کرتے ہیں۔''

ڈیوڈ میز کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا اور بیری کو کام کرتے ہوئے دیکھتا رہا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد بیری اپنے کام سے فارغ ہوا۔ ڈیوڈ کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

''تمہارے پاس یقیناً کوئی اچھی خبر ہو گی۔'' وہ ایک منٹ کو خاموش ہوا۔ سامنے پڑی ہوئی فائل اٹھا کر ایک طرف رکھی۔ پھر کہنے لگا۔ ''ہمارے ہاں تمہارا مستقبل بہت روشن ہے اور مجھے امید ہے تم کوئی غلط فیصلہ کر کے اسے برباد کرنے کی کوشش نہیں کرو گے۔ کمپنی نے تمہارے لئے بہت اچھی منصوبہ بندی کر رکھی ہے۔''

ڈیوڈ خاموش بیٹھا اس کی بات سن رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنی بات شروع کرنے کے لئے ذہن میں مناسب الفاظ بھی ترتیب دے رہا تھا۔

''میرا خیال ہے تم نے ڈاکٹر سلطان جمیل کو بتا دیا ہو گا کہ وہ اپنی بیٹی کے لئے کسی دوسرے وکیل کا بندوبست کر لے۔'' بیری نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں!'' ڈیوڈ نے نپے تلے الفاظ میں جواب دیا۔ ''میں نے عاشی جمیل کے مقدمے کی پیروی کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔''

بیری کے ہونٹوں کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ ''کیا تم واقعی اس بدبخت عورت کا کیس لے رہے ہو؟'' اس کے لہجے میں غیر یقینی کا عنصر نمایاں تھا۔ ''اس نے ایک نہیں، پانچ قتل کئے ہیں اور جو بھی اس مقدمے کی پیروی کرے گا وہ بھی اس کی طرح تباہ ہو جائے گا۔''

''میں یہ کیس شوقیہ طور پر نہیں لے رہا۔'' ڈیوڈ نے جواب دیا۔ ''میں ایک معاملے میں ڈاکٹر سلطان کا احسان مند ہوں اور اس کا بدلہ چکانے کا صرف یہی ایک راستہ ہے۔''

بیری دیر تک گہری نظروں سے اس کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔ ''اگر تم نے یہ فیصلہ کر ہی لیا ہے تو میرا مشورہ ہے کہ کمپنی سے لمبی چھٹی لے لو۔ بغیر تنخواہ کے۔''

ڈیوڈ کو بیری کے اس مشورے سے زیادہ حیرت نہیں ہوئی تھی۔ اس نے تو آج اس دفتر میں قدم رکھتے ہی ساجھے داری کو خیرباد کہہ دیا تھا۔

''مقدمہ ختم ہونے کے بعد تم یقیناً یہاں واپس آؤ گے۔ اس وقت تمہاری ساجھے داری کے بارے میں بھی فیصلہ کیا جائے گا۔'' بیری نے کہا۔ ''میں کولن سے کہہ دوں گا کہ وہ تمہارے کام کا چارج لے لے کیونکہ میرے خیال میں تمہیں مقدمے پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہو گی۔''

ڈیوڈ کے جانے کے تیس منٹ بعد کمپنی کے چاروں سینئر پارٹنر بیری، ٹرنر، اور رپلے میٹنگ میں مصروف تھے۔ ٹرنر کہہ رہا تھا۔ ''میں سمجھتا ہوں کہ ہماری کمپنی اس قسم کے سنگین معاملے میں ملوث ہونے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔''

''ہماری کمپنی کسی سنگین معاملے میں ملوث نہیں ہو رہی۔'' بیری نے کہا۔ ''ہم تو ڈیوڈ کو بغیر تنخواہ کے چھٹی دے رہے ہیں۔''

''میرا تو خیال ہے اسے برطرف ہی کر دینا چاہئے۔'' روز نے مشورہ دیا۔

''عجلت میں کوئی فیصلہ کرنا مناسب نہیں ہو گا۔'' بیری نے کہا۔ ''ڈاکٹر سلطان جمیل بہت بڑا آدمی ہے۔ اس کے تعلقات بھی بہت وسیع ہیں۔ وہ یقیناً ہمارا احسان مند ہو گا کہ ہم نے اس کی بیٹی کا مقدمہ لڑنے کے لئے اپنے ایک آدمی کو چھٹی دے دی۔ مقدمے کی نوعیت خاصی سنگین ہے۔ اگر ڈیوڈ یہ مقدمہ جیت لیتا ہے تو ڈاکٹر سلطان جمیل کو اپنے موکلوں کی فہرست میں لانے میں ہمیں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ اس کی وجہ سے ہمیں کچھ اور موکل بھی مل سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں ہم ڈیوڈ کو بھی پارٹنر بنا لیں گے۔ لیکن اگر وہ مقدمہ ہار گیا تو ہم اسے ملازمت سے برطرف کر دیں گے اور ظاہر ہے ہم ڈاکٹر سلطان جمیل کو بھی اپنا موکل نہیں بنا سکیں گے۔ لیکن اس سے بھی ہماری پوزیشن میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

''گڈ!'' رپلے نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اچھی سوچ ہے۔''

ادھر ڈیوڈ، ڈاکٹر سلطان جمیل کے دفتر پہنچ چکا تھا۔ اس نے آنے سے پہلے فون کر دیا تھا اور

ڈاکٹر سلطان جمیل اس کا انتظار کر رہے تھے۔

''میں آپ کی بیٹی کے مقدمے کی پیروی کروں گا۔'' ڈیوڈ نے چند رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد کہا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی سوچا تھا کہ اس فیصلے سے اس کی زندگی کے سارے سہانے سپنے بکھر کر رہ گئے تھے۔

''میں جانتا تھا تم یہی فیصلہ کرو گے۔'' ڈاکٹر سلطان مسکرا دیئے۔

''میری کمپنی نے مجھے بغیر تنخواہ کے چھٹی دے دی ہے۔ میں اس کیس کی تیاری کے لئے شہر کے ایک بہترین وکیل.....''

''ڈیوڈ!'' سلطان جمیل نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔ ''میں تم پر پہلے ہی واضح کر چکا ہوں کہ یہ کیس تم اور صرف تم لڑو گے۔ میں اپنی بیٹی کی زندگی تمہارے ہاتھوں میں دے رہا ہوں۔ جو کچھ بھی کرنا ہے تم نے کرنا ہے۔''

''میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں۔ لیکن جیسی.....''

''میں جیسی یا کسی اور کے بارے میں کچھ بھی سننا نہیں چاہتا۔'' ڈاکٹر سلطان جمیل اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ''میں ان تمام وکیلوں کو جانتا ہوں۔ انہیں صرف دولت اور اپنی تشہیر سے دلچسپی ہے۔ وہ اس کیس کے ذریعے شہرت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔''

ڈیوڈ نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر خاموش رہا۔ عجیب آدمی تھے یہ ڈاکٹر سلطان جمیل بھی۔ کوئی بات سننے کو تیار ہی نہیں تھے۔ لیکن ڈیوڈ نے بھی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس کیس میں جیسی جیسے وکیل کی مدد ضرور لے گا۔

''میرا خیال ہے اب مجھے مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔'' ڈاکٹر سلطان نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہاری فیس اور دیگر اخراجات کا خیال رکھوں گا۔ اس سلسلے میں تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' ڈیوڈ نے بھی سر ہلاتے ہوئے سیٹ چھوڑ دی۔

ڈاکٹر سلطان جمیل کے دفتر سے رخصت ہو کر ڈیوڈ روبیکون ریستوران پہنچا تو جیسی پہلے ہی وہاں پر موجود تھا۔

''کیسا رہا؟'' جیسی نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''میری توقع کے عین مطابق مجھے بغیر تنخواہ کے رخصت پر بھیج دیا گیا ہے۔'' ڈیوڈ نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''حرام خور۔'' جیسی بڑبڑایا۔ ''اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟''

"پروگرام! کیا مطلب؟" ڈیوڈ نے اسے گھورا۔

"تم اس صدی کے اہم ترین کیس پر کام کرنے کے لئے جا رہے ہو۔ لیکن تمہارے پاس بیٹھنے کے لئے نہ تو دفتر ہے نہ ریسرچ یا کیس فائلز۔ فوجداری قوانین کی کتابیں اور فیکس مشین بھی تمہارے پاس نہیں۔ تمہارے اور سینڈرا کے پاس موجودہ کمپیوٹر بھی نہایت فرسودہ ہے۔ اس پر انٹرنیٹ پر رابطے کے لئے تمہیں خاصی دشواری پیش آئے گی۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ڈیوڈ نے کہا۔

"کیسے ٹھیک ہو جائے گا؟" جیسی نے اسے گھورا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "میرے سویٹ میں ایک دفتر خالی پڑا ہے جسے تم استعمال کر سکتے ہو۔ تمہیں ضرورت کی ہر چیز وہاں مل جائے گی۔"

"جیسی میں....."

"کچھ نہیں!" جیسی نے اسے ہاتھ اٹھا کر کچھ کہنے سے روک دیا۔ "تم بعد میں مجھے کرایہ وغیرہ ادا کر دینا۔" اس نے میز پر رکھا ہوا مینو اٹھا لیا۔ "اب اور کوئی بات نہیں۔ مجھے بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔"

☆

ڈیوڈ ایک بار پھر سانتا کلارا جیل میں عاشی کے سامنے موجود تھا۔ عاشی کا چہرہ پہلے سے زیادہ زرد ہو رہا تھا۔

"ڈیڈی آج صبح یہاں آئے تھے۔" اس نے ڈیوڈ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "انہوں نے بتایا تھا کہ تم مجھے اس مصیبت سے نجات دلا سکتے ہو۔"

"کاش! ایسا ہو سکتا۔" ڈیوڈ نے سوچا۔ اور پھر بولا۔ "میں ہر ممکن کوشش کروں گا عاشی! لیکن مسئلہ یہ ہے کہ وہ لوگ اس صورت حال سے واقف نہیں ہیں جس میں تم مبتلا ہو۔ مگر ہم انہیں اس سے آگاہ کریں گے۔ دنیا کے بہترین ڈاکٹروں کو یہاں بلائیں گے جو اس بات کی تصدیق کریں گے کہ جو کچھ بھی ہوا ہے تم اس سے واقف نہیں ہو۔"

"مجھے بھی اب ڈر لگنے لگا ہے۔" عاشی نے مدھم لہجے میں کہا۔ "بعض اوقات مجھے یوں لگتا ہے جیسے دو مختلف شخصیات میرے اندر موجود ہوں اور میں انہیں جانتی تک نہیں۔" اس کے ہونٹ کپکپانے لگے۔ "وہ جب چاہیں میرے دماغ کو اپنے کنٹرول میں لے سکتی ہیں جبکہ میں ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ میرے ذہن پر ہر وقت ایک خوف سا سوار رہتا ہے۔"

"خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں عاشی!" ڈیوڈ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "وہ حقیقی

انسان تو نہیں ہیں، تمہارے ذہن کی پیداوار ہیں۔ تمہارا ہی ایک حصہ ہیں اور مناسب علاج سے تمہیں ان سے نجات مل سکتی ہے۔"

ڈیوڈ گھر پہنچا تو شام ہو رہی تھی۔

"اسٹیٹ ایجنٹ کا فون آیا تھا۔" سینڈرا نے اسے بتایا۔ "کہہ رہا تھا کہ کاغذات تیار ہو چکے ہیں۔ صرف دستخط کرنا باقی ہیں اور اس کے ساتھ ہی ساٹھ ہزار ڈالر کی ادائیگی بھی۔ میرا خیال ہے کہ اب ہمیں یہ سودا منسوخ کرنا پڑے گا۔"

"ایک منٹ!" ڈیوڈ جلدی سے بولا۔ "کمپنی میں میری پنشن سکیم کی کچھ رقم جمع ہے۔ ڈاکٹر سلطان جمیل نے بھی اخراجات کی مد میں کچھ رقم دینے کا وعدہ کیا ہے۔ میرا خیال ہے ہم اب بھی....."

"نہیں ڈیوڈ!" سینڈرا نے اس کی بات کاٹ دی۔ "فلیٹ خریدنا ضروری نہیں ہے۔ ہم اس کے بغیر بھی گزارہ کر سکتے ہیں۔"

"تمہارے لئے ایک خوشخبری یہ ہے کہ جیسی نے مجھے اپنا دفتر استعمال....."

"مجھے معلوم ہے۔" سینڈرا نے اس کی بات کاٹ دی۔ "جین نے مجھے بتا دیا تھا۔ ہم اس کا دفتر استعمال کریں گے۔ تم بھول گئے ہو کہ میں بھی قانون دان ہوں۔ میں اس کیس میں تمہاری معاون کے طور پر کام کروں گی اور اس وقت تک کروں گی جب تک....." اس نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔ "جب تک اس کا وقت نہیں آ جاتا۔"

ڈیوڈ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ کتنا انتظار تھا ان دونوں کو اس گھر میں ایک ننھے منے سے مہمان کی آمد کا۔

"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" ڈیوڈ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "تم کھانا لگاؤ۔ میں کپڑے بدل لوں۔" وہ سینڈرا کی طرف دیکھتا ہوا باتھ روم میں گھس گیا۔

☆

ڈیوڈ اگلے روز صبح ہی جیسی والی بلڈنگ میں منتقل ہو گیا۔ پورا فلور جیسی کے تصرف میں تھا جس میں ایک وسیع وعریض کمرہ ڈیوڈ کو دے دیا گیا تھا۔

"یہاں تمہیں ہر چیز ملے گی۔" جیسی نے کہا۔ "فیکس مشین، کمپیوٹر، ٹیلی فون، ان کے علاوہ کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دینا۔ دوسرے کمرے میں لائبریری ہے جہاں تمہیں ضرورت کی ہر کتاب مل سکتی ہے۔"

"میں تمہارا شکریہ کس طرح ادا کروں؟" ڈیوڈ متشکرانہ لہجے میں بولا۔ اور تقریباً اسی وقت

سینڈرا بھی پہنچ گئی۔

"میں کام کے لئے تیار ہو کر آئی ہوں۔" وہ ڈیوڈ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "ہمیں کہاں سے شروع کرنا ہوگا؟"

"سب سے پہلے ہم دوہری شخصیت والے مقدمات کا جائزہ لیں گے۔" ڈیوڈ نے کہا۔ "انٹرنیٹ پر ہمیں ان کیسز پر بہت سا مواد مل جائے گا۔ اس کے بعد ہم ان ڈاکٹروں سے رابطہ کریں گے جنہیں دوہری شخصیت کے مسائل کا ماہر سمجھا جاتا ہے۔ ہم کوشش کریں گے کہ انہیں گواہ کے طور پر عدالت میں پیش کر سکیں۔ ایسے ماہرین کی گواہی سے ہمارے کیس کو تقویت مل سکتی ہے۔ ہمیں ان ڈسٹرکٹ اٹارنیوں کی بھی ایک لسٹ تیار کرنی ہوگی جن کی گواہیاں ہمارے لئے مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔"

"کیا تم عاشی کو بھی گواہوں کے سٹینڈ پر بلانا چاہو گے؟" سینڈرا نے پوچھا۔

"نہیں!" ڈیوڈ نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "وہ بہت خوفزدہ ہے۔ اور پراسیکیوشن کی جرح برداشت نہیں کر سکے گی۔ یہ کیس ہمارے لئے ایک بہت بڑا چیلنج ہوگا۔"

"لیکن....." سینڈرا مسکرا دی۔ "مجھے یقین ہے کہ تم یہ کیس جیت جاؤ گے۔"

سینڈرا کی اس بات پر ڈیوڈ بھی مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس کیس کے علاوہ اس کے سامنے اور بھی بہت سے مسائل تھے۔ سب سے بڑا مسئلہ تو فلیٹ کی قسط کی ادائیگی کا تھا۔ اگر وہ پہلی ادائیگی نہ کر سکا تو معاہدہ منسوخ ہو جائے گا اور اس کے وہ دس ہزار ڈالر بھی ضائع ہو جائیں گے جو وہ بیعانے کے طور پر دے چکا تھا۔ لیکن وہ محنت سے کمائی ہوئی اس رقم سے ہاتھ نہیں دھونا چاہتا تھا۔ اس نے فون پر کمپنی کے اکاؤنٹنٹ کو فون کیا۔

"ہیلو ہاروے!" لائن ملنے پر چند رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد اس نے کہا۔ "میری پنشن سکیم میں ساٹھ ہزار ڈالر کی رقم موجود ہے۔ میں یہ رقم اتنی جلدی تو نہیں لینا چاہتا تھا لیکن ہم نے ایک فلیٹ کا سودا کر لیا ہے اور مجھے اس رقم کی اشد ضرورت ہے۔ یہ رقم مجھے کب تک مل سکتی ہے؟"

"مجھے اپنا نمبر دو۔ میں تھوڑی دیر بعد تمہیں فون کروں گا۔" ہاروے نے کہا۔ ڈیوڈ نے اسے اپنا نمبر بتا کر فون بند کر دیا۔

"ادھر ڈیوڈ سے بات ختم کر کے ہاروے نے مسٹر بیری سے انٹرکام پر رابطہ کیا اور دس منٹ بعد وہ اس کے دفتر میں موجود تھا۔

"کیا مسئلہ ہے مسٹر ہاروے؟" بیری نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ڈیوڈ نے فون کیا تھا۔" ہاروے نے بتایا۔ "وہ فلیٹ خرید رہا ہے اور اسے رقم کی ضرورت ہے۔ اس نے اپنے پنشن فنڈ میں جمع ساٹھ ہزار ڈالر کا مطالبہ کیا ہے۔ اصولی طور پر تو اس وقت ہم اس رقم کی ادائیگی کے پابند نہیں ہیں۔ وہ چھٹی پر ہے اور....."

"اسے شاید معلوم نہیں کہ یہ فلیٹ اسے کتنا مہنگا پڑے گا۔"

"ہاں! اگر معلوم ہوتا تو سودا نہ کرتا۔ بہر حال! میں اسے منع کر دیتا ہوں کہ فی الحال ہم اسے یہ رقم ادا نہیں کر سکتے۔" ہاروے نے کہا۔

"نہیں! اسے رقم دے دو۔" بیری نے کہا۔

"لیکن....." ہاروے عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

ڈیوڈ کو اپنی قبر کھودنے کے لئے ہم اس سے پورا پورا تعاون کریں گے۔" بیری نے آگے جھکتے ہوئے کہا۔ "فلیٹ کی یہ قسط ادا کر دینے کے بعد وہ پھنس جائے گا اور پھر ہمارے دروازے پر سر جھکانے کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ نہیں ہوگا۔"

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ہاروے ٹیلی فون پر ڈیوڈ کو بتا رہا تھا۔ "تمہارے لئے خوشخبری ہے۔ مسٹر بیری نے رقم کی ادائیگی کی منظوری دے دی ہے۔ تم کسی بھی وقت دفتر آ کر اپنی رقم وصول کر سکتے ہو۔"

ہاروے کا فون ملنے کے بعد ڈیوڈ نے اسٹیٹ ایجنٹ کو بھی فون پر بتا دیا کہ کل اسے رقم مل جائے گی۔

☆

عاشی سلطان جمیل کا مقدمہ سانتا کلارا کی اعلیٰ عدالت میں پیش کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ اس تیاری میں تقریباً ایک ہفتہ لگ گیا۔ مقدمہ پیش کرنے کے سلسلے میں اچھی خاصی پیچیدگیاں پیدا ہو گئی تھیں کیونکہ قتل کی وارداتیں دو مختلف ممالک اور دو مختلف ریاستوں میں ہوئی تھیں۔

یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ مقدمہ کہاں چلایا جائے، ان علاقوں کے پولیس نمائندوں پر مشتمل ایک میٹنگ بلائی گئی۔ ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ ان کے علاقے کی عدالت میں مقدمہ پیش ہو۔ لیکن آخر کار یہ فیصلہ کیا گیا کہ چونکہ قتل کی تین وارداتیں سانتا کلارا کی حدود میں ہوئی تھیں اس لئے سٹیفن میہتر، رچرڈ اور ڈپٹی دلیر سنگھ کا مقدمہ پہلے سان جوز کی عدالت میں چلایا جائے۔ بیڈفورڈ اور کیوبک میں بعد میں مقدمے چلائے جائیں گے۔

مقدمے کا چالان اعلیٰ عدالت میں پیش کیا گیا۔ عاشی کی پیروی کے لئے ڈیوڈ اس کے قریب موجود تھا۔ عاشی نے اعتراف جرم سے انکار کر دیا۔

''یور آنر!'' ڈیوڈ نے جج کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں اپنی موکلہ کی ضمانت.....''

''بالکل نہیں یور آنر!'' وکیل استغاثہ اپنی جگہ سے اُچھل پڑا۔ ''میں اعتراض کرتا ہوں یور آنر! ملزمہ پر تین آدمیوں کے قتل کا الزام ہے جس کی سزا موت ہے۔ اگر ضمانت منظور کر لی گئی تو اس کے ملک سے فرار ہو جانے کا اندیشہ ہے۔''

''یہ اعتراض درست نہیں ہے یور آنر!'' ڈیوڈ نے کہا۔ ''ملزمہ کے فرار ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔''

''میں نے ملزمہ کے خلاف کیس فائل کا مطالعہ کیا ہے۔ الزامات سنگین ہیں اس لئے ضمانت کی درخواست مسترد کی جاتی ہے اور یہ کیس جج ولیمز کی عدالت میں منتقل کیا جاتا ہے۔ مقدمے کے اختتام تک ملزمہ سانتا کلارا کی نئی جیل میں رہے گی۔''

''یس یور آنر!'' ڈیوڈ نے سر جھکا دیا اور عاشی کی طرف مڑ گیا۔ ''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ایک بات ذہن میں رکھنا۔ تم بے گناہ ہو۔ تم نے کوئی جرم نہیں کیا۔''

ڈیوڈ جب دفتر واپس پہنچا تو سینڈرا اسے دیکھتے ہی بولی۔ ''ٹی وی کی خبر دیکھی تم نے؟ عاشی کو قصائی، چڑیل اور نجانے کیسے کیسے ناموں سے پکارا جا رہا ہے۔ ٹی وی پر ایک ایک پل کی خبریں آ رہی ہیں۔''

''ابھی تو کھیل شروع ہوا ہے۔'' ڈیوڈ مسکرایا۔ ''آگے آگے دیکھتے ہوتا ہے کیا۔ آؤ اب کچھ کام کر لیں۔''

مقدمے کی اصل کارروائی آٹھ ہفتے بعد شروع ہونے والی تھی اور یہ آٹھ ہفتے ڈیوڈ اور سینڈرا نے جس طرح گزارے وہی جانتے تھے۔ وہ دن رات دفتر میں کام میں مصروف رہتے۔ انھوں نے اس قسم کے ملتے جلتے مقدمات کی فائلیں کھنگال ڈالی تھیں۔
کسی انسان کے اندر متعدد متضاد شخصیات کے موضوع پر درجنوں کیس مل گئے تھے۔ ہر کیس کے ملزم پر قتل، آبرو ریزی، ڈکیتی، منشیات فروشی اور ناجائز اسلحے کے حوالے سے الزامات تھے۔ ان میں سے بعض کو تو سزا ہو گئی اور بعض کو رہا کر دیا گیا تھا۔

''ہمیں عاشی کو بری کروانا ہے۔'' ڈیوڈ نے کہا۔ ''اس کے لئے ہمیں ایڑی چوٹی کا زور لگا دینا ہوگا۔''

سینڈرا نے اس کیس میں امکانی گواہوں کی ایک فہرست تیار کر لی تھی اور ٹیلی فون پر ان سے رابطے کر رہی تھی۔

''ڈاکٹر ناکاموتو.....! میں وکیل مسٹر ڈیوڈ سنگر کی اسسٹنٹ بول رہی ہوں۔ آپ نے ریاست اور ریگن بنام جوہانا کیس میں گواہی دی تھی۔ مسٹر ڈیوڈ، عاشی جمیل کے کیس کی پیروی کر رہے ہیں.....اوہ.....آپ کو معلوم ہے.....ہم چاہتے ہیں کہ آپ سان جوز آ کر عاشی کے حق میں گواہی دیں۔''

''ڈاکٹر یوتھ! میں ڈیوڈ سنگر کے دفتر سے بول رہی ہوں۔ وہ عاشی جمیل کے کیس کی پیروی کر رہے ہیں۔ آپ نے ڈاکٹرسن کیس میں گواہی دی تھی۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ اس کیس میں بھی اپنی ماہرانہ رائے کا اظہار کریں۔ او.....یس.....تو آپ سان جوز آ رہے ہیں.....''

سینڈرا صبح سے شام تک اس کام میں لگی رہی اور آخر کار اس کے پاس درجن بھر ایسے ناموں کی فہرست جمع ہو گئی جو عاشی کے حق میں گواہی دینے کو تیار تھے۔

''دلچسپ!'' ڈیوڈ نے اس فہرست کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ''یہ بڑی معزز اور اہم شخصیات ہیں۔ ڈاکٹر..... یونیورسٹی کا ڈین.....لاء کالج کا سربراہ۔'' اس نے سینڈرا کی طرف دیکھا۔ ''میرا خیال ہے ہمیں آگے چل کر بھی مایوسی نہیں ہوگی۔''
جیسی بھی وقتاً فوقتاً ان کے دفتر میں آ جاتا۔ وہ ہمیشہ ایک ہی بات کہتا۔ ''کیسے جا رہے ہو؟ میری مدد کی ضرورت ہو تو.....اور تمہیں دفتر میں کسی اور چیز کی ضرورت تو نہیں؟''

''ضرورت کی ہر چیز یہاں موجود ہے۔ میرا بہترین دوست بھی۔'' ڈیوڈ مسکرا کر جواب دیتا۔

وہ پیر کی صبح تھی۔ ڈیوڈ کو وکیل استغاثہ کے دفتر سے وہ پیکٹ ملا تو وہ چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے پیکٹ کھول لیا اور خط اور اس سے منسلک لسٹ دیکھنے لگا۔

''پریشان ہو گئے ہو۔ کیا ہے یہ؟'' سینڈرا نے پوچھا۔

''دیکھو!'' ڈیوڈ نے خط اس کی طرف بڑھا دیا۔ ''سرکاری وکیل عاشی کی ذہنی بیماری، تہری شخصیت، ذہنی انتشار کے خلاف اعلیٰ درجے کے طبی ماہرین کو عدالت میں پیش کرنے کا پروگرام بنا رہا ہے۔''

''اوہ!'' سینڈرا بھی چونک گئی۔ ''تم اس کیس کو کس طرح ہینڈل کرو گے؟''

''ہم یہ اعتراف ضرور کریں گے کہ جب قتل ہوئے تو عاشی ان جگہوں پر موجود تھی۔ لیکن قتل دراصل اس نے نہیں، اس کے اندر موجود دوسری شخصیت نے کئے تھے۔'' ڈیوڈ نے جواب دیا اور اس کے ساتھ ہی یہ سوچے بغیر بھی نہیں رہ سکا تھا کہ کیا وہ جیوری کو قائل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا؟

مقدمہ شروع ہونے میں پانچ دن باقی تھے کہ ڈیوڈ کو ٹیلی فون پر خاتون جج ٹریسا ولیمز کا پیغام ملا۔ وہ اس سے اپنے دفتر میں ملنا چاہتی تھی۔ ڈیوڈ فون کا ریسیور رکھ کر جیسی کے دفتر میں آ گیا۔

''کیا تم بتا سکتے ہو کہ جج ٹریسا کس قسم کی عورت ہے؟'' ڈیوڈ نے اس کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

جیسی اپنی کرسی پر پیچھے جھک گیا۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں پھنسا کر سر کے پیچھے رکھ لئے۔

''ٹریسا ولیمز'' وہ بڑبڑایا۔ ''تم نے بوائے سکاؤٹس کا وہ قول ضرور سنا ہوگا۔ ''ہمیشہ ہوشیار رہو'' لہٰذا جب تم ٹریسا کی عدالت میں داخل ہو تو تمہیں بہت زیادہ محتاط اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہوگی۔ وہ بہت ذہین اور چالاک عورت ہے۔ اپنی ذہانت اور محنت کے بل بوتے پر یہاں تک پہنچی ہے۔ اس کے والدین بہت معمولی کاشت کار تھے۔ اس نے اسکالرشپ پر ہائی سکول تک تعلیم حاصل کی اور پھر اس کے قصبے کے لوگوں نے فنڈز جمع کر کے اسے لاء کالج میں داخلہ دلوایا اور وہی لوگ اس کے تمام اخراجات برداشت کرتے رہے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد اسے واشنگٹن میں ایک بڑے عہدے کی پیشکش کی گئی تھی جسے اس نے ٹھکرا دیا۔ وہ عدلیہ کی طرف آ گئی اور اب جس جگہ پر ہے وہاں مطمئن ہے۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ ''کیا یہ کیس سانتا کلارا کاؤنٹی کی عدالت میں چلے گا؟''

''ہاں!'' ڈیوڈ نے مختصر سا جواب دیا۔

''تو پھر یقیناً برتن ہی سرکاری وکیل ہوگا۔'' جیسی مسکرایا۔

''وہ کیسا آدمی ہے؟ ذرا تفصیل سے بتاؤ جیسی!'' ڈیوڈ بولا۔

''وہ آئرش ہے۔ بہت سخت گیر، سرد مزاج اور بے رحم۔'' جیسی نے جواب دیا۔ ''اس کا خاندانی پس منظر بہت شاندار ہے۔ اس کا باپ ایک بہت بڑے اشاعتی ادارے کا مالک ہے۔ ماں ڈاکٹر ہے اور بہن کالج میں پروفیسر۔ برتن کالج کے زمانے میں فٹ بال اسٹار ہوا کرتا تھا۔ لاء کالج میں بھی وہ اپنی کلاس میں ہمیشہ پہلی پوزیشن پر رہا ہے۔'' وہ کہتے ہوئے قدرے آگے جھک گیا۔ ''وہ بہت چالاک آدمی ہے۔ تمہیں اس سے محتاط رہنا ہوگا۔ اس کا طریقہ کار بڑا دلچسپ ہے۔ پہلے وہ کٹہرے میں کھڑے ہوئے گواہ کو سوالوں سے بے بس کر دیتا ہے اور پھر اس طرح حملہ آور ہوتا ہے کہ گواہ کے لئے فرار کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔ وہ انہیں دیوار کے ساتھ لگا دیتا ہے۔ لیکن یہ جج ٹریسا تم سے کیوں ملنا چاہتی ہے؟''

''پیغام میں تو یہ کہا گیا تھا کہ وہ مجھ سے عاشی کے کیس پر کچھ تبادلہ خیال کرنا چاہتی ہے۔''

ڈیوڈ نے جواب دیا۔

''حیرت انگیز!'' جیسی بولا۔ ''بہرحال ملاقات کب ہوگی؟''

''بدھ کی صبح۔'' ڈیوڈ نے جواب دیا۔

''محتاط رہنا۔'' جیسی نے کہا۔

☆

بدھ کی صبح دس بجے ڈیوڈ، جج ثریا کے چیمبر میں داخل ہوا تو وہاں سرکاری وکیل برنن بھی موجود تھا۔ برنن کی عمر پچیس کے لگ بھگ تھی۔ وہ درمیانے قد کا قدرے بھاری بھرکم آدمی تھا۔ جبکہ جج ثریا پینتالیس سال کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ دراز قامت اور سمارٹ۔ سیاہ فام ہونے کے باوجود اس میں بڑی کشش تھی۔

چند رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد ثریا جلد ہی اصل موضوع پر آ گئی۔

''اب تک کے ریکارڈ سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ تم نے ملزمہ کی بے گناہی کی درخواست داخل کی ہے۔''

''یس یور آنر!'' ڈیوڈ نے جواب دیا۔

''میں نے تم دونوں کو اس لئے یہاں بلایا ہے کہ عدالت کا بہت سا وقت اور حکومت کے اخراجات بچائے جا سکیں۔'' جج ثریا نے کہا۔ ''میں کسی قسم کی سودے بازی کے خلاف ہوں لیکن اس کیس میں میرا خیال ہے تھوڑی بہت سودے بازی ممکن ہے۔''

ڈیوڈ خاموش کھڑا اس کی باتیں سن رہا تھا۔ جج ثریا اب سرکاری وکیل برنن کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''میں نے اس کیس کی تمام رپورٹیں پڑھ لی ہیں اور میں نہیں سمجھتی کہ اس مقدمے کو طول دینے کی کوئی ضرورت ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ ریاست سزائے موت کے مطالبے سے دستبردار ہو کر ملزمہ کے اعتراف جرم کی بناء پر عمر قید پر اکتفا کرے تو یہ کیس یہیں پر ختم ہو سکتا ہے۔''

''ایک منٹ!'' ڈیوڈ جلدی سے بول پڑا۔

وہ دونوں اس کی طرف مڑ گئے۔

''میری موکلہ مجرم نہیں ہے۔'' ڈیوڈ نے کہا۔ ''مس عاشی کا جھوٹ پکڑنے والے ٹیسٹ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ.....''

''اس ٹیسٹ سے کوئی بات ثابت نہیں ہوئی اور تم جانتے ہو کہ اسے شہادت کے طور پر عدالت میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔'' جج نے کہا۔

''میں جانتا ہوں لیکن.....''

''مسٹر ڈیوڈ!'' جج نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی۔ ''میں طویل عرصے سے قانون کی پریکٹس کر رہی ہوں۔ میرے پاس بڑے عجیب و غریب مقدمات آتے رہے ہیں۔ ہر مجرم یہی کہتا ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔ کچھ ملزم تو یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ جرم اس نے نہیں، اس کے اندر چھپی ہوئی دوہری شخصیت نے کیا ہے۔ یہ سب ڈرامے اب پرانے ہو چکے ہیں۔ میری بات دھیان سے سنو۔'' وہ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔ ''تمہاری موکلہ نے جرم کیا ہے یا نہیں، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ لیکن اگر وہ جرم کا اعتراف کر لے تو ہم سب بہت سی جھنجھٹوں سے بچ سکتے ہیں۔''

''نہیں یور آنر! میں ایسا نہیں کر سکتا۔'' ڈیوڈ نے جواب دیا۔

جج چند لمحے بڑی گہری نظروں سے اس کے چہرے کا جائزہ لیتی رہی۔ پھر بولی۔ ''تم بہت ضدی ہو۔ بعض لوگ اس ضدی پن کو کسی کی بہت بڑی تعریف گردانتے ہیں لیکن..... میں ایسا نہیں سمجھتی۔''

''یور آنر.....''

''تم ہمیں ایک ایسے مقدمے کی کارروائی شروع کرنے پر مجبور کر رہے ہو جو کم سے کم تین مہینے یا اس سے بھی زیادہ طول کھینچ سکتا ہے۔'' جج نے کہا۔

''مجھے افسوس ہے یور آنر.....''

''مسٹر ڈیوڈ!'' جج نے کہا۔ ''میں تمہیں سوچنے کا ایک موقع اور دے رہی ہوں۔ بعد میں وہ مجرم ثابت ہو گئی تو اسے موت کی سزا دے دی جائے گی۔''

''آپ قبل از وقت اپنا فیصلہ سنا رہی ہیں یور آنر!'' ڈیوڈ نے اعتراض کیا۔

''قبل از وقت!'' جج نے اسے گھورا۔ ''تم نے اس کیس کی فائل دیکھی ہے۔ وہ شہادتیں دیکھی ہیں جو اب تک تمہاری موکلہ کے خلاف جمع ہو چکی ہیں؟'' وہ ایک لمحے کو خاموش ہوئی۔ پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ ''ہر جائے واردات پر عاشی کی انگلیوں کے نشانات ملے ہیں۔ میں نے ایسا سیدھا اور صاف کیس آج تک نہیں دیکھا۔ اگر تم یہ کیس چلانے پر بضد ہو تو یہ اچھا خاصا تماشہ بن جائے گا اور میں اپنی عدالت میں ایسے ڈرامے پسند نہیں کرتی۔ بہتر یہی ہے کہ یہ کیس یہیں اور اسی وقت ختم کر دیا جائے۔ میں تمہیں ایک اور موقع دیتی ہوں۔ اگر تم اپنی موکلہ کو مجرم سمجھتے ہوئے اس کے لئے عمر قید کی درخواست کرو تو وہ موت کی سزا سے بچ سکتی ہے۔''

''نہیں یور آنر!'' ڈیوڈ نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے!'' جج نے جواب دیا۔ ''تم سے اگلے ہفتے کمرہ عدالت میں ملاقات ہوگی۔''

ڈیوڈ کورٹ ہاؤس سے باہر نکلا تو وہ اپنا ایک دشمن بنا چکا تھا۔

☆

سماعت شروع ہونے سے پہلے ہی اس کیس کو اچھی خاصی شہرت مل چکی تھی۔ دنیا بھر کے صحافی سان جوز کا رُخ کر رہے تھے۔ ہوٹلوں میں جگہ نہیں تھی۔ کئی پریس رپورٹروں کو تو شہر سے باہر مختلف جگہوں پر اپنے قیام کا بندوبست کرنا پڑا تھا۔

ڈیوڈ جب بھی اپنے دفتر سے باہر نکلتا، رپورٹر اسے گھیر لیتے۔ وہ اس پر طرح طرح کے سوالات کی بوچھاڑ کر دیتے۔

''مسٹر ڈیوڈ! کیا یہ درست ہے کہ جج ٹریبا نے اس کیس پر تم سے سودے بازی کی کوشش کی تھی.....''

''کیا ڈاکٹر سلطان جمیل اپنی بیٹی کو بچانے کے لئے کمرہ عدالت میں گواہی دے گا.....''

''میرا میگزین آپ کی موکلہ سے انٹرویو کے لئے پچاس ہزار ڈالر دینے کو تیار ہے.....''

رپورٹرز سرکاری وکیل برنن کو بھی موقع ملتے ہی دھر لیتے۔ ''کیا آپ اس کیس کے بارے میں کچھ کہنا چاہیں گے؟''

برنن کیمرے کی طرف رُخ کر کے مسکرا دیتا۔ ''میں صرف چند لمحوں میں پوری تفصیل بتا سکتا ہوں۔ ہم یہ کیس جیت لیں گے۔''

ڈیوڈ نے کورٹ ہاؤس کے قریب ہی ایک دفتر کرائے پر لے لیا تھا تاکہ اسے گواہوں سے انٹرویو کرنے اور عدالت آمد و رفت میں آسانی رہے۔ سینڈرا کو بھی اس نے بہت سے کام سونپ دیئے تھے۔

ڈاکٹر سنتوش شرما بھی سان جوز پہنچ چکا تھا۔

''میں چاہتا ہوں کہ عاشی کو ایک بار پھر ہپنا ٹائز کیا جائے۔'' ڈیوڈ نے ڈاکٹر سنتوش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تاکہ مقدمے کی سماعت شروع ہونے سے پہلے ہم عاشی اور اس کے اندر موجود دوسری شخصیات سے زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کر سکیں۔''

عاشی سے ملاقات کی اجازت حاصل کرنے میں انہیں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ کورٹ ہاؤس سے ملحق جوڈیشنل حوالات میں تھی۔ اس کے چہرے کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ بری طرح نروس ہو رہی ہے۔

''ہیلو عاشی!'' ڈیوڈ نے کہا۔ ''ڈاکٹر سنتوش ایک بار پھر تمہیں ہپنا ٹائز کرنا چاہتے ہیں۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟''

ڈاکٹر سنتوش شرما، عاشی کے قریب آ گیا اور اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ ''اپنے ذہن کو آزاد اور اعضاء ڈھیلے چھوڑ دو مس عاشی..... آنکھیں بند کر لو۔ اپنے آپ کو بالکل پرسکون محسوس کرو۔ ذہن سے تمام خیالات نکال دو۔ جسم کے اعضاء ڈھیلے چھوڑ دو اور صرف میری بات سنو۔ تمہیں نیند آ رہی ہے..... بہت گہری نیند..... تم سونا چاہتی ہو..... پرسکون نیند..... تمہیں نیند آ رہی ہے..... تم سو رہی ہو.....''

دس منٹ بعد عاشی ٹرانس میں آ چکی تھی۔ ڈاکٹر سنتوش نے ڈیوڈ کو اشارہ کیا۔ وہ قریب آ گیا۔

''میں صوفیہ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم میری آواز سن رہی ہو صوفیہ؟''

عاشی کے چہرے پر تبدیلیاں رونما ہونا شروع ہو گئی تھیں اور چند سیکنڈ بعد اس کا چہرہ مکمل طور پر تبدیل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اطالوی لہجے میں آواز سنائی دی۔ ''ہیلو! کیوں پریشان کر رہے ہو؟ میں پہلے ہی بہت مشکل میں پھنسی ہوئی ہوں۔''

''مشکل میں تو ہم سب ہیں۔'' ڈیوڈ نے کہا۔ ''لیکن بہت جلد سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس وقت میں تم سے چند سوال کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم گوپال داس کو جانتی تھیں؟''

''نہیں!''

''اور رچرڈ کو؟''

''ہاں.....'' صوفیہ کے لہجے میں اداسی تھی۔ اس کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا بہت افسوس ناک تھا۔''

''ہاں! یہ واقعی افسوس ناک تھا۔ تم آخری مرتبہ اس سے کب ملی تھیں؟''

''اس سے میری آخری ملاقات سان فرانسسکو کے میوزیم میں ہوئی تھی۔ ہم نے رات کا کھانا اکٹھے ہی کھایا تھا۔ پھر وہ مجھے اپنے فلیٹ پر لے جانا چاہتا تھا۔''

''اور تم اس کے ساتھ گئی تھیں؟''

''نہیں! کاش میں گئی ہوتی۔'' صوفیہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ ''شاید میں اس کی جان بچا لیتی۔''

''اور یہ تمہاری آخری ملاقات تھی؟'' ڈیوڈ نے پوچھا۔

''ہاں!'' صوفیہ نے جواب دیا۔

ڈیوڈ نے ڈاکٹر سنتوش کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر سنتوش آگے آ گیا اور عاشی کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے بولا۔ "پشپا.....! کیا تم میری آواز سن رہی ہو.....؟ میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

عاشی کے چہرے پر ایک بار پھر تبدیلیاں نمودار ہونے لگیں۔ اور پھر ان کے دیکھتے ہی دیکھتے اس کا چہرہ بالکل بدل گیا۔ اب وہ پشپا تھی جو ایک گیت گنگنا رہی تھی۔ پھر وہ ڈیوڈ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "جانتے ہو میں یہ گیت کیوں گاتی ہوں؟"

"نہیں!" ڈیوڈ نے سر ہلا دیا۔

"کیونکہ میری ماں کو اس گیت سے نفرت تھی۔ اسے مجھ سے نفرت تھی۔"

"اسے تم سے نفرت کیوں تھی؟" ڈیوڈ نے پوچھا۔

"اس نے کبھی بتایا نہیں تھا۔ اور اب میں اس سے پوچھ نہیں سکتی۔ تمہاری ماں کیسی تھی ڈیوڈ؟"

"میری ماں بہت اچھی خاتون تھی۔" ڈیوڈ نے جواب دیا۔

"تم خوش قسمت ہو۔ وہ لوگ واقعی خوش قسمت ہوتے ہیں جن کی مائیں اچھی ہوتی ہیں۔ بھگوان بھی ہمارے ساتھ عجب کھیل کھیلتا ہے۔"

"کیا تمہیں اپنے بھگوان پر یقین ہے؟ مذہب پر یقین رکھتی ہو؟"

"پتہ نہیں! لیکن صوفیہ کو مذہب سے لگاؤ ہے۔ وہ باقاعدگی سے چرچ جاتی ہے۔"

"اور تم؟" ڈیوڈ نے پوچھا۔

"وہ جہاں جاتی ہے، میں بھی اس کے ساتھ ہوتی ہوں۔ بس....."

"کیا تمہارے خیال میں لوگوں کو قتل کرنا درست ہے؟"

"اس وقت تک نہیں جب تک اس کی کوئی معقول وجہ نہ ہو۔" پشپا نے جواب دیا۔

ڈیوڈ اور ڈاکٹر سنتوش شرما نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ "کیا مطلب..... اپنے الفاظ کی وضاحت کرو۔"

چند لمحے خاموشی رہی۔ اور جب پشپا بولی تو اس کا لہجہ قدرے بدلا ہوا تھا۔ "جب کوئی تمہیں نقصان پہنچانا چاہے، تمہارے ساتھ زیادتی کرنا چاہے تو تمہیں اپنے دفاع کا پورا حق حاصل ہے....." اس کے لہجے میں تلخی آ گئی۔ "اگر کوئی بدمعاش کسی کی عزت پر ہاتھ....."

"پشپا....." ڈیوڈ بولا۔

"مجھے اکیلے چھوڑ دو پلیز!" پشپا سسکیاں بھرنے لگی۔ "مجھے اکیلے چھوڑ دو....."

"پشپا..... پشپا....." ڈیوڈ نے دو تین مرتبہ پکارا۔ لیکن جواب میں خاموشی رہی۔

"وہ جا چکی ہے۔" ڈاکٹر سنتوش نے کہا۔ "بہتر ہے اب عاشی کو جگا دیا جائے۔"

ڈیوڈ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ چند منٹ بعد عاشی آنکھیں کھول رہی تھی۔

"ہم نے پشپا اور صوفیہ سے بات کی تھی۔ وہ دونوں....."

"میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جاننا چاہتی۔" عاشی نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ٹھیک ہے۔ اب تم جاؤ۔ آرام کرو۔ دوپہر کے بعد پھر ملیں گے۔" ڈیوڈ نے کہا۔ کچھ ہی دیر بعد ایک لیڈی عاشی کو لے گئی۔

"تمہیں عاشی کو عدالت میں گواہوں کے کٹہرے میں بلانا پڑے گا ڈیوڈ!" ڈاکٹر سنتوش شرما نے کہا۔ "اس کی صورت حال دیکھ کر کوئی بھی رکن جیوری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔"

"میں نے بھی کئی مرتبہ سوچا ہے۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ....."

"کیوں نہیں؟ کیا تمہیں اپنے آپ پر اعتماد نہیں؟" ڈاکٹر نے اسے گھورا۔

"سرکاری وکیل برٹن بہت خطرناک آدمی ہے۔ وہ دھجیاں بکھیر کر رکھ دے گا۔ نہیں ڈاکٹر! میں یہ رسک نہیں لے سکتا۔"

☆

مقدمے کی ابتدائی کارروائی شروع ہونے سے پہلے ڈیوڈ اور سینڈرا، جیسی اور اس کی بیوی کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ ڈیوڈ کہہ رہا تھا۔ "میں نے بڑی مشکل سے وندھم ہوٹل میں اپنے اور سینڈرا کے لئے ایک کمرہ حاصل کر لیا ہے۔ شہر کی عجیب صورت حال ہو رہی ہے۔ پتہ نہیں لوگ کہاں کہاں سے چلے آ رہے ہیں۔ کسی ہوٹل میں تل دھرنے کو جگہ نہیں رہی۔ جب مقدمہ شروع ہوگا تو کیا حال ہوگا؟"

"میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں؟" جیسی نے ڈیوڈ کی طرف دیکھا۔

"مجھے ایک اہم قدم اٹھانا پڑے گا۔" ڈیوڈ نے کہا۔ "عاشی کو گواہوں کے کٹہرے میں بلایا جائے یا نہیں؟"

"یہ فیصلہ کرنا واقعی بڑا مشکل ہے۔" جیسی بولا۔ "تمہیں اس وقت دو دھاری تلوار کا سامنا ہے۔ حق میں فیصلہ کرتے ہو تو مشکل۔ اگر اس کے خلاف فیصلہ کرتے ہو تب بھی مشکل۔ لیکن سب سے سنگین بات یہ ہے کہ برٹن، عاشی کو جیوری کے سامنے ایک جنونی عورت کے طور پر پیش کرنا چاہتا ہے۔ اگر تم عاشی کو گواہوں کے کٹہرے میں نہیں بلاتے تو جیوری کے ممبران برٹن کا

پیش کیا ہوا تاثر قبول کرلیں گے اور جب وہ فیصلے کے بارے میں صلاح و مشورہ کرنے کے لئے جیوری روم میں جمع ہوں گے تو ان کے ذہنوں پر یہی تاثر ہوگا۔ اور دوسری طرف، جیسا کہ تمہارا خیال ہے، اسے کٹہرے میں بلاتے ہو تو برٹن اس کی دھجیاں بکھیر دے گا۔''

''وہ ان طبی ماہرین کو بھی عدالت میں بلا رہا ہے جو دوہری شخصیت کی بیماری کو بھی غلط ثابت کرنے کی کوشش کریں گے۔'' ڈیوڈ نے کہا۔

''اور تمہیں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یہ محض خیال نہیں ہے۔ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے۔''

''ہاں! مجھے یہی ثابت کرنا ہے۔ لیکن۔'' ڈیوڈ چند لمحوں کو خاموش ہوا۔ پھر بولا۔ ''رائے عامہ کو بھی عاشی کے خلاف پوری طرح بھڑکا دیا گیا ہے۔ ریڈیو، اخبارات اور ٹی وی پر بھی میرا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ گزشتہ رات کے شو میں بتایا گیا تھا کہ میں مقدمے کی جگہ تبدیل کروانے کے لئے درخواست دینے والا ہوں لیکن مجھے ایسی کوئی جگہ نظر نہیں آئی جہاں عاشی نے کسی کا خون نہ بہایا ہو۔''

''اوہ!'' جیسی کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ ''پھر تو واقعی تمہیں سنگین ترین صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

سماعت شروع ہونے سے ایک رات پہلے ڈیوڈ ایک لمحے کو بھی نہیں سو سکا تھا۔ منفی خیالات اس کے دماغ کا گھیراؤ کئے ہوئے تھے اور وہ کوشش کے باوجود ان سے نجات حاصل نہیں کرسکا تھا۔ اور آخر کار جب اس پر غنودگی طاری ہو رہی تھی تو دماغ میں ایک آواز گونجتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ''تم نے اپنی آخری موکلہ کو مر جانے دیا تھا۔ اگر یہ موکلہ بھی مر گئی تو کیا فرق پڑے گا؟''

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کا جسم پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ اسی لمحے سینڈرا کی آنکھ بھی کھل گئی۔

''کیا ہوا؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' سینڈرا کے لہجے میں تشویش تھی۔

''نہیں..... نہیں.....'' ڈیوڈ بڑبڑایا۔ ''مجھے ڈاکٹر سلطان جمیل کو شروع ہی میں انکار کر دینا چاہئے تھا۔''

''پریشان مت ہو۔'' سینڈرا اس کا بازو دباتے ہوئے بولی۔ ''اب سو جاؤ۔ صبح جب اٹھو تو ذہن بالکل فریش ہو۔''

ڈیوڈ دوبارہ لیٹ گیا۔ لیکن رات کا باقی حصہ اس نے جاگ کر ہی گزارا تھا۔



یہ خیال درست ثابت ہوا تھا کہ پریس والے عدالت پہ ہلہ بول دیں گے۔ دنیا بھر کے

اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی کے رپورٹر وہاں موجود تھے جو اپنے اپنے اداروں کو پانچ آدمیوں کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارنے والی خوبصورت لڑکی کے بارے میں تازہ ترین اطلاعات بھیجنا چاہتے تھے۔ اس کیس میں پریس کو زیادہ دلچسپی اس لئے بھی تھی کہ ملزمہ نہ صرف مسلمان لڑکی تھی بلکہ ایک ایسے شخص کی بیٹی تھی جو منی ہارٹ سرجری کا بانی تھا اور میڈیکل سائنس کے شعبے میں یہ عظیم ترین اعزاز بھی مسلمان ڈاکٹر ہی لے گیا تھا ورنہ ماضی میں تو اس سے بھی زیادہ سنگین واقعات رونما ہو چکے تھے۔ پریس نے کبھی اتنی زیادہ دلچسپی نہیں لی تھی۔

سرکاری وکیل برٹن اس بات سے بھی خوش تھا کہ پریس نے گوپال داس اور جم کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔ ان وارداتوں کے بارے میں بھی عوام کو تفصیل سے سب کچھ بتایا گیا تھا۔ مقصد صرف ایک ہی تھا۔ ملزمہ کے خلاف عوام کے جذبے کو زیادہ سے زیادہ بھڑکایا جائے۔

ڈیوڈ جب عدالت پہنچا تو پریس رپورٹروں نے اسے گھیر لیا۔

''کیا یہ درست ہے کہ یہ کیس لڑنے کی وجہ سے تمہیں جیری لاء ایسوسی ایٹس سے برطرف کر دیا گیا ہے؟''

''کیا مس عاشی نے بتایا ہے کہ ان لوگوں کو قتل کیوں کیا.....؟''

''کیا تم اپنی موکلہ کو گواہوں کے کٹہرے میں بلاؤ گے؟''

''میں اس وقت آپ لوگوں کے کسی سوال کا جواب نہیں دینا چاہتا۔'' ڈیوڈ نے راستہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

دوسری طرف برٹن عدالت پہنچا تو اسے بھی رپورٹروں نے گھیر لیا۔ ''کیا تم نے پہلے بھی دوہری شخصیت والا کوئی کیس لڑا ہے؟''

''نہیں! میں ایک وقت میں صرف ایک ملزم پر جرح کر سکتا ہوں۔'' برٹن نے جواب دیا۔ ''کسی کے اندر ایک سے زیادہ شخصیات والی بات میں نہیں مانتا۔ یہ سب قانون کو گمراہ کرنے کے ڈرامے ہیں۔'' وہ راستہ بناتا ہوا عدالت میں داخل ہو گیا۔

اس روز صرف جیوری کے ممبران کا انتخاب ہونا تھا اور یہ ایک کٹھن مرحلہ تھا جو آخر کار کئی گھنٹوں کے بعد طے ہوا۔ جیوری میں سات آدمیوں اور پانچ عورتوں کو منتخب کیا گیا تھا اور سرکاری وکیل برٹن دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ اس سے اگلے روز عدالت کی کارروائی شروع ہو گئی۔ ڈیوڈ اس سے پہلے جوڈیشل حوالات پہنچ گیا۔ عاشی کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا اور لگتا تھا جیسے ابھی چیخنا شروع کر دے گی۔

''نہیں! میں یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکتی۔ انہیں کہو مجھے چھوڑ دیں۔ خدا کے لئے مجھے

بالکل اکیلا چھوڑ دیں۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا عاشی!" ڈیوڈ نے اسے تسلی دی۔ "ہمیں ان کا سامنا کرنا ہے اور یہ کیس جیتنا ہے۔"

"تم..... تم نہیں جانتے میری کیا حالت ہو رہی ہے۔ لگتا ہے جیسے میں جیتے جی جہنم میں دھکیل دی گئی ہوں۔"

"ہم تمہیں اس جہنم سے نکالنا چاہتے ہیں اور یہ پہلا قدم ہے۔" ڈیوڈ نے کہا۔

عاشی پر کپکپاہٹ سی طاری تھی۔ "مم..... مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ پتہ نہیں وہ میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔"

"میں انہیں تمہارے ساتھ کچھ بھی نہیں کرنے دوں گا۔" ڈیوڈ نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ تم مجھ پر مکمل اعتماد اور بھروسہ کرو۔ اور ایک بات یاد رکھو! جو کچھ بھی ہوا، تم اس کی ذمے دار نہیں ہو۔ تم نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔ تم بے قصور اور بے گناہ ہو۔ اب چلو! عدالت میں ہمارا انتظار ہو رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے!" عاشی کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

عدالت میں ڈاکٹر سلطان جمیل بھی موجود تھے۔ اندر داخل ہونے سے پہلے انہیں بھی پریس رپورٹروں نے گھیر لیا تھا اور انہوں نے ہر سوال کا صرف ایک ہی جواب دیا تھا۔ "میری بیٹی بے گناہ ہے۔"

کمرہ عدالت میں پانچویں یا چھٹی قطار میں جین اور جیسی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی موجودگی کا مقصد ڈیوڈ کا حوصلہ بڑھانا تھا۔

سرکاری وکیل کی میز پر برٹن کے ساتھ اس کے دو ماتحت سوزن اور جارج بھی بیٹھے ہوئے تھے جبکہ ان سے کچھ فاصلے پر دوسری میز پر سینڈرا اور عاشی کے ساتھ ڈیوڈ بیٹھا ہوا تھا۔ سینڈرا ایک ہفتے پہلے بھی عاشی سے جیل میں مل چکی تھی۔

"ڈیوڈ!" سینڈرا نے سرگوشی کی۔ "عاشی کے چہرے کو دیکھ کر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ اس نے کوئی جرم کیا ہے۔ وہ بے گناہ ہے۔"

"سینڈرا!" ڈیوڈ نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔ "پانچوں جائے وارداتوں پر اس کی موجودگی ثابت ہو چکی ہے اور اس نے قتل بھی کیے ہیں۔ لیکن کسی کو قتل کرنا اور مجرم ہونا دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اور اس نقطے پر مجھے جیوری کو قائل کرنا ہے۔"

جج ثریا کمرہ عدالت میں داخل ہوئی تو سب لوگ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ جج نے اپنی سیٹ

پر بیٹھنے کے بعد دوسروں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور سامنے رکھی ہوئی فائل پر نظر ڈالتے ہوئے بولی۔ "ریاست کیلی فورنیا بنام عاشی جمیل۔" اس نے گردن اٹھا کر سرکاری وکیل کی طرف دیکھا۔ "کیا آپ اس کیس کے سلسلے میں کچھ کہنا پسند کریں گے؟"

"یس یور آنر!" برٹن اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور جیوری کے ممبران کی طرف رخ کر کے بولا۔ "جیسا کہ آپ حضرات جانتے ہیں کہ اس زیر سماعت مقدمے کی ملزمہ پر تین آدمیوں کے قتل کا الزام ہے۔ قتل کے بعد ہر قاتل اپنے آپ کو بے گناہ اور معصوم سمجھتے ہوئے اس الزام سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور یہی حربہ حسین ملزمہ بھی استعمال کر رہی ہے۔ لیکن استغاثہ ثابت کر دے گا کہ ملزمہ نے قتل کی ہر واردات سب کچھ جانتے ہوئے اور ہوش و حواس میں رہتے ہوئے کی تھی۔ ملزمہ نے قتل کی ہر واردات میں ایک فرضی نام استعمال کیا تاکہ پکڑی نہ جا سکے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ سب کچھ جانتی تھی کہ وہ کیا کرنا چاہتی ہے اور کیا کرنے جا رہی ہے۔ جیسے جیسے اس مقدمے کی کارروائی آگے بڑھتی رہے گی، میں وہ حقائق آپ کے سامنے لاتا رہوں گا جو آخرکار یہ ثابت کر دیں گے کہ یہ ملزمہ ہی قتل کی ان بہیمانہ وارداتوں کی ذمہ دار ہے۔ شکریہ!" برٹن مڑ کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"وکیل صفائی کچھ کہنا چاہتے ہیں؟" جج نے ڈیوڈ کی طرف دیکھا۔

"یس یور آنر!" ڈیو اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور جیوری کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "جیسے جیسے اس کیس کی کارروائی آگے بڑھتی رہے گی، میں یہ ثابت کرتا رہوں گا کہ میری موکلہ عاشی جمیل قتل کی ان وارداتوں کی ذمہ دار نہیں ہے۔ نہ وہ مقتولین میں سے کسی کو جانتی تھی اور نہ ہی اس کے پاس کسی کو قتل کرنے کا کوئی مقصد تھا۔ میری موکلہ کو قربانی کا بکرا بنایا گیا ہے۔ وہ ایم پی ڈی، یعنی دوہری شخصیت کی بیماری کا شکار ہے۔ اس کے بارے میں کیس کی کارروائی کے دوران میں وضاحت کر دی جائے گی۔" اس نے جج کی طرف دیکھا اور بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "ایم پی ڈی ایک تسلیم شدہ میڈیکل فیکٹ ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ کسی انسان کے اندر دوسری ایسی شخصیات ہو سکتی ہیں جو اس انسان کے دماغ کو قابو میں کر لیتی ہیں۔ ایم پی ڈی کی تاریخ بہت طویل ہے۔ معروف فزیشن بنجامن رش نے بھی اپنے لیکچرز میں ایسے کیسز پر طویل بحث کی ہے۔ انیسویں صدی میں اور موجودہ صدی میں بھی ایسے لاتعداد کیسز سامنے آئے ہیں جو ایم پی ڈی کی حقیقت کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔"

سرکاری وکیل برٹن خاموش بیٹھا سن رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ تھی۔ ڈیوڈ بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "ہم یہ ثابت کر دیں گے کہ یہ دوہری شخصیت تھی جس نے

میری موکلہ عاشی جمیل کے دماغ پر مکمل طور پر قبضہ کر رکھا تھا اور اس دوران میں اس نے ایسے لوگوں کو قتل کیا جن کے بارے میں میری موکلہ کچھ جانتی تک نہیں تھی۔ میری موکلہ اس وقت چونکہ مکمل طور پر اس دوسری شخصیت کے کنٹرول میں تھی اور اسے کچھ علم نہیں تھا کہ کیا ہو رہا ہے اس لئے اسے ان واقعات کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ مقدمے کی کارروائی کے دوران میں، میں چند ایسے نامور اور معزز ڈاکٹروں کو آپ کے سامنے پیش کروں گا جو ایم پی ڈی کی حقیقت کو ثابت کریں گے اور خوش قسمتی سے یہ مرض لاعلاج نہیں ہے۔" اس نے خاموش ہو کر جیوری کے ممبران کی طرف دیکھا اور بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "جو کچھ بھی ہوا، میری موکلہ اس سے بالکل بے خبر تھی اور اس سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس لئے میں انصاف کے نام پر درخواست کروں گا کہ میری موکلہ عاشی جمیل کو ان جرائم کا ملزم نہ ٹھہرایا جائے جن کی وہ ذمے دار نہیں ہے۔" ڈیوڈ اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"وکیل سرکار جواب میں کچھ کہنا چاہیں گے؟" جج نے برنن کی طرف دیکھا۔

"یس یور آنر!" برنن اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ اس نے جیوری باکس کے سامنے کھڑے ہو کر ایک زوردار ڈکار لی۔ جیوری کے ممبران الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔ برنن چند لمحے خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ "اوہ! شاید آپ لوگ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ میں معذرت کروں گا لیکن میں نے معذرت نہیں کی کیونکہ یہ حرکت میں نے نہیں کی تھی، میرے اندر کی دوہری شخصیت نے کی تھی۔"

ڈیوڈ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "آبجیکشن یور آنر! فاضل وکیل جارحانہ انداز......"

"اعتراض تسلیم کیا جاتا ہے۔" جج نے کہا۔

برنن کی اس حرکت سے جو نقصان ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ برنن دو قدم آگے بڑھ کر جیوری باکس کے بالکل سامنے آ گیا اور بڑے اعتماد سے بولا۔ "میں نے شروع میں آپ حضرات سے وعدہ کیا تھا کہ یہ ثابت کر دوں گا کہ ملزمہ نے ارادتاً اور بقائمی ہوش و حواس بڑی بے دردی سے تین آدمیوں کو قتل کیا ہے۔ مسٹر تنیش مہتہ، رچرڈ ملٹن اور ڈپٹی شیرف دلیر سنگھ۔ تین آدمی جنہیں نہ صرف موت کے گھاٹ اتار دیا گیا بلکہ ان کے اعضائے مخصوصہ بھی کاٹ دیئے گئے۔ اس سے قطع نظر کہ وکیل صفائی کیا کہتے ہیں۔" اس نے مڑ کر عاشی کی طرف دیکھا۔ "صرف اور صرف ایک ملزمہ ہمارے سامنے بیٹھی ہے اور یہ تینوں قتل اس نے کئے ہیں۔ مسٹر ڈیوڈ دوہری شخصیات کی کوئی دلچسپ کہانی سنانا چاہتے ہیں۔ میں ابھی آپ کے سامنے چند ایسے نامور ڈاکٹروں کو پیش کروں گا کہ ایسی کسی چیز کا کوئی وجود نہیں ہے۔ لیکن اس سے پہلے میں کچھ ایسے ماہرین کو

پیش کرنا چاہتا ہوں جو ان جرائم سے ملزمہ کا تعلق ثابت کر دیں گے۔" اس نے جج سے اپنے پہلے گواہ، ایف بی آئی کے سپیشل ایجنٹ اور فنگر پرنٹس کے انچارج جورڈن کو بلانے کی اجازت طلب کی۔

"آپ کب سے یہ کام کر رہے ہیں مسٹر جورڈن؟" برنن نے گواہ سے پوچھا۔

"پندرہ سال سے۔" جورڈن نے جواب دیا۔

"پندرہ سال..... بہت طویل عرصہ ہوتا ہے۔" برنن بولا۔ "کیا اس عرصے کے دوران میں کوئی ایسا اتفاق ہوا ہے کہ دو مختلف آدمیوں کی انگلیوں کے نشانات بالکل ایک جیسے ملے ہوں؟"

"نہیں! ایسا اتفاق آج تک نہیں ہوا۔" جورڈن نے جواب دیا۔ "ہمارے ریکارڈ میں اس وقت دو کروڑ سے زیادہ انگلیوں کے نشانات کے سیٹ موجود ہیں اور ہر روز تقریباً چونتیس ہزار فنگر پرنٹس کارڈز موصول ہوتے ہیں۔ ابھی تک تو ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ دو مختلف آدمیوں کے فنگر پرنٹس بالکل ایک جیسے ہوں۔"

"مسٹر جورڈن!" برنن بولا۔ "کیا تمہیں قتل کی ان تین وارداتوں سے ملزمہ والے انگلیوں کے وہ نشان بھی بھیجے گئے تھے جن کی بناء پر مس عاشی کو قتل کا ملزم قرار دیا جا رہا ہے اور کیا تمہیں ملزمہ کے فنگر پرنٹس بھی بھیجے گئے تھے؟"

"یس سر!" جورڈن نے جواب دیا۔ "میں نے ذاتی طور پر ان کا موازنہ کیا تھا۔"

"اور کس نتیجے پر پہنچے؟" برنن نے سوال کیا۔

"قتل کی وارداتوں کے مقامات سے بھیجے جانے والے اور مس عاشی کی انگلیوں کے بھیجے جانے والے نشانات بالکل ایک جیسے ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں۔"

"تمہارے ذہن میں کوئی شبہ یا اس میں غلطی کی کوئی گنجائش ہو سکتی ہے؟"

"بالکل نہیں! تمام نشانات بالکل صاف ہیں اور آسانی سے شناخت کئے جا سکتے ہیں۔" جورڈن نے جواب دیا۔

"میں ایک بار پھر وضاحت کے لئے دوہرا رہا ہوں۔" برنن نے کہا۔ "ہم ان فنگر پرنٹس کی بات کر رہے ہیں جو مسٹر تنیش مہتہ، رچرڈ ملٹن اور ڈپٹی شیرف دلیر سنگھ کے قتل کئے جانے کی جگہوں سے ملے تھے۔"

"یس سر!"

"اور ملزمہ عاشی جمیل کے فنگر پرنٹس۔ کیا تمام جائے وارداتوں سے ملنے والے نشانات

ایک جیسے تھے؟''

''بالکل جناب! اور اس میں غلطی کا کوئی امکان نہیں ہے۔'' جورڈن نے جواب دیا۔

برنن نے جورڈن پر اپنی جرح ختم کر دی۔ اب ڈیوڈ کی باری تھی۔

''مسٹر جورڈن!'' ڈیوڈ نے پہلا سوال کیا۔ ''پندرہ سال کی سروس کے دوران میں کیا آپ نے کبھی یہ بات محسوس کی ہے کہ کسی نے جان بوجھ کر اپنی انگلیوں کے نشان خراب کرنے کی کوشش کی ہو یا کسی اور وجہ سے ایسا ہوا ہو۔''

''ہاں! کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ لیکن ہم جدید ترین لیزر ٹیکنیک سے اس کی درستگی کر لیتے ہیں۔'' جورڈن نے جواب دیا۔

''کیا مس عاشی کے کیس میں بھی اس کی ضرورت پیش آئی تھی؟''

''نہیں جناب! یہ فنگر پرنٹس تو بہت صاف تھے۔''

ڈیوڈ مڑ کر جیوری کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر جورڈن کی طرف گھوم گیا۔ ''تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ملزمہ نے اپنی انگلیوں کے نشانات مٹانے یا انہیں بگاڑنے کی کوشش نہیں کی تھی؟''

''ہاں! یہ درست ہے۔''

''شکریہ! اب مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا۔'' ڈیوڈ کہتے ہوئے ایک بار پھر جیوری کی طرف گھوم گیا۔ ''مس عاشی جمیل نے اپنے فنگر پرنٹس چھپانے یا بگاڑنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی کیونکہ وہ بے گناہ تھی اور.....''

''بس! اتنا ہی کافی ہے مسٹر ڈیوڈ!'' جج نے اسے مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔ ''بعد میں تمہیں اپنی موکلہ کی صفائی پیش کرنے کا پورا پورا موقع دیا جائے گا۔'' ڈیوڈ گہرا سانس لیتا ہوا اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

اگلا گواہ شیرف آفس کا سراغ رساں لائٹ مین تھا۔

''سراغ رساں لائٹ مین!'' برنن اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے بولا۔ ''تمہیں عمارت کے نگران نے مسٹر ستیش مہتہ کے فلیٹ پر بلایا تھا؟''

''یس سر!'' لائٹ مین نے جواب دیا۔

''تم نے وہاں جا کر کیا دیکھا تھا؟''

''بہت خوفناک منظر تھا۔ ہر طرف خون ہی خون نظر آ رہا تھا۔''

''مقتول کس حالت میں تھا؟''

''اس کے جسم پر زخموں کے بے شمار نشانات تھے اور.....اور اس کا عضو خاص کٹا ہوا تھا۔''

سراغ رساں لائٹ مین نے جواب دیا۔

برنن نے گھوم کر جیوری کی طرف دیکھا۔ اس نے چہرے پر ایسے تاثرات پیدا کر لئے جیسے یہ بات سن کر سہم گیا ہو۔ ''تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اسے کسی تیز دھار آلے سے پے در پے وار کر کے قتل کیا گیا تھا۔ کیا تمہیں جائے واردات سے کسی قسم کی کوئی شہادت ملی تھی؟''

''انگلیوں کے نشانات ملے تھے۔'' لائٹ مین نے جواب دیا۔

''تم نے فوری طور پر کسی کو گرفتار کیوں نہیں کیا تھا؟'' برنن نے پوچھا۔

''جائے واردات سے ملنے والے فنگر پرنٹس ہمارے پاس موجود ریکارڈ میں نہیں تھے۔'' گواہ نے جواب دیا۔ ''ہم نے وہ نشانات تصدیق کے لئے ایف بی آئی کو بھیج دیے تھے۔''

''اور جب تمہیں ایف بی آئی سے مس عاشی جمیل کے فنگر پرنٹس ملے تو تم نے کیا نتیجہ اخذ کیا تھا؟'' برنن نے پوچھا۔

''جائے واردات سے ملنے والے فنگر پرنٹس کی تصدیق ہو گئی تھی۔'' گواہ نے جواب دیا۔

''وہ نشانات مس عاشی جمیل کی انگلیوں کے تھے۔''

☆

ڈاکٹر سلطان جمیل باقاعدگی سے عدالت میں آ رہے تھے۔ وہ ڈیوڈ کی میز کے پیچھے کچھ فاصلے پر ایک کرسی پر بیٹھے خاموشی سے ساری کارروائی دیکھتے اور سنتے رہتے۔ عدالت میں آتے اور واپس جاتے ہوئے پریس رپورٹرز انہیں گھیر لیتے۔

''ڈاکٹر سلطان! آپ کے خیال میں یہ کیس کیسا جا رہا ہے؟''

''بہت امید افزا۔''

''آپ کے خیال میں اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟''

''میری بیٹی کو بے گناہ قرار دے کر بری کر دیا جائے گا۔''

☆

ایک روز دوپہر کے بعد جب سینڈرا اور ڈیوڈ اپنے ہوٹل واپس پہنچے تو ایک پیغام ان کا منتظر تھا۔ ''اپنے بینک میں مسٹر کونگ سے رابطہ کرلیں۔''

ان دونوں نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ''کیا دوسری قسط کی ادائیگی کی تاریخ آگئی ہے؟''

''بعض اوقات وقت پر لگا کر اُڑ جاتا ہے اور ہمیں پتہ نہیں چلتا۔'' ڈیوڈ نے جواب دیا۔

''لیکن تم پریشان مت ہو۔ یہ کیس بھی جلد ہی ختم ہوجائے گا۔ اور ویسے بھی اس وقت بینک میں اتنی رقم تو موجود ہے کہ ہم اس مہینے کی قسط ادا کرسکیں۔''

''اگر ہم تمام قسطیں ادا نہ کرسکے تو کیا اب تک ادا کی جانے والی ساری رقم ضائع ہوجائے گی؟'' سینڈرا کے لہجے میں تشویش تھی۔

''پریشان مت ہو! سب ٹھیک ہوجائے گا۔'' ڈیوڈ نے اسے تسلی دی۔

☆

ڈی ینگ میوزیم کا محافظ بریان گواہوں کے کٹہرے میں کھڑا تھا اور وکیل استغاثہ برنن جرح کررہا تھا۔

''میوزیم میں بہت سے لوگ آتے ہوں گے اور بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے جو بار بار آتے ہوں گے۔ ان میں سے کچھ کو تم پہچانتے بھی ہوگے۔''

''ہاں! یہ درست ہے۔'' بریان نے جواب دیا۔ ''ایسے بعض لوگوں سے علیک سلیک بھی ہوجاتی ہے۔''

''تم رچرڈ نامی کسی آرٹسٹ سے ملے تھے؟'' برنن نے سوال کیا۔

''ہاں! وہ بڑا باصلاحیت آرٹسٹ تھا۔''

''اتنا باصلاحیت کہ تم نے اس کی شاگردی اختیار کرلی؟'' برنن بولا۔

''ہاں! یہ درست ہے۔'' بریان نے جواب دیا۔

ڈیوڈ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور بولا۔ ''یور آنر! میں نہیں سمجھتا کہ وکیل استغاثہ کے

ان سوالات کا مقدمے سے کوئی تعلق ہوسکتا ہے.....''

''یہ بہت ضروری ہے یور آنر!'' برنن جلدی سے بولا۔ ''میں اس امر کی تصدیق کرلینا چاہتا ہوں کہ مسٹر بریان مقتول کو نام اور چہرے سے اچھی طرح شناخت کرلے اور پھر یہ بتائے کہ اسے کس کے ساتھ دیکھا گیا تھا۔''

''اعتراض مسترد کیا جاتا ہے۔ جرح جاری رکھی جائے۔'' جج نے کہا۔

''کیا تم نے میوزیم میں رچرڈ کو کبھی کسی جوان اور خوبصورت لڑکی کے ساتھ دیکھا تھا؟'' برنن نے گواہ سے سوال کیا۔

''شروع میں تو نہیں، لیکن بعد میں وہ ایک لڑکی میں دلچسپی لینے لگا تھا اور میں اکثر ان دونوں کو اکٹھے دیکھا کرتا تھا۔'' بریان نے جواب دیا۔

''کیا تمہیں اس کا نام یاد ہے؟''

''جی ہاں! صوفیہ۔ اس لڑکی کا نام صوفیہ تھا۔''

برنن کے چہرے پر حیرت کے تاثرات ابھر آئے۔ ''صوفیہ!'' وہ بولا۔ ''کیا تمہیں ٹھیک سے یاد ہے؟ نام بھول تو نہیں رہے؟''

''مجھے اچھی طرح یاد ہے جناب! اس نے اسی نام سے تعارف کروایا تھا۔''

''کیا وہ لڑکی اس وقت کمرہ عدالت میں موجود ہے؟'' برنن نے پوچھا۔

''جی ہاں!'' بریان نے عاشی کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہ بیٹھی ہے۔''

''وہ صوفیہ نہیں، اس مقدمے کی ملزمہ عاشی جمیل ہے۔'' برنن نے کہا۔

ڈیوڈ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ ''یور آنر! ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ صوفیہ اس مقدمے کا ایک حصہ ہے۔ یہ ان دوہری شخصیات میں سے ایک ہے جس نے عاشی پر قبضہ کر رکھا ہے اور.....''

''آپ وقت سے پہلے بول رہے ہیں مسٹر ڈیوڈ!'' جج نے اسے تنبیہ کی۔ ''وکیل استغاثہ اپنی جرح جاری رکھے۔''

''مسٹر بریان'' برنن گواہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''کیا تمہیں یقین ہے کہ اس کیس کی ملزمہ، جو عاشی جمیل کے نام سے یہاں موجود ہے، رچرڈ سے صوفیہ کے نام سے ملتی تھی؟ اور کیا یہ وہی عورت ہے یا کوئی اور ہے؟''

''یہ وہی عورت ہے جو صوفیہ کے نام سے آرٹسٹ رچرڈ سے ملتی تھی۔'' گواہ نے جواب

''اور رچرڈ کے قتل کے روز بھی تم نے اس کو اس کے ساتھ دیکھا تھا؟''

''جی ہاں!'' گواہ نے جواب دیا۔

وکیل استغاثہ کی جرح ختم ہو گئی۔ اب ڈیوڈ نے گواہ پر اپنی جرح شروع کر دی۔ وہ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ ''میرا خیال ہے جہاں کروڑوں ڈالر مالیت کے نوادرات موجود ہوں وہاں کا محافظ ہونا بہت بڑی ذمہ داری کی بات ہے۔ اور ایک اچھا محافظ ہونے کے ناطے تمہیں بہت محتاط رہنا پڑتا ہو گا۔''

''یہ درست ہے۔'' بریان نے جواب دیا۔

''یادداشت اور مشاہدے کے حوالے سے بھی تمہیں خصوصی تربیت دی گئی ہو گی؟''

''جی ہاں!''

''یہ سوال میں نے اس لئے پوچھا تھا کہ جب مسٹر برنن نے تم سے یہ سوال کیا کہ کیا عاشی جمیل وہی عورت ہے جسے تم نے رچرڈ کے ساتھ دیکھا تھا تو تم جواب دیتے ہوئے کچھ ہچکچائے تھے۔ کیا تمہیں کوئی شبہ تھا؟''

ایک لمحے کو خاموشی رہی۔ پھر بریان نے جواب دیا۔ ''ایک لحاظ سے یہ اس عورت سے بہت مشابہ ہے۔ لیکن یہ..... یہ کچھ مختلف ہے۔''

''کس لحاظ سے مسٹر بریان؟''

''صوفیہ دیکھنے میں اطالوی لگتی تھی اور اس کا لہجہ بھی اطالوی تھا۔ اور وہ..... وہ ملزمہ سے جوان لگتی تھی۔'' بریان نے جواب دیا۔

''بالکل ٹھیک کہا تم نے۔'' ڈیوڈ نے کہا۔ ''وہ لڑکی جسے تم نے سان فرانسسکو کے میوزیم میں دیکھا تھا، وہ عاشی کے اندر کی دوہری شخصیت تھی جو روم میں پیدا ہوئی تھی اور عاشی سے آٹھ سال چھوٹی.....''

''آبجیکشن.....'' برنن اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''یور آنر میں.....'' ڈیوڈ نے کچھ کہنا چاہا۔ مگر جج نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا اور تنبیہہ کی کہ وہ صرف مطلب کی بات کرے۔ جج کی اس تنبیہہ کے ساتھ ہی ڈیوڈ نے گواہ پر جرح ختم کر دی۔

اگلی گواہ میوزیم کے کیفے ٹیریا کی ویٹریس برنیس تھی۔ اس نے سوالوں کے جواب دیتے ہوئے بتایا کہ پہلے وہ بھی رچرڈ کو چاہتی تھی لیکن بات نہیں بنی تو اسے بھائی بنا لیا۔

''کیا اس نے کبھی تم سے عاشی کا تذکرہ کیا تھا؟'' برنن نے سوال کیا۔

''ہاں! لیکن اس نے اپنا نام صوفیہ بتایا تھا۔'' برنیس نے جواب دیا۔

''رچرڈ یہ تو جانتا ہو گا کہ اس کا اصل نام عاشی جمیل ہے؟''

''نہیں! وہ اسے صرف صوفیہ کے نام سے ہی جانتا تھا۔'' برنیس نے جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہے ملزمہ نے اسے دھوکے میں رکھا تھا؟'' برنن نے کہا۔

''آبجیکشن یور آنر!'' ڈیوڈ ایک دم اچھل پڑا۔

''مسٹر برنن!'' جج نے اسے تنبیہہ کی۔ ''گواہ کو کسی مخصوص راستے پر لے جانے کی کوشش مت کرو۔''

''سوری یور آنر!'' برنن نے کہا۔ اور ایک بار پھر گواہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ''کیا تم نے کبھی ان دونوں کو اکٹھے دیکھا تھا؟''

''ہاں!'' رچرڈ اس کے ساتھ کیفے ٹیریا میں کھانا کھانے آیا تھا اور مجھ سے اس کا تعارف بھی کرایا تھا۔''

''اور یہ بات تم ملزمہ عاشی جمیل کے بارے میں کہہ رہی ہو جو اس وقت عدالت میں موجود ہے؟''

''ہاں! لیکن اس نے اپنا نام صوفیہ بتایا تھا۔'' برنیس نے جواب دیا۔

اس کے بعد رچرڈ کے دوست گیری کو گواہوں کے کٹہرے میں بلایا گیا۔ وہ دونوں ایک ہی کمرے میں رہتے تھے۔ اس نے برنن کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے بتایا کہ رچرڈ ایک لڑکی میں دلچسپی لینے لگا تھا جس کا نام اس نے صوفیہ بتایا تھا۔

''کیا وہ لڑکی اس وقت کمرہ عدالت میں موجود ہے؟'' برنن نے پوچھا۔

''ہاں! وہ بیٹھی ہے۔'' گیری نے عاشی کی طرف اشارہ کیا۔

''ریکارڈ کے لئے میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا تم ملزمہ عاشی جمیل کی طرف اشارہ کر رہے ہو؟'' برنن نے پوچھا۔

''ہاں!'' گیری نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اس رات جب تم اپنے فلیٹ پر واپس آئے تو تم نے کیا دیکھا تھا؟''

''بہت خوفناک منظر!'' گیری نے جواب دیا۔ ''ہر طرف خون ہی خون تھا۔ زخموں سے چور رچرڈ کی لاش اور...... اور.....''

''تمہارا مطلب ہے کہ وہ منظر رونگٹے کھڑے کر دینے والا تھا؟'' برنن نے کہا، اور جیوری کے ممبران کی طرف دیکھنے لگا۔ گواہ سے ایسے جملے کہلوانے سے اس کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔

''اس کے بعد تم نے کیا کیا؟'' اس نے اگلا سوال کیا۔

''میں نے پولیس کو اطلاع دے دی۔'' گیری نے جواب دیا۔

برنن کے بعد ڈیوڈ نے گیری پر جرح شروع کر دی۔ ''سب سے پہلے رچرڈ کے بارے میں بتاؤ۔ وہ کس قسم کا آدمی تھا؟ بات بات پر لڑنے والا، بحث وتکرار کرنے والا، لڑاکا؟''

''نہیں! وہ بالکل سیدھا سادہ اور صلح پسند آدمی تھا۔'' گیری نے جواب دیا۔

''لیکن وہ ایسی عورتوں کے ساتھ گھومنا پھرنا پسند کرتا تھا جو عام عورتوں کے مقابلے میں زیادہ سخت اور قوی الجثہ ہوتی تھیں؟''

''بالکل نہیں!'' گیری نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ ''رچرڈ کو نازک اندام اور حسین عورتیں پسند تھیں۔''

''کیا رچرڈ اور صوفیہ میں اکثر لڑائی ہوتی تھی؟ صوفیہ چیختی چلاتی تھی؟''

گیری اس طرح ڈیوڈ کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے اس کا دماغ خراب ہو گیا ہو۔ ''آپ کے اندازے بالکل غلط ہیں جناب!'' وہ بولا۔ ''وہ دونوں آپس میں کبھی نہیں لڑے۔ کبھی اونچی آواز میں بات بھی نہیں کی۔ وہ دونوں تو ایک دوسرے کو بہت چاہتے تھے۔''

''تو کیا تم نے کبھی کوئی ایسی بات محسوس کی تھی جس سے اس قسم کا اشارہ ملتا ہو کہ صوفیہ رچرڈ کو کوئی نقصان پہنچانا چاہتی ہے.....''

''آبجیکشن یور آنر!'' برنن نے تیزی سے اٹھ کر اعتراض کیا۔

جج نے اعتراض قبول کرتے ہوئے ڈیوڈ کو وارننگ دے دی اور ڈیوڈ نے اس کے ساتھ ہی جرح ختم کر دی۔

ڈیوڈ عاشی کے قریب کرسی پر بیٹھ گیا۔ ''گھبراؤ نہیں!'' وہ بولا۔ ''سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہمارا راستہ ہموار ہو رہا ہے۔''

وہ اپنے آپ میں پہلے سے کہیں زیادہ خود اعتمادی محسوس کر رہا تھا۔ اس رات ڈیوڈ اور سینڈرا اپنے رہائشی ہوٹل کے ریستوران میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ ایک ویٹر نے قریب آ کر کہا۔ ''تمہارے لئے فون کال ہے مسٹر ڈیوڈ!''

ڈیوڈ نے سینڈرا کی طرف دیکھا اور اٹھ کر ویٹر کے پیچھے چلتا ہوا اس کاؤنٹر پر آ گیا جہاں ٹیلی فون رکھا ہوا تھا۔ ریسیور الگ پڑا ہوا تھا۔ ڈیوڈ نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

''میں ڈیوڈ بول رہا ہوں۔''

''جیسی بول رہا ہوں!'' ریسیور پر آواز سنائی دی۔ ''فوراً اپنے کمرے میں جاؤ۔ مجھے

وہاں سے فون کرو۔ بہت گڑبڑ ہو گئی ہے۔''

''ڈیوڈ فوراً ہی اپنے کمرے میں پہنچ گیا اور فون کا ریسیور اٹھا کر آپریٹر کو جیسی کا نمبر دے دیا۔ چند سیکنڈ بعد ہی گھنٹی بجی۔ جیسی لائن پر موجود تھا۔

''ڈیوڈ!'' اس نے آواز سنتے ہی کہا۔ ''میں جانتا ہوں، مجھے مداخلت نہیں کرنی چاہئے۔ لیکن میرا مشورہ ہے کہ پہلی فرصت میں کیس پر عدم اعتماد کی درخواست دے دو۔''

''کیوں۔ کیا ہوا؟'' ڈیوڈ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

''پچھلے چند روز کے دوران میں انٹرنیٹ چیک کیا ہے؟'' جیسی نے پوچھا۔

''فرصت ہی نہیں ملی۔'' ڈیوڈ نے جواب دیا۔

''پورا کیس انٹرنیٹ پر موجود ہے۔'' جیسی نے جواب دیا۔ ''انٹرنیٹ کے ہر چیٹ روم میں اس کیس پر تبادلہ خیال ہو رہا ہے۔''

''اس سے کوئی فرق.....''

''احمق مت بنو!'' جیسی نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''سب کچھ منفی انداز میں پیش کیا جا رہا ہے۔ انٹرنیٹ تک رسائی حاصل کرنے والے ہر شخص کا کہنا ہے کہ عاشی جمیل مجرم ہے اور اسے موت کی سزا ہونی چاہئے۔ یہ سب کچھ اس طرح پرجوش انداز میں کیا جا رہا ہے کہ کوئی بھی شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔''

''اوہ مائی گاڈ!'' ڈیوڈ کو فوراً ہی صورت حال کی سنگینی کا احساس ہو گیا۔ ''کیا جیوری کے ممبران میں سے کوئی یہ حرکت کر سکتا ہے؟''

''مجھے شبہ ہے، بلکہ یقین ہے کہ ان میں سے کسی کی حرکت ہو گی۔ لگتا ہے وہ برنن کی باتوں سے متاثر ہو چکے ہیں۔ تم اسے نہیں جانتے۔ وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ وہ ہر کیس میں ایسے ایسے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے اور یہی اس کی کامیابی کا راز ہے۔ اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو فوراً ہی کیس کی کارروائی پر عدم اعتماد کی درخواست دے دیتا یا کم از کم اس جیوری کی برطرفی کا مطالبہ کر دیتا۔''

''شکریہ جیسی! اب میں سب سے پہلے یہی کام کروں گا۔'' ڈیوڈ نے کہا اور فون بند کر دیا۔

جب وہ ریستوران واپس پہنچا تو سینڈرا اس کے انتظار میں کھانے سے ہاتھ روکے بیٹھی ہوئی تھی۔ ڈیوڈ کے چہرے کو دیکھ کر اسے کسی گڑبڑ کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی۔

''خیریت؟'' اس نے پوچھا۔

''یہی چیز نہیں ہے۔'' ڈیوڈ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

☆

عدالت کی کارروائی شروع ہونے سے پہلے ڈیوڈ کو جج ثریا سے ملاقات کی اجازت مل گئی اور جب وہ جج کے چیمبر میں داخل ہوا تو وکیل استغاثہ برٹن بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔

''کوئی خاص بات مسٹر ڈیوڈ؟'' جج نے پوچھا۔

''یس یور آنر!'' ڈیوڈ نے جواب دیا۔ ''گزشتہ رات مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ کیس انٹرنیٹ پر موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ انٹرنیٹ کے تمام چیٹ رومز پر صرف اسی ایک موضوع پر گفتگو ہو رہی ہے اور لوگوں کی باتوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ میری موکلہ کو مجرم ثابت کر کے اسے سزا بھی سنا چکے ہیں۔ مجھے شبہ ہے کہ یہ حرکت جیوری کے کسی ممبر کی ہے یا اس کا کوئی ایسا دوست ہو سکتا ہے جسے سب کچھ بتا دیا گیا ہو۔ ایسی حرکتوں سے میری موکلہ کے کیس کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے میں عدم اعتماد کی درخواست دے رہا ہوں۔''

''تمہاری یہ درخواست مسترد کی جاتی ہے۔'' جج نے بلاتوقف اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔

ڈیوڈ کو شدید ذہنی جھٹکا لگا۔ وہ بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ ''ایسی صورت میں، میں مطالبہ کروں گا کہ فوری طور پر جیوری کو برطرف کر دیا جائے تاکہ.....''

''مسٹر ڈیوڈ!'' جج نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''سماعت کے دوران روزانہ درجنوں پریس رپورٹر عدالت میں موجود ہوتے ہیں۔ پوری دنیا کے اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن اپنی خبروں میں اس کیس کو سب سے زیادہ اہمیت دے رہے ہیں۔ میں نے تمہیں پہلے ہی خبردار کیا تھا کہ یہ کیس سرکس بن جائے گا مگر تم نے میری بات نہیں سنی تھی۔'' وہ کرسی پر قدرے آگے جھک گئی اور اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔ ''اب یہ تمہارا سرکس ہے۔ تمہارا دردسر ہے۔ اگر تم جیوری کو برطرف کرنا چاہتے تھے تو مقدمے کی سماعت شروع ہونے سے پہلے ہی ایسی درخواست دینی چاہئے تھی۔ اور شاید میں اس وقت بھی یہ درخواست منظور نہ کرتی۔ اب تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کچھ اور کہنا چاہتے ہو؟''

''نو یور آنر!'' ڈیوڈ نے جواب دیا۔ اسے پیٹ میں گرہیں سی پڑتی محسوس ہو رہی تھیں۔

''تو ٹھیک ہے۔ کمرہ عدالت میں پہنچ جاؤ تاکہ سماعت شروع کی جا سکے۔'' جج نے کہا اور کرسی سے اٹھ گئی۔

☆

وکیل استغاثہ برٹن شیرف میٹ پر جرح کر رہا تھا۔

''ڈپٹی شیرف دلیر سنگھ نے تمہیں یہ بتانے کے لئے فون کیا تھا کہ وہ عاشی جمیل کی حفاظت کے لئے رات اسی کے فلیٹ پر رہے گا۔ کیونکہ کوئی نامعلوم شخص اسے قتل کی دھمکیاں دے رہا تھا؟''

''ہاں! یہ درست ہے۔'' شیرف نے جواب دیا۔

''اس کے بعد ڈپٹی دلیر سنگھ سے تمہاری بات کب ہوئی تھی؟''

''اس کے بعد میری بات نہیں ہوئی۔'' شیرف نے جواب دیا۔ ''تاہم صبح فون پر مجھے یہ اطلاع ملی کہ دلیر سنگھ کی لاش مس عاشی کے فلیٹ کے پیچھے والی گلی میں پڑی ہوئی ملی ہے۔''

''اور یہ اطلاع ملتے ہی تم جائے واردات پر پہنچ گئے۔ وہاں تم نے کیا دیکھا؟''

''دلیر سنگھ کی لاش ایک خون آلود چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔'' شیرف نے تھوک نگلتے ہوئے جواب دیا۔ ''اس کی لاش زخموں سے چور چور تھی اور دوسری دو وارداتوں کی طرح اسے بھی.....''

''دوسری وارداتوں کی طرح..... میں سمجھ گیا۔'' برٹن نے کہا۔ ''اس کا مطلب یہ ہوا کہ تینوں آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کا ایک ہی طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔''

''جی ہاں جناب!''

''اس کا ایک مطلب یہ بھی ہوا کہ ان تینوں کو قتل بھی ایک ہی ہستی نے کیا تھا.....''

''آبجیکشن!'' ڈیوڈ نے جلدی سے مداخلت کی۔

جج نے اس کا اعتراض تسلیم کرتے ہوئے وکیل استغاثہ کو ایسے سوالات سے منع کر دیا۔

''اور اس کے بعد تم نے کیا، کیا شیرف؟'' وکیل استغاثہ نے اگلا سوال کیا۔

اس سے پہلے ہمیں مس عاشی پر کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں تھا۔ لیکن اس قتل کے بعد ہم نے اسے حراست میں لے لیا اور اس کی انگلیوں کے نشانات بھی محفوظ کر لئے۔''

''اور اس کے بعد؟''

''وہ انگلیوں کے نشانات ایف بی آئی کو بھیج دیئے گئے جہاں سے ہمیں مثبت رپورٹ مل گئی۔''

''مثبت رپورٹ سے تمہاری کیا مراد ہے مسٹر شیرف؟ کیا تم جیوری کے سامنے اس کی وضاحت کرنا پسند کرو گے؟''

شیرف جیوری باکس کی طرف گھوم گیا۔ ''اس کی انگلیوں کے نشانات فائل میں ان انگلیوں کے نشانات سے مل گئے تھے جو دوسری وارداتوں کے مقامات سے حاصل کئے گئے تھے۔''

وکیل استغاثہ نے جرح ختم کر دی۔ اور اب ڈیوڈ کی باری تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کٹہرے کے سامنے آ گیا اور بولا۔ ''مسٹر شیرف! اس عدالت کو یہ بھی بتایا گیا تھا کہ مس عاشی جمیل کے کچن سے ایک خون آلود چھری بھی ملی تھی؟''

''ہاں! یہ درست ہے۔'' شیرف نے جواب دیا۔

''یہ چھری کہاں چھپائی گئی تھی؟ کسی کاغذ یا کپڑے میں لپیٹ کر کسی ایسی جگہ رکھی گئی تھی کہ دوسروں کی نظروں میں نہ آ سکے؟''

''نہیں! یہ خون آلود چھری بالکل سامنے سنک میں پڑی ہوئی تھی۔'' شیرف نے جواب دیا۔

''بالکل سامنے جس نے بھی چھری رکھی تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کچھ چھپانا نہیں چاہتا اور یہ کہ وہ بے گناہ ہے اور.....''

''آبجیکشن یور آنر!'' برنن اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

جج نے وکیل استغاثہ کا اعتراض تسلیم کر لیا، لیکن ڈیوڈ نے بھی جرح ختم کر دی۔

سرکاری وکیل برنن نے کمرہ عدالت کے عقبی دروازے میں کھڑے ہوئے ایک آدمی کو اشارہ کیا۔ وہ کپڑے میں لپٹی ہوئی کوئی چیز لے کر سامنے آ گیا۔ برنن کے اشارے پر اس نے کپڑا ہٹا دیا۔ وہ ایک آئینہ تھا جس پر سرخ لپ سٹک سے موٹے حروف میں لکھا ہوا تھا۔

''تمہیں مرنا ہوگا۔''

''یہ کیا ہے؟'' ڈیوڈ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ جج نے بھی استفسار کیا تو برنن نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ ''یہ وہ چارہ ہے یور آنر! جو ملزمہ نے ڈپٹی شیرف کو اپنے فلیٹ میں بلانے کے لئے استعمال کیا تھا تاکہ اسے قتل کیا جا سکے۔ یہ آئینہ ملزمہ کے باتھ روم سے ملا تھا۔'' اس نے آئینہ جیوری کے ممبران کو دکھاتے ہوئے بات جاری رکھی۔ ''جیسا کہ آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ اس پر موٹے حروف میں ''تمہیں مرنا ہوگا'' لکھا ہوا ہے۔ دراصل یہی وہ مختصر تحریر تھی جسے دکھا کر ملزمہ ڈپٹی شیرف کو رات بھر کے لئے اپنے فلیٹ پر روکنا چاہتی تھی۔''

اس نے جج کی اجازت سے ایک اور گواہ مس نیون کو طلب کر لیا۔ مس نیون کی عمر پچاس کے لگ بھگ رہی ہوگی اور وہ بائیس سال تک ماہر تحریر کی حیثیت سے خدمات انجام دے چکی تھی۔

مس نیون نے جرح کے دوران میں اس بات کی تصدیق کر دی کہ وہ ملزمہ عاشی جمیل کے ہاتھ کی تحریر اور آئینے پر لپ سٹک سے لکھی ہوئی اس تحریر کا موازنہ کر چکی ہے۔ دونوں تحریروں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

''گویا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ آئینے پر یہ مختصر سی تحریر بھی مس عاشی جمیل ہی نے لکھی تھی؟'' برنن نے پوچھا۔

''جی ہاں! یہ تحریر بھی اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔'' مس نیون نے کہا۔

ڈیوڈ نے مس نیون سے کوئی جرح نہیں کی۔ البتہ وہ جیوری کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ ''استغاثہ کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ مس عاشی جمیل مقتولین کو جانتی تھی اور ان کے قتل کا کوئی مقصد.....''

''مسٹر ڈیوڈ!'' جج غصے میں بولی۔ ''میں پہلے بھی تمہیں وارننگ دے چکی ہوں۔ تمہیں جیوری کو اس طرح مخاطب کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ تم کسی کو ہدایات دینے والے کون ہوتے ہو؟''

''کسی کو تو ایسا کرنا ہے۔'' ڈیوڈ غبارے کی طرح پھٹ پڑا۔ ''ایک طرف آپ نے وکیل استغاثہ کو ہر بات کہنے کی آزادی دے رکھی ہے اور دوسری طرف مجھے اپنی موکلہ کے حق میں بولنے کی اجازت نہیں۔''

''بس! بہت ہو چکا۔'' جج نے بھی چیخ کر کہا۔ ''میں تمہیں توہین عدالت کے جرم میں اس مقدمے کے اختتام پر ایک رات جوڈیشل حوالات میں قید کی سزا دیتی ہوں۔''

''آپ ایسا نہیں کر سکتیں یور آنر.....''

''ایک رات کی سزا سنا چکی ہوں۔ کیا تم اس میں اضافہ چاہتے ہو؟'' جج نے اسے گھورا۔

ڈیوڈ خاموش کھڑا جج کو گھورتا اور گہرے سانس لیتا رہا۔ آخر کار اس نے مدھم لہجے میں کہا۔

''اپنی موکلہ کے مفاد کی خاطر میں اپنے جذبات اپنے تک محدود رکھوں گا۔''

''دانشمندانہ فیصلہ ہے۔'' جج نے تلخ لہجے میں جواب دیا اور عدالت برخاست کرنے کا حکم دیتے ہوئے بیلف کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔ ''جب یہ مقدمہ ختم ہو جائے تو مسٹر ڈیوڈ کو حراست میں لے لیا جائے۔''

''یس یور آنر!''

''یہ سب کیا ہو رہا ہے؟'' عاشی، سینڈرا کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ اس کا لہجہ رو دینے والا تھا۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پریشان مت ہو۔'' سینڈرا اس کا کندھا تھپتھپانے لگی۔

☆

سینڈرا نے جیسی کو فون کیا تو وہ اس کی آواز سنتے ہی بولا۔ ''میں نے سن لیا ہے۔ ٹی وی پر

اس کی تفصیل بتا دی گئی ہے۔ اس میں قصور ڈیوڈ کا نہیں ہے۔ جج ثریا شروع ہی سے اسے دیوار سے لگانے کی کوشش کر رہی ہے۔''

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟'' سینڈرا نے کہا۔ ''جیوری کے ممبران کے چہرے دیکھو تو تمہیں حیرت ہو گی۔ ان سب کے دلوں میں عاشی کے لئے شدید نفرت ہے۔ ان کا بس نہیں چلتا کہ عاشی کو ابھی اور اسی وقت موت کی سزا کا فیصلہ سنا دیں۔ ایسی نفرت تو میں نے لوگوں کی آنکھوں میں اس سفاک قاتل کے لئے بھی نہیں دیکھی تھی جس نے ایک ہسپتال میں بائیس نرسوں کو بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ عاشی کے ساتھ یہ سب کچھ شاید اس لئے ہو رہا ہے کہ وہ مسلمان باپ کی بیٹی ہے۔''

''ایک یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن بہر حال! اطمینان رکھو۔ اب دفاع کی باری آئے گی اور مجھے یقین ہے کہ ڈیوڈ آخر کار بازی پلٹ دے گا۔''

☆

''جج ثریا مجھ سے نفرت کرتی ہے سینڈرا۔ اور اس سے نقصان عاشی کو پہنچ رہا ہے۔ اگر میں نے جلد ہی اس سلسلے میں کچھ نہ کیا تو عاشی بے موت ماری جائے گی۔ اور میں یہ سب کچھ نہیں ہونے دوں گا۔'' ڈیوڈ نے غصے سے کہا۔

''کیا کر سکتے ہو تم؟'' سینڈرا نے پوچھا۔

''میں اس کیس سے علیحدہ ہو جاؤں گا۔'' ڈیوڈ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

وہ دونوں جانتے تھے کہ اس کیس سے علیحدگی کا مطلب کیا ہو گا۔ میڈیا اس کی ناکامی کو بری طرح اچھالے گا اور ان کا مستقبل بھی تباہ ہو جائے گا۔

''مجھے یہ کیس لینے پر آمادہ ہی نہیں ہونا چاہئے تھا۔'' ڈیوڈ کے لہجے میں تلخی نمایاں تھی۔ ''ڈاکٹر سلطان جمیل نے اپنی بیٹی کی زندگی بچانے کے لئے مجھ پر اعتماد کیا تھا اور میں.....'' وہ اس سے آگے کچھ نہیں کہہ سکا۔

''پریشان مت ہو۔'' سینڈرا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ ''سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پریشان کیوں ہو رہے ہو؟''

''میری وجہ سے سب کچھ ختم ہو رہا ہے۔'' ڈیوڈ سوچ رہا تھا۔ ''عاشی کی زندگی داؤ پر لگی ہوئی ہے۔ مجھے اب بیری کی کمپنی میں واپس نہیں لیا جائے گا۔ سینڈرا ماں بننے والی ہے اور.....''

صبح مقدمے کی کارروائی شروع ہونے سے پہلے ڈیوڈ، جج ثریا کے چیمبر میں پہنچ گیا۔

''میں اس کیس سے علیحدہ ہونا چاہتا ہوں یور آنر!'' اس نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔

''کس بناء پر؟'' جج نے اسے گھورا۔

''میں سمجھ رہا ہوں کہ میں اس کیس کی پیروی کے لئے مناسب نہیں ہوں۔ میں اپنی موکلہ کو نقصان پہنچا رہا ہوں۔ اس لئے میں اس کیس سے دستبردار ہونا چاہتا ہوں۔''

''مسٹر ڈیوڈ!'' سیاہ فام جج نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ ''اگر تم سمجھتے ہو کہ اس کیس کو بیچ میں چھوڑ کر اطمینان سے چلے جاؤ گے تو یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ تمہارے الگ ہو جانے سے کیس نئے سرے سے شروع ہو گا۔ وقت اور ریاست کا پیسہ خرچ ہو گا۔ یہ ناممکن ہے۔ میں تمہاری یہ درخواست منظور نہیں کر سکتی۔ سمجھے؟''

ڈیوڈ نے آنکھیں بند کر لیں۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کسی بھی لمحے گر پڑے گا۔ وہ بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھال رہا تھا۔ اور آخر کار اس کے ہونٹوں سے مردہ سی آواز نکلی۔

''یس یور آنر! میں سمجھ رہا ہوں۔''

وہ بری طرح پھنس چکا تھا۔

☆

مقدمے کی سماعت کو شروع ہوئے تین مہینے ہو چکے تھے اور ڈیوڈ کو یاد نہیں تھا کہ ان تین مہینوں کے دوران وہ کسی رات پوری نیند سویا ہو۔ ایک روز بعد دوپہر جب عدالت سے واپس لوٹے تو سینڈرا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ڈیوڈ! میرا خیال ہے کہ اب مجھے سان فرانسسکو واپس چلے جانا چاہئے۔''

''کیا؟'' ڈیوڈ نے عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ ''تم جانتی ہو ہماری کشتی ابھی بیچ بھنور میں پھنسی ہوئی ہے اور تم.....'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔ اس نے ایک بار پھر سینڈرا کے سراپا کا جائزہ لیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ ''اوہ! سمجھ گیا۔ کب تک ماں بنو گی؟''

''کسی بھی روز۔'' سینڈرا بھی مسکرا دی۔ ''میرے لئے آج کل ڈاکٹر بیلی کے قریب رہنا مناسب رہے گا۔ وہاں ممی بھی میرے پاس آ جائیں گی۔''

''تمہارے لئے واپس چلے جانا ہی بہتر ہو گا۔ میں بھی دو چار روز کے لئے تمہارے پاس آ جاؤں گا۔'' ڈیوڈ نے کہا۔

''نہیں! تم ایسی حماقت نہیں کرو گے۔'' سینڈرا نے اسے گھورا۔ ''تمہیں اپنی تمام تر توجہ مقدمے پر مرکوز رکھنی ہے۔ میرا خیال ہے بچہ جلد ہی آنے والا ہے۔''

''اس مقدمے نے تو میری روح تک نچوڑ کر رکھ دی ہے۔'' ڈیوڈ کراہ اٹھا۔

''میں نے کہا نا پریشان مت ہوا کرو۔'' سینڈرا نے تسلی دی۔ ''میری پرانی نوکری محفوظ ہے۔ فارغ ہونے کے بعد میں بھی.....''

''میں نے تو تمہارے لئے نہ جانے کیا کیا سوچ رکھا تھا اور سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ سب ہو کیا رہا ہے؟''

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''تو پھر جلدی سے اپنا سامان پیک کر لو۔ رات کو میں تمہیں سان فرانسسکو چھوڑ آؤں گا۔''

''تم یہاں سے کہیں نہیں جاؤ گے۔'' سینڈرا نے کہا۔ ''میں جین سے کہہ دوں گی۔ وہ مجھے چھوڑ آئے گی۔''

''تو ٹھیک ہے۔ جین کو فون کر دو کہ وہ رات کا کھانا ہمارے ساتھ کھائے گی۔'' ڈیوڈ نے کہا۔

''کر دوں گی۔'' سینڈرا نے جواب دیا۔

جین فون ملتے ہی سان فرانسسکو سے دو گھنٹے میں سان جوز پہنچ گئی تھی۔ انہوں نے رات کا کھانا اکٹھے ہی کھایا۔ اور جب وہ دونوں کار میں بیٹھ کر رخصت ہو گئیں تو ڈیوڈ زندگی میں پہلی مرتبہ اپنے آپ کو بالکل اکیلا اور تنہا محسوس کرنے لگا۔

☆

وکیل استغاثہ برنن نے ڈاکٹر لارنس کو گواہ کے طور پر طلب کر لیا اور جیوری سے اس کا تعارف کراتے ہوئے درخواست کی کہ وہ اپنے ماضی کے بارے میں کچھ بتائے۔

''میں تیس سال سے نفسیات کے شعبے سے وابستہ ہوں اور آج کل شکاگو میں ماہر نفسیات کی حیثیت سے بڑی کامیاب پریکٹس کر رہا ہوں۔ میں شکاگو سائیکیٹرک ایسوسی ایشن کا صدر بھی رہ چکا ہوں۔''

''میرا خیال ہے ایک ماہر نفسیات کی حیثیت سے آپ نے دوہری شخصیت کی بیماری کے متعدد کیسز بھی دیکھے ہوں گے؟''

''نہیں!'' ڈاکٹر لارنس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''متعدد نہیں دو چار ایسے کیس ضرور مشاہدے میں آئے ہوں گے؟''

''میں نے اس قسم کا آج تک کوئی ایک کیس بھی نہیں دیکھا۔'' ڈاکٹر نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

برنن نے فاتحانہ نگاہوں سے جیوری کی طرف دیکھا۔ پھر ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ''کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ تیس سال تک ذہنی مریضوں کے ساتھ کام کرتے ہوئے آپ نے دوہری شخصیت کی بیماری کا ایک کیس بھی نہیں دیکھا؟''

''ہاں! یہ درست ہے۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

''مجھے حیرت ہو رہی ہے۔ کیا آپ اس کی کچھ وضاحت کریں گے؟''

''بہت سیدھی سی بات ہے۔'' ڈاکٹر بولا۔ ''میں نہیں سمجھتا کہ دوہری شخصیت کی بیماری کا کوئی وجود بھی ہے۔''

''کیا اس قسم کے کیسوں کی کبھی نشاندہی بھی نہیں کی گئی ڈاکٹر؟''

''نشاندہی کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اس کا یقیناً حقیقت سے بھی کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔'' ڈاکٹر لارنس نے ناگوار سے لہجے میں جواب دیا۔ ''بعض ڈاکٹر دوہری شخصیت کی بیماری پر یقین رکھتے ہیں وہ دراصل ڈپریشن اور دیگر کئی طرح کے اضطراب اور ذہنی بے چینیوں

کو گڈ بڈ کر رہے ہیں۔''

''تو ایک ماہر نفسیات کی حیثیت سے آپ دوہری شخصیت کی بیماری پر یقین نہیں رکھتے؟'' برٹن نے کہا۔

''بالکل نہیں!'' ڈاکٹر لارنس نے جواب دیا۔

برٹن نے اپنی جرح ختم کر دی اور ڈیوڈ کو اشارہ کیا۔ ڈیوڈ اٹھ کر ماہر نفسیات کے سامنے آ گیا۔

''ڈاکٹر لارنس! آپ شکاگو کے ماہرین نفسیات کی ایسوسی ایشن کے صدر رہ چکے ہیں۔ اس طرح آپ کو اپنے بہت سے ہم پیشہ ماہرین سے ملنے کا موقع تو ملا ہو گا؟''

''ہاں! اور مجھے ایسے لوگوں کی ملاقات پر ہمیشہ فخر رہے گا۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''آپ ڈاکٹر سنتوش شرما کو جانتے ہیں؟ کیا وہ ایک اچھے ماہر نفسیات ہیں؟'' ڈیوڈ نے پوچھا۔

''میں ڈاکٹر سنتوش شرما کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں اور وہ بہت اچھے اور قابل اعتماد ماہر نفسیات ہیں۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

''ڈاکٹر کلا ئیڈ سے کبھی آپ کی ملاقات ہوئی ہے؟''

''کئی مرتبہ!''

''آپ کے خیال میں وہ کیسا ڈاکٹر ہے؟''

''بہت اچھا!'' ڈاکٹر لارنس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''اگر کبھی مجھے ضرورت پڑی تو میں اسی سے علاج کرانا پسند کروں گا۔''

''اور ڈاکٹر انگرام کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا آپ انہیں بھی جانتے ہیں؟''

''ڈاکٹر انگرام بہت اچھا آدمی ہے۔''

''مستند اور قابل ماہر نفسیات؟''

''بالکل!'' ''اس کی قابلیت میں کوئی شبہ نہیں۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

''آپ یہ بتائیے کہ کیا تمام ماہرین نفسیات کسی ایک ذہنی مرض پر متفق ہو سکتے ہیں؟'' ڈیوڈ نے پوچھا۔

''نہیں! چھوٹے چھوٹے اختلافات تو ہوتے رہتے ہیں۔ دراصل نفسیات ایک پرایپ سائنس نہیں ہے۔'' ڈاکٹر لارنس نے جواب دیا۔

''بہت خوب!'' ڈیوڈ بولا۔ ''ڈاکٹر سنتوش شرما، ڈاکٹر کلا ئیڈ اور ڈاکٹر انگرام جیسے لوگ یہ

گواہی دینے کے لئے یہاں آنے والے ہیں کہ وہ دوہری شخصیت کے مریضوں کا علاج کر چکے ہیں۔ لیکن آپ کی باتوں سے لگتا ہے جیسے صرف آپ ہی قابل اعتماد ڈاکٹر ہیں۔ دوسرے کچھ نہیں۔ شکریہ ڈاکٹر! اب مجھے مزید کچھ نہیں پوچھنا۔''

''مسٹر برٹن! تم گواہ سے مزید کچھ پوچھنا چاہتے ہو؟'' جج نے اشارہ کیا۔

برٹن اپنی جرح مکمل کر چکا تھا مگر جج کی شہ پا کر ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''ڈاکٹر لارنس!'' وہ ڈاکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''کیا آپ سمجھتے ہیں کہ چونکہ یہ دوسرے ڈاکٹر دوہری شخصیت کے مسئلے پر آپ کے نظریئے سے اختلاف رکھتے ہیں اس لئے ان کی رائے درست ہو گی اور آپ کا موقف غلط ہو سکتا ہے؟''

''نہیں! میں بھی درجنوں ایسے ماہرین نفسیات پیش کر سکتا ہوں جو دوہری شخصیت پر یقین نہیں رکھتے۔'' ڈاکٹر لارنس نے جواب دیا۔

''شکریہ ڈاکٹر! اب مجھے مزید کچھ نہیں پوچھنا۔'' برٹن نے جواب دیا۔

اس کے کچھ ہی دیر بعد ڈاکٹر آپٹن کو بلا لیا گیا۔ وکیل استغاثہ نے جرح شروع کرتے ہوئے سوال کیا۔ ''ڈاکٹر! جیسا کہ ابھی ہم نے سنا ہے کہ جسے اندر کی شخصیات کا تضاد سمجھا جاتا ہو وہ دراصل دوسری ذہنی الجھنوں کی طرح ایک الجھن ہے۔ کیا کوئی ایسا ٹیسٹ ہے جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ دوہری شخصیت کی بیماری دوسری ذہنی الجھنوں سے مختلف کوئی اور الجھن ہے؟''

''ایسا کوئی ٹیسٹ نہیں ہے۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

برٹن نے حیرت اور پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے جیوری کی طرف دیکھا۔ ''ایسا کوئی ٹیسٹ نہیں۔'' وہ دوبارہ ڈاکٹر آپٹن کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایسا کوئی ذریعہ نہیں جس سے یہ ثابت کیا جا سکے کہ دوہری شخصیت کے مرض میں مبتلا ہونے کا دعویٰ کرنے والا شخص ایسا جھوٹ بول کر یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہا ہے کہ اسے کسی جرم کا ذمہ دار گردانا جائے؟''

''میں نے کہا نا کہ ایسا کوئی ٹیسٹ نہیں ہے۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ محض ایک قیاس ہے۔ بعض ماہرین نفسیات اسے درست سمجھتے ہیں اور بعض اس پر یقین نہیں رکھتے۔''

''یہ درست ہے۔''

''کسی کو ہپناٹائز کر کے آپ یقینی طور پر یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ دوہری شخصیت کے مرض کا شکار

ہے یا ایسا ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا ہے؟''

''نہیں!'' ڈاکٹر نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''اگر کوئی شخص بن رہا ہے تو ہپناٹزم اور سوڈیم ٹیسٹ کے ذریعے بھی اس سے سچ نہیں اگلوایا جا سکتا۔''

''شکریہ ڈاکٹر!'' برنن نے کہا اور ڈیوڈ کو اشارہ کیا۔

اب ڈیوڈ نے ڈاکٹر آپٹن پر جرح شروع کر دی۔

''ڈاکٹر! کیا آپ کے پاس کبھی ایسے مریض بھی آئے ہیں جن کے بارے میں دوسرے ڈاکٹروں نے بتایا ہو کہ وہ دوہری شخصیت کے مرض کا شکار ہیں؟''

''ہاں! کئی مرتبہ ایسا ہوا ہے۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

''اور آپ نے ایسے مریضوں کا علاج بھی کیا ہوگا؟''

''نہیں!''

''کیوں؟'' ڈیوڈ نے چبھتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''میں ایسی کسی بیماری کا علاج نہیں کر سکتا جس کا کوئی وجود ہی نہ ہو۔ میرے پاس ایک ایسا شخص بھی آیا تھا جس نے ایک بڑی رقم غبن کی تھی اور چاہتا تھا کہ میں اس کے حق میں یہ بیان دوں کہ وہ اس کا ذمہ دار نہیں۔ جو کچھ بھی ہے اس کے اندر کی دوہری شخصیت نے کیا۔ ایک اور مریضہ تھی جسے بچے کو مار پیٹ کے الزام میں پولیس نے گرفتار کیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اسے اس کے اندر موجود کسی اور قوت نے ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا۔ اور بھی بہت سے ایسے مریض آتے رہے ہیں جو اپنے آپ کو کسی نہ کسی الزام سے بچانے کی کوشش میں تھے اور یہ سب کے سب جھوٹے تھے۔''

''آپ اس مسئلے پر اپنی رائے کو یقینی اور حتمی سمجھتے ہیں؟''

''ہاں! میں جانتا ہوں کہ میں سچا ہوں۔''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف آپ سچے ہیں اور باقی سب جھوٹے..... وہ تمام ڈاکٹر جھوٹے ہیں جو دوہری شخصیت کی بیماری پر یقین رکھتے ہیں؟''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا.....''

''صرف آپ سچے ہیں اور باقی سب جھوٹے ہیں۔ شکریہ ڈاکٹر! اب مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا۔'' ڈیوڈ نے کہا۔

ڈاکٹر سائمن کی عمر ساٹھ سے اوپر تھی۔ وہ درمیانے قد کا ایک صحت مند آدمی تھا۔ سر انڈے کے چھلکے کی طرح صاف تھا۔

''ڈاکٹر سائمن! کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ایز و جینی کا کیا مطلب ہے؟ برنن نے جرح شروع کرتے ہوئے پوچھا۔

''کوئی ایسی بیماری جو اپنا وجود رکھتی ہو اور طبی علاج یا سائیکوتھراپی سے اس کا علاج ہو سکتا ہو۔'' ڈاکٹر سائمن نے جواب دیا۔

''سائیکوتھراپی کی وضاحت کریں گے؟''

''اس طریقہ علاج میں تھراپسٹ مریض کو اپنے سوالات کے ذریعے اپنے ذہن کے تاریک گوشے کھنگالنے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ مریض کے اندر یہ احساس بھی اجاگر کرتا ہے کہ اسے معالج کی توقعات پر پورا اترنا چاہئے۔''

''کیا اس طریقے کا اطلاق دوہری شخصیت کے مریضوں پر بھی ہو سکتا ہے؟''

''اگر ماہر نفسیات مریض کے اندر چھپی ہوئی مختلف شخصیات کے بارے میں سوال کرتا ہے تو مریض اپنے معالج کو خوش کرنے کے لئے سلیقے سے چند سوالوں کے جواب دے سکتا ہے۔ یہ دراصل بہت ہی ہوشیاری اور چالاکی کا کام ہے۔ یہاں ہپناٹزم کو بھی آسانی سے دھوکہ دیا جا سکتا ہے۔ ویسے دوہری شخصیت کا دعویٰ کرنے والے عام طور پہ نارمل ہوتے ہیں۔ انہیں کوئی ایسی الجھن نہیں ہوتی۔''

''آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایک ماہر نفسیات ٹرانس میں لاتے ہوئے مریض کی ذہنی کیفیت بدل سکتا ہے تاکہ مریض یہ باور کر لے کہ وہ اپنے آپ کو جس الجھن میں مبتلا ظاہر کر رہا ہے وہ درست نہیں ہے؟''

''ہاں! ایسا کئی بار ہوا ہے۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

''شکریہ ڈاکٹر! اب مجھے کچھ اور نہیں پوچھنا۔'' برنن اپنی جرح ختم کر کے اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

''ڈاکٹر سائمن!'' ڈیوڈ نے اپنی جرح شروع کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ نہ صرف ماہر نفسیات ہیں بلکہ یونیورسٹی میں پروفیسر بھی ہیں۔ یونیورسٹی میں کب سے پڑھا رہے ہیں؟''

''تقریباً پندرہ سال سے۔''

''آپ اپنا وقت کس طرح تقسیم کرتے ہیں؟ میرا مطلب ہے آدھا وقت پڑھانے میں اور آدھا وقت ڈاکٹر کی حیثیت سے پریکٹس کرنے میں؟''

''اب میں فل ٹائم پروفیسر ہوں۔''

''میڈیکل پریکٹس چھوڑے ہوئے کتنا عرصہ ہو چکا ہے؟''

''تقریباً آٹھ سال۔'' ڈاکٹر سائمن نے جواب دیا۔ ''لیکن میں تازہ ترین میڈیکل لٹریچر کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔''

''ماضی میں آپ کے پاس دوہری شخصیت کے بہت سے مریض آتے رہے ہیں؟''

''نہیں!''

''زیادہ نہیں۔ طویل عرصے کی پریکٹس کے دوران میں درجن بھر مریض تو ایسے ضرور آئے ہوں گے جنہوں نے دوہری شخصیت کی شکایت کی ہو؟''

''نہیں!''

''ایسے مریضوں کی تعداد چھ ہو سکتی ہے؟''

ڈاکٹر نے ایک بار پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

''چار؟''

اس مرتبہ ڈاکٹر نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''ڈاکٹر! کبھی آپ کے پاس کوئی ایسا مریض آیا ہو جس نے دوہری شخصیت کی شکایت کی ہو؟''

''یہ کہنا ذرا مشکل ہے کہ......''

''میں اپنے سوال کا جواب صرف ہاں یا نہیں میں سننا چاہتا ہوں ڈاکٹر!'' ڈیوڈ نے اس کی بات کاٹ دی۔

''نہیں!'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہے آپ دوہری شخصیت کے بارے میں صرف اتنا جانتے ہیں جتنا پڑھا ہے۔ شکریہ ڈاکٹر! اب مجھے کچھ اور نہیں پوچھنا۔'' ڈیوڈ کہتے ہوئے اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔

استغاثہ نے چھ اور گواہ طلب کئے۔ اس طرح وکیل استغاثہ برنن نے ملک کے نوصف اول کے ماہرین نفسیات کو عدالت میں پیش کر دیا تھا اور ان سب کی متفقہ رائے ایک ہی تھی کہ دوہری شخصیت کی بیماری کا کوئی وجود نہیں۔

استغاثہ اب اپنی کارروائی سمیٹ رہا تھا۔ جب آخری گواہ پر جرح ختم ہو چکی تو جج نے برنن سے دریافت کیا۔ ''کیا تم کوئی اور گواہ پیش کرنا چاہتے ہو؟''

''نہیں یور آنر!'' برنن نے جواب دیا۔ ''لیکن میں جیوری کو پولیس فائل سے وہ فوٹو گراف دکھانا چاہتا ہوں جو قتل کی وارداتوں کی جگہوں پر کھینچے گئے تھے۔''

''بالکل نہیں! تم ایسا نہیں کر سکتے۔'' ڈیوڈ بول اٹھا۔

''کیا کہا تم نے مسٹر ڈیوڈ؟'' جج نے اسے گھورا۔

''میں نے کہا تھا...... '' ڈیوڈ کوئی سخت جملہ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پا لیا۔ ''آبجیکشن یور آنر...... وکیل استغاثہ وہ تصویریں دکھا کر جیوری کے ممبران کے جذبات کو بھڑکانا چاہتا ہے۔''

''اعتراض مسترد کیا جاتا ہے۔'' جج نے کہا۔ پھر برنن کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''تم جیوری کو تصویریں دکھا سکتے ہو۔''

ڈیوڈ اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس کا خون کھول رہا تھا۔

برنن نے میز پر سے تصویروں کا ایک بنڈل اٹھا کر جیوری کے ایک ممبر کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ تصویریں کوئی خوشگوار منظر پیش نہیں کرتیں۔ لیکن اس مقدمے کی کارروائی کا ایک نہایت اہم حصہ ہیں اس لئے آپ کو دکھائی جا رہی ہیں۔ انہیں دیکھ کر آپ کو یہ اندازہ ہوگا کہ یہ کسی پراسرار نظر نہ آنے والی ہستی کا کارنامہ نہیں ہے۔ یہ ان تین آدمیوں کی تصویریں ہیں جنہیں بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ قانون کہتا ہے کہ کسی نہ کسی کو اس جرم کی سزا تو بھگتنی ہے۔ اب یہ دیکھنا آپ کا کام ہے کہ یہاں انصاف ہوتا ہے یا نہیں؟''

برنن گہری نظروں سے جیوری کے ممبروں کے چہروں کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ تصویریں دیکھتے ہوئے ہر ایک کے چہرے پر بڑے بھیانک اور خوفناک تاثرات ابھر آئے تھے۔ برنن، جج کی طرف مڑ گیا۔

''استغاثہ اپنی کارروائی ختم کرنے کا اعلان کرتا ہے یور آنر!''

جج نے دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھا۔ ''چار بج چکے ہیں۔'' وہ بولی۔ ''عدالت برخاست کی جاتی ہے۔ کل صبح دس بجے سماعت دوبارہ شروع ہوگی۔''

☆

عاشی پھانسی کے تختے پر کھڑی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر باندھ دیئے گئے۔ چہرے پر سیاہ نقاب چڑھا کر گلے میں پھندہ ڈال دیا گیا۔ جلاد تختے کا لیور کھینچنے ہی والا تھا کہ ایک پولیس والا دوڑتا ہوا وہاں پہنچا اور دور ہی سے ہاتھ ہلاتے ہوئے چیخا۔

''رک جاؤ! اسے پھانسی مت دو۔'' وہ کہہ رہا تھا۔ ''اسے بجلی کی کرسی پر بٹھانے کا حکم دیا گیا ہے۔''

منظر بدل گیا۔ عاشی بجلی کی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک گارڈ سوئچ آن کرنا ہی چاہتا تھا کہ جج ٹریسا چیختی ہوئی وہاں پہنچ گئی۔

''رُک جاؤ! اسے بجلی کے جھٹکوں سے نہیں، زہر کا انجکشن دے کر ہلاک کیا جائے گا۔''

ڈیوڈ کی آنکھ کھل گئی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کا جسم پسینے میں شرابور تھا اور دل بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے بستر سے اٹھنا چاہا، لیکن جسم جیسے بے جان ہو رہا تھا۔ دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ بدن ٹوٹ رہا تھا۔ اس نے پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ پیشانی انگارے کی طرح تپ رہی تھی۔ اس نے ایک بار پھر بستر سے اٹھنے کی کوشش کی۔ اس مرتبہ کامیاب بھی ہو گیا لیکن کھڑے ہوتے ہی لڑکھڑا کر رہ گیا۔

''اوہ خدایا!'' اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ''مجھے ہمت دے خدایا.....''

اسے بہت دنوں سے آج کے دن کا انتظار تھا۔ آج اسے اپنا کیس پیش کرنا تھا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا باتھ روم میں گھس گیا اور ٹھنڈے پانی کا نل کھول کر سر نیچے کر دیا۔ چند منٹ بعد سیدھا ہو کر آئینے میں دیکھا تو کانپ اٹھا۔ وہ بالکل نچڑا ہوا سا لگ رہا تھا۔

ڈیوڈ جب عدالت پہنچا تو جج ثریا پہلے ہی سے اپنی کرسی پر موجود تھی اور کیس کی کارروائی شروع کرنے کے لئے ڈیوڈ کا انتظار ہو رہا تھا۔

''دیر سے آنے کی معذرت چاہتا ہوں یور آنر!'' وہ کہتے ہوئے قریب ہو گیا۔ لیکن برٹن بھی اس کے ساتھ ہی آگے بڑھ گیا۔ ڈیوڈ نے کہا۔ ''میں درخواست کرتا ہوں کہ آج مقدمے کی کارروائی ملتوی کر دی جائے۔''

''کیوں..... کس لئے؟'' جج نے اسے گھورا۔

''مم..... میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے یور آنر! میں ڈاکٹر کے پاس.....''

''ایسی صورت میں کیس اپنے اسسٹنٹ کو سونپ دو تاکہ کارروائی جاری رہ سکے۔'' جج نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''میرا کوئی اسسٹنٹ نہیں ہے یور آنر!'' ڈیوڈ نے جواب دیا۔

''حیرت انگیز!'' جج آگے کو جھکتے ہوئے بولی۔ ''قتل کا یہ پہلا کیس ہے جس میں وکیل صفائی نے اپنا کوئی معاون مقرر نہیں کیا۔ کیا یہ ون مین شو نہیں مسٹر ڈیوڈ؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ کیس جیت کا سارا کریڈٹ اکیلے ہی سمیٹ لو گے؟ لوگ تمہیں مبارک باد دیں گے اور تمہارے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالیں گے۔ لیکن میری عدالت میں ایسا نہیں ہو گا مسٹر ڈیوڈ! میں ایک اور بات بھی واضح کر دوں۔ مجھ سے کسی رعایت کی توقع مت رکھنا جو بھی فیصلہ کرنا ہے، جیوری کو کرنا ہے اور کیس جیوری کے سامنے بالکل واضح ہے۔ کچھ اور کہنا چاہتے ہو مسٹر ڈیوڈ؟''

ڈیوڈ بے حس و حرکت کھڑا جج کی طرف دیکھتا رہا۔ اسے پورا کمرہ گردش کرتا ہوا محسوس ہو

رہا تھا۔ جج ثریا نے اپنے رویئے کی کھل کر وضاحت کر دی تھی۔ وہ اسے کھری کھری سنانا چاہتا تھا۔ لیکن بڑی مشکل سے اپنی کیفیت پر قابو پا سکا تھا۔

''نہیں یور آنر!'' اس کے منہ سے مردہ سی آواز نکلی۔

''اب عدالت کا وقت ضائع مت کرو مسٹر ڈیوڈ! اور اپنی کارروائی شروع کر دو۔'' جج نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

ڈیوڈ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا جیوری باکس کے سامنے آ گیا اور اپنے سر میں ہونے والے دھماکوں اور بخار کو بھول کر آہستہ آہستہ بولنے لگا۔

''خواتین و حضرات! وکیل استغاثہ نے دوہری شخصیت کے مرض کا جس طرح مضحکہ اڑایا ہے، وہ سب آپ نے دیکھ لیا۔ مجھے یقین ہے کہ ان کے ارادے میں بدنیتی یا کینہ پروری کو دخل نہیں تھا۔ انہوں نے جو کچھ بھی کیا، لاعلمی کی بناء پر کیا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مسٹر برٹن دوہری شخصیت کے مریض کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے اور یہی بات میں ان گواہوں کے بارے میں کہہ سکتا ہوں جنہیں وکیل استغاثہ نے آپ کے سامنے پیش کیا۔ لیکن میں آپ کے سامنے کچھ ایسے لوگوں کو پیش کرنے والا ہوں جو اس بارے میں بہت کچھ واقفیت رکھتے ہیں۔ یہ تمام حضرات معزز ڈاکٹر اس موضوع پر اتھارٹی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب آپ ان کے بیانات سنیں گے تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ مسٹر برٹن نے جو کچھ بھی کہا یا اپنے گواہوں سے کہلوایا وہ سب افسانہ تھا۔ جھوٹ کا پلندہ۔ مسٹر برٹن نے میری موکلہ کو سنگین ترین جرائم کا مجرم ٹھہرایا ہے۔ یہ نکتہ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ جرم! فرسٹ ڈگری قتل کا جرم ثابت کرنے کے لئے نہ صرف مجرمانہ عمل بلکہ مجرمانہ ارادہ ثابت کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ میں آپ کو یہ بتاؤں گا کہ عاشی جمیل کا نہ تو کوئی مجرمانہ ارادہ تھا اور نہ ہی جرم وقوع پذیر ہوتے وقت وہ اپنے کنٹرول میں تھی۔ وہ اس حقیقت سے مکمل طور پر لاعلم تھی کہ اس کے سامنے کیا ہو رہا ہے۔ بعض معزز ڈاکٹر آپ کو یہ بتائیں گے کہ مس عاشی جمیل کے ذہن میں دو ایسی پراسرار شخصیات موجود ہیں جن میں سے ایک نے اسے مکمل طور پر اپنے کنٹرول میں لے رکھا ہے۔''

ڈیوڈ نے خاموش ہو کر باری باری جیوری کے ممبروں کے چہروں کو دیکھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سب ایک دائرے کی شکل میں گردش کر رہے ہوں۔ ڈیوڈ نے ایک لمحے کو سختی سے آنکھیں بند کر لیں۔

''امریکن ماہرین نفسیات کی ایسوسی ایشن دوہری شخصیت کے مرض کو تسلیم کرتی ہے۔'' ڈیوڈ نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔ ''دنیا بھر کے ماہرین نفسیات بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں

اوران میں بہت سے ڈاکٹر تو ایسے بھی ہیں جو اس کا علاج بھی کر چکے ہیں۔مس عاشی جمیل کے اندر پوشیدہ پراسرار شخصیات میں سے ایک نے قتل جیسے فعل کا ارتکاب کیا لیکن.....وہ اندر کی دوہری شخصیت تھی جس پہ عاشی کا کوئی بس نہیں تھا۔'' ڈیوڈ کی آواز بتدریج بلند ہوتی جا رہی تھی۔اس میں اعتماد پیدا ہو رہا تھا۔''اس مسئلے کا جائزہ لیتے ہوئے آپ کو یہ بات ذہن میں رکھنی ہوگی کہ قانون کسی بے گناہ کو سزا نہیں دیتا۔لیکن یہاں اس اصول کی دھجیاں بکھیرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔قانون کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔یہاں میں ان دو جڑواں بھائیوں کی مثال دوں گا جن پر قتل کا کیس چل رہا تھا۔ان دونوں کے جسم آپس میں جڑے ہوئے تھے۔ان میں سے ایک نے قتل کیا تھا۔تمام شہادتیں اور ثبوت اس کے خلاف تھے۔لیکن قانون ''مجرم بھائی'' کو اس لئے سزا نہیں سنا سکا کہ اس کے ساتھ بے گناہ کو بھی سزا ہو جاتی۔'' اراکین جیوری بڑی توجہ سے اس کی باتیں سن رہے ہیں۔ڈیوڈ نے عاشی کی طرف اشارہ کیا۔''اس کیس میں دو نہیں، ہمیں تین شخصیات کا سامنا ہے۔'' وہ کہتے ہوئے جج کی طرف مڑ گیا۔''میں اپنا پہلا گواہ پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا یور آنر!''

چند منٹ بعد ہی ڈاکٹر اشانتی گواہوں کے کٹہرے میں موجود تھا۔

''ڈاکٹر اشانتی! آپ میڈیسن پریکٹس کہاں کرتے ہیں؟'' ڈیوڈ نے پہلا سوال کیا۔

''میڈیسن ہسپتال نیویارک میں۔'' ڈاکٹر اشانتی نے جواب دیا۔

''کیا آپ میری درخواست پر یہاں آئے ہیں ڈاکٹر؟''

''نہیں! میں نے اخبارات میں اس کیس کے بارے میں پڑھا تھا اس لئے رضا کارانہ طور پر گواہی دینے کے لئے آ گیا ہوں۔میں دوہری شخصیت کے مریضوں پر کام کر چکا ہوں۔میں اس کیس میں قانون کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔دراصل دوہری شخصیت کا مرض اب ایک عام سا ذہنی مسئلہ بن چکا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ یہاں اگر کوئی غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے تو اسے دور کر دیا جائے۔''

''شکریہ ڈاکٹر!'' ڈیوڈ نے کہا۔''اس کیس کی طرح کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص دو یا اس سے زیادہ اندرونی شخصیات کا شکار ہو؟''

''میرے تجربے کے مطابق ایم پی ڈی یعنی دوہری شخصیت کے مریض بعض اوقات کئی کئی اندرونی شخصیات کا شکار ہو جاتے ہیں۔یہ تعداد سو تک بھی ہو سکتی ہے۔''

وکیل استغاثہ کے معاون نے برتن کی طرف جھک کر کوئی سرگوشی کی۔برتن کے ہونٹوں پہ خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

''آپ کتنے عرصے سے ایسے مریضوں کا علاج کر رہے ہیں ڈاکٹر اشانتی؟'' ڈیوڈ نے سوال کیا۔

''تقریباً پندرہ سال سے۔''

''کیا عام طور پر صرف ایک اندرونی شخصیت مریض کے دماغ کو کنٹرول کرتی ہے؟''

''ہاں!'' ڈاکٹر نے مختصر جواب دیا۔

''کیا مریض اپنے اندر موجود ان شخصیات کے وجود سے آگاہ ہوتا ہے اور کیا وہ اندرونی شخصیات ایک دوسرے سے واقف ہوتی ہیں؟''

''بعض اوقات تو وہ سب ایک دوسرے کو جانتی ہیں اور بعض اوقات کسی کو جانتی ہیں کسی کو نہیں۔لیکن مریض کسی ماہر نفسیات کے علاج سے پہلے ان کی موجودگی سے بالکل واقف نہیں ہوتا۔''

''کیا ایم پی ڈی قابل علاج ہے؟'' ڈیوڈ نے سوال کیا۔

''اکثر حالات میں ہاں۔اس کے لئے طویل نفسیاتی علاج کی ضرورت ہوتی ہے۔بعض اوقات چھ یا سات سال کا عرصہ بھی لگ سکتا ہے۔''

''شکریہ ڈاکٹر!'' ڈیوڈ نے کہتے ہوئے جیوری کے ممبروں کی طرف دیکھا۔ان کے چہروں پر دلچسپی کے تاثرات تو تھے لیکن شاید قائل نہیں ہوئے تھے۔

اب ڈاکٹر اشانتی پر برتن نے جرح شروع کر دی۔

''ڈاکٹر اشانتی! ابھی آپ نے کہا تھا کہ اخبار میں اس کیس کے بارے میں پڑھ کر رضاکارانہ طور پہ یہاں آئے ہیں تاکہ قانون کی مدد کی جا سکے۔لیکن میرے خیال میں اس کی وجہ کچھ اور ہو سکتی ہے۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا۔پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔''یہ کیس بہت زیادہ شہرت پا چکا ہے۔ریڈیو، اخبارات اور ٹی وی پر اسے سب سے زیادہ اہمیت اور کوریج دی جاتی ہے۔پوری دنیا کی نگاہیں اس کیس پر ہیں۔ہر شخص اس کے ذریعے شہرت حاصل کرنا چاہتا ہے۔کیا آپ بھی محض شہرت کمانے کے لئے.....''

''آبجیکشن!'' ڈیوڈ ایک دم کھڑا ہو گیا۔''گواہ کی کردار کشی کی جا رہی ہے۔''

''اعتراض مسترد کیا جاتا ہے۔'' جج نے کہا۔

''مسٹر برتن!'' ڈاکٹر اشانتی نے کہا۔''میں یہاں اپنے آنے کی وجہ اور مقصد بتا چکا ہوں۔''

''آپ نے اب تک کتنے ذہنی مریضوں کا علاج کیا ہوگا؟'' برتن نے پوچھا۔

"تقریباً دو سو۔"

"اور ان میں ایسے مریضوں کی تعداد کتنی تھی جو دوہری شخصیت کا شکار ہوں۔"

"بارہ تیرہ....."

"دو سو میں سے صرف بارہ تیرہ؟" برنن نے حیرت کا اظہار کیا۔

"میری بات سمجھنے کی....."

"میں صرف ایک بات سمجھتا ہوں ڈاکٹر اشانتی!" برنن نے اس کی بات کاٹ دی۔ "کہ تم صرف کیسز ڈیل کر کے اپنے آپ کو ایکسپرٹ نہیں کہہ سکتے۔ میں کوئی ایسی شہادت چاہتا ہوں جس سے دوہری شخصیت کا وجود یا عدم وجود ثابت ہو سکے۔"

"جہاں تک ثبوت کی بات ہے تو....."

"تم اس وقت عدالت میں کھڑے ہو ڈاکٹر!" برنن نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی۔ "جیوری اگر مگر نہیں، ثبوت چاہتی ہے۔ یہاں بات یہ ہے کہ ملزمہ ان آدمیوں سے شدید نفرت کرتی تھی جنہیں قتل کرنے کے بعد اپنے آپ کو بچانے کے لئے اس نے دوہری شخصیت کا لبادہ اوڑھ لیا۔"

"آبجیکشن!" ڈیوڈ کھڑا ہو گیا۔ "گواہ کو گمراہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔"

"اعتراض مسترد کیا جاتا ہے۔" جج نے کہا۔

"یور آنر....."

"اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ مسٹر ڈیوڈ!" جج نے اسے گھورا۔

ڈیوڈ نے کھا جانے والی نظروں سے جج کی طرف دیکھا اور اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا ڈاکٹر کہ۔" برنن اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم ایسا کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتے جو دوہری شخصیت کا وجود یا عدم وجود ثابت کر سکے۔"

"فوری طور پر نہیں لیکن....."

"شکریہ ڈاکٹر!" برنن نے اسے جملہ مکمل نہیں کرنے دیا اور شکریہ ادا کر کے جرح ختم کر دی۔

صفائی کی طرف سے اگلا گواہ ڈاکٹر سنتوش شرما تھا۔

"ڈاکٹر شرما! آپ مس عاشی جمیل کا معائنہ کر چکے ہیں۔ اس سے آپ کس نتیجے پر پہنچے ہیں؟"

مس عاشی ایم پی ڈی کا شکار ہے۔ اس کے اندر دو شخصیات اور ہیں۔ ان میں ایک اپنے

آپ کو پشپا اور دوسری صوفیہ کہتی ہے۔" ڈاکٹر سنتوش شرما نے جواب دیا۔

"کیا وہ دونوں عاشی کے کنٹرول میں ہیں؟"

"نہیں! وہ دونوں اسے اپنے قابو میں لے لیتی ہیں اور جب ایسا ہوتا ہے تو اس پر بے خودی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔"

"کیا آپ اس کی وضاحت کریں گے ڈاکٹر؟"

"یہ ایک ایسی کیفیت ہے کہ مریض وقتی طور پر اپنے حواس سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے۔ یہ صورت حال چند منٹ، کئی دنوں یا ہفتوں تک بھی برقرار رہ سکتی ہے۔"

"اور کیا اس دوران میں اسے اس سے سرزد ہونے والے کسی فعل یا عمل کا ذمہ دار ٹھہرایا جا سکتا ہے؟"

"نہیں!" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

"شکریہ ڈاکٹر!" ڈیوڈ نے کہتے ہوئے پھر برنن کو اشارہ کیا۔ برنن اٹھ کر سنتوش شرما کے سامنے آ گیا۔

"ڈاکٹر شرما! آپ کئی ہسپتالوں میں کنسلٹنٹ ہیں اور دنیا بھر کے ہسپتالوں میں لیکچر بھی دیتے ہیں؟"

"ہاں! یہ درست ہے۔" ڈاکٹر سنتوش شرما نے جواب دیا۔

"آپ کے دوست ڈاکٹر بھی بہت معزز اور قابل اعتماد ہوں گے۔"

"ہاں! اس میں کوئی شبہ نہیں۔"

"کیا وہ سب دوہری شخصیت سے اتفاق کرتے ہیں؟"

"نہیں! ان میں کچھ ایسے ہیں جنہیں اس نظریے سے اتفاق نہیں ہے۔" ڈاکٹر شرما نے جواب دیا۔

"آپ کا مطلب ہے وہ ان کے وجود پر یقین نہیں رکھتے؟"

"ہاں!"

"اور وہ لوگ غلط ہیں اور آپ صحیح ہیں؟"

"میں ایسے مریضوں کا علاج کر چکا ہوں اور جانتا ہوں کہ ایسی چیز کا وجود ہے۔ جب....."

"میرے ایک سوال کا جواب دیجئے ڈاکٹر!" برنن نے اس کی پوری بات نہیں سنی۔ "اگر

ایسی کسی چیز کا وجود ہوتا تو کیا وہ دوہری شخصیت اپنے میزبان مریض پر قابو پا کر اسے احکامات دے سکتی ہے؟ یعنی دوہری شخصیت کہتی ہے قتل کر دو اور مریض اس کا حکم مان لیتا ہے؟''

''یہ ڈی پنڈ کرتا ہے اندر کی دوہری شخصیت پر جو مختلف درجوں میں اثر انداز ہوتی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ ''میزبان'' بھی اندر کی شخصیت پر قابو پا سکتا ہے؟''

''بعض حالات میں ایسا ہوتا ہے۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

''اکثر و بیشتر؟''

''نہیں!''

''ڈاکٹر! آپ کے پاس کیا ثبوت ہیں کہ دوہری شخصیت کا کوئی وجود ہے؟''

''میں نے کئی مریضوں کو ٹرانس میں لا کر ان میں جسمانی طور پر تبدیلیاں رونما ہوتے دیکھی ہیں اور میں جانتا ہوں کہ.....

''اور یہی آپ کی سچائی کی بنیاد ہے؟''

''ہاں!''

''ڈاکٹر شرما! اگر میں آپ کو کسی گرم کمرے میں بٹھا کر ہپناٹائز کر کے یہ کہوں کہ آپ اس وقت قطب شمالی میں بالکل برہنہ بیٹھے ہوئے ہیں تو کیا آپ کے جسم کا درجہ حرارت کم ہو جائے گا؟''

''ہاں! لیکن.....''

''شکریہ ڈاکٹر! مجھے مزید کچھ نہیں پوچھنا۔'' برنن نے جرح ختم کر دی۔

ڈیوڈ ایک بار پھر اٹھ کر کٹہرے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''ڈاکٹر شرما!'' وہ اسے مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ ''کیا آپ کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ شبہ ہے کہ مس عاشی جمیل دوہری شخصیت کا شکار نہیں ہے؟''

''بالکل نہیں!'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔ ''اس کے اندر دو متضاد شخصیات چھپی بیٹھی ہیں اور مکمل طور پر اس پر حاوی ہیں۔''

''اور عاشی کو ان کے بارے میں علم نہیں؟''

''نہیں! وہ ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

ڈیوڈ کی درخواست پر اگلے گواہ کو طلب کر لیا گیا۔ وہ گلوبل کمپیوٹر گرافکس کارپوریشن کا ورک سپروائزر علی نواز تھا۔ اس نے ڈیوڈ کے سوالات کے جواب میں بتایا کہ وہ سات سال سے اس کمپنی میں سپروائزر کی حیثیت سے کام کر رہا ہے اور عاشی جمیل اس کی ماتحتی میں کام کرتی

تھی۔ وہ اسے اچھی طرح جانتا ہے۔

''مسٹر نواز! ابھی آپ نے ان معزز ڈاکٹروں کے بیانات سنے جن سے پتہ چلتا ہے کہ ڈپریشن، نروس نیس، بے چینی، اداسی اور اضطراب وغیرہ بھی دوہری شخصیت کے مرض کی علامتوں میں سے ہیں۔ کیا آپ نے ان میں سے کوئی علامت یا کوئی اور ایسی بات مس عاشی میں کبھی محسوس کی تھی؟''

''دراصل میں.....''

''کیا مس عاشی نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ اسے یوں لگتا ہے جیسے کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہو؟''

''ہاں! اس نے بتایا تھا۔'' علی نواز نے جواب دیا۔

''اور یہ کہ اسے کچھ اندازہ نہیں کہ وہ کون ہو سکتا ہے اور ایسا کیوں کر رہا ہے؟''

''ہاں! عاشی نے یہ بھی کہا تھا۔''

''کیا ایک مرتبہ اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ کسی نے اس کے کمپیوٹر پر اس کا خاکہ اور خنجر بنا کر اسے دھمکی دی تھی؟''

''ہاں! یہ درست ہے۔'' علی نواز نے کہا۔

''اور کیا اس کی ذہنی کیفیت اس حد تک نہیں بگڑ گئی تھی کہ آپ نے اسے کمپنی کے ماہر نفسیات ڈاکٹر اسپیک مین کے پاس جانے کا مشورہ دیا تھا؟''

''ہاں! یہ درست ہے۔'' علی نواز نے جواب دیا۔

''کیا یہ عاشی میں دوہری شخصیت کی وہ علامتیں نہیں جن کا ابھی میں نے ذکر کیا تھا؟'' ڈیوڈ نے پوچھا۔

''بالکل درست ہے۔'' علی نواز نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''شکریہ مسٹر علی نواز!'' ڈیوڈ نے کہا اور برنن کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی جرح ختم کرنے کا اعلان کیا۔

''مسٹر علی نواز!'' وکیل استغاثہ برنن نے اپنی جرح شروع کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ کی ماتحتی میں کتنے ملازمین کام کرتے ہیں؟''

''تین!'' علی نواز نے جواب دیا۔

''کیا ان تین ملازمین میں سے اکیلی عاشی جمیل ہی آپ کی نظروں میں آئی تھی کہ وہ کسی قسم کی ذہنی الجھن کا شکار ہے؟''

''کمپنی کا ہر ملازم کسی نہ کسی ذہنی الجھن کا شکار رہتا ہے۔'' علی نواز نے جواب دیا۔

"آپ کا مطلب ہے کہ ان دوسرے ملازمین کو بھی اپنی ذہنی الجھنوں کے سلسلے میں کمپنی کے ماہر نفسیات سے رابطہ کرنا پڑتا ہے؟"

"یقیناً! کمپنی کے ملازمین ڈاکٹر کو خاصا مصروف رکھتے ہیں۔" علی نواز نے جواب دیا۔

"کسی نہ کسی کا کوئی مسئلہ تو رہتا ہے۔ آخر سب انسان ہیں۔"

"شکریہ مسٹر نواز! اب مجھے مزید کوئی سوال نہیں کرنا۔" برنن نے کہا۔

ڈیوڈ ایک بار پھر اٹھ کر علی نواز کے سامنے پہنچ گیا۔

"مسٹر نواز!" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ابھی آپ نے بتایا کہ کمپنی کے ملازمین کسی نہ کسی مسئلے کا شکار رہتے ہیں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ مسئلے عام طور پر کس نوعیت کے ہوتے ہیں؟"

"کبھی گھریلو جھگڑے، مالی مسائل، بچوں کی طرف سے پیدا کردہ پریشانیاں، کام کی زیادتی..... ایسے مسائل ہم میں سے کسی کو بھی پیش آ سکتے ہیں۔"

"لیکن ان میں سے کسی نے ڈاکٹر اسپیک مین سے یہ شکایت کی کہ کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہے یا اسے قتل کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں؟"

"نہیں!"

"شکریہ مسٹر نواز! مجھے مزید کچھ نہیں پوچھنا۔" ڈیوڈ نے جرح ختم کر دی۔ کھانے کے وقفے کے لئے عدالتی کارروائی روک دی گئی۔

ڈیوڈ ہوٹل جانے کے لئے کار ڈرائیو کرتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اب تک عدالت میں پیش ہونے والے ڈاکٹر دوہری شخصیت کے وجود یا عدم وجود پر متفق نہیں ہیں۔ ایسی صورت میں، میں جیوری کے ممبروں کو کیسے قائل کر سکوں گا؟ کچھ بھی ہو، میں عاشی کو تباہ نہیں ہونے دوں گا۔

اس نے کار ریستوران کے سامنے روک دی اور اتر کر اندر داخل ہو گیا۔

"ہیلو مسٹر ڈیوڈ!" ایک ویٹریس نے مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ "اس طرف آیئے پلیز!" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔ ڈیوڈ کو اب تک خاصی شہرت مل چکی تھی اور لوگ اسے پہچاننے لگے تھے۔ ویٹریس نے اسے ایک کیبن میں لے جا کر بٹھا دیا اور مینو اس کے ہاتھ میں دے کر چلی گئی۔

ڈیوڈ کو بھوک نہیں تھی۔ لیکن سینڈرا کی ہدایت یاد تھی کہ اپنے آپ کو توانا رکھنے کے لئے کھانے کے وقت کچھ نہ کچھ ضرور کھانا چاہئے۔ کیبن میں اس سے آگے دو عورتیں اور دو آدمی

اور بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک آدمی اپنی ساتھی سے کہہ رہا تھا۔

"یہ عاشی تو لزی بورڈن سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوئی ہے۔ لزی نے صرف دو آدمیوں کو قتل کیا تھا اور......"

"لزی نے انہیں قتل تو کیا تھا لیکن نامرد نہیں بنایا تھا۔" ایک آدمی نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تمہارے خیال میں عاشی کو کیا سزا ہو سکتی ہے؟"

"بالکل سامنے کی بات ہے۔" پہلا آدمی بولا۔ "اسے کم سے کم موت کی سزا تو ہونی چاہئے۔"

"افسوس تو اس بات کا ہے کہ اس چڑیل کو تین مرتبہ موت کی سزا نہیں ہو سکتی۔" دوسرا آدمی گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔

"تو عام لوگ اس انداز میں سوچ رہے ہیں۔" ڈیوڈ نے سوچا۔ اس کے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ اگر وہ ذرا ادھر ادھر گھوم پھر کر جائزہ لے تو شاید اس سے بھی زیادہ خوفناک باتیں سننے کو ملیں۔ برنن نے عاشی کو واقعی خوفناک چڑیل بنا کر عوام کے سامنے پیش کیا تھا۔ اسے جیسی کے الفاظ یاد آ گئے۔

"اگر تم اسے گواہوں کے کٹہرے میں نہیں بلاؤ گے تو جیوری کے ممبران کے ذہن میں عاشی کے بارے میں کچھ ایسا ہی نقشہ ہو گا۔"

"مجھے یہ رسک لینا ہی پڑے گا۔" ڈیوڈ نے سوچا۔ "مجھے جیوری کے ممبروں کو یہ ثابت کرنا ہو گا کہ عاشی سچ بول رہی ہے۔"

ویٹریس کی آواز سن کر وہ چونک گیا۔ وہ نوٹ بک اور پنسل لئے اس کا آرڈر نوٹ کرنے کو تیار کھڑی تھی۔

"میں نے کچھ کھانے کا ارادہ بدل دیا ہے۔" ڈیوڈ کہتے ہوئے کرسی سے اٹھ گیا۔ "مجھے بھوک نہیں ہے۔"

ریستوران کے دروازے کی طرف جاتے ہوئے اسے لوگوں کی نظریں کانٹوں کی طرح اپنی پشت پر چبھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

لنچ کا وقفہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ ڈیوڈ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عاشی سے ملنے کے لئے جوڈیشل حوالات میں چلا آیا۔ عاشی اس وقت کنکریٹ کے بنچ پر سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔

"عاشی!" ڈیوڈ نے اندر داخل ہوتے ہوئے ہولے سے پکارا۔

عاشی نے جھکا ہوا سر اٹھا کر دیکھا۔اس کی آنکھوں میں بے پناہ مایوسی تھی۔

''میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔'' ڈیوڈ اس کے قریب بنچ پر بیٹھ گیا۔عاشی خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔''تمہارے بارے میں جو کچھ بھی کہا جا رہا ہے۔'' ڈیوڈ بولا۔''ان میں کوئی بھی بات سچ نہیں ہے۔جیوری کے ممبران حقیقت سے بے خبر ہیں۔وہ تمہیں نہیں جانتے۔ہم ان پر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ تم بہت اچھی اور بہت معصوم لڑکی ہو۔''

''کیا واقعی میں......''

''ہاں!واقعی تم بہت معصوم اور اچھی لڑکی ہو جو بدقسمتی سے ایک بیماری کا شکار ہے۔انہیں جب حقیقت کا پتہ چلے گا تو وہ سب تم سے ہمدردی کا اظہار کریں گے۔''

''کیا چاہتے ہو؟مجھے کیا کرنا چاہئے؟'' عاشی کے لہجے میں بے پناہ مایوسی تھی۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم گواہوں کے کٹہرے میں آ کر اپنا بیان دو۔'' ڈیوڈ بولا۔

عاشی کی آنکھوں میں خوف سا اُبھر آیا۔''مم.....میں ایسا.....نہیں کر سکتی۔'' وہ ہکلائی۔

''میں کچھ نہیں جانتی۔میں انہیں کچھ بھی نہیں بتا سکتی.....''

''میں معاملے کو سنبھال لوں گا۔'' ڈیوڈ بولا۔''میں تم سے سوالات کروں گا اور تم جواب دو گی۔''

اسی لمحے ایک محافظ دروازے پر نمودار ہوا۔''عدالت کی کارروائی شروع ہونے والی ہے۔''اس نے ڈیوڈ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔پریشان مت ہونا۔'' ڈیوڈ اس کا ہاتھ دباتے ہوئے اٹھ گیا۔

☆

''یور آنر!'' ڈیوڈ نے عدالتی کارروائی شروع ہونے سے پہلے جج کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔''میں ایک ایسی ہستی کو بلانا چاہوں گا جس کا نام پہلے سے طے شدہ گواہوں کی فہرست میں شامل نہیں ہے۔''

''اب بہت تاخیر ہو چکی ہے مسٹر ڈیوڈ!'' قریب کھڑے ہوئے وکیل استغاثہ نے کہا۔''تمہیں اپنے تمام گواہوں کو پہلے پیش کرنا چاہئے تھا۔''

''میں مس عاشی جمیل کو گواہ کے طور پر بلانا چاہتا ہوں یور آنر!'' ڈیوڈ نے ایک بار پھر جج کو مخاطب کیا۔

''میں اس کی اجازت نہیں.....''

''یور آنر!'' برنن نے جلدی سے جج کی بات کاٹ دی۔''استغاثہ کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

جج نے باری باری دونوں کے چہروں کا جائزہ لیا۔پھر ڈیوڈ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''ٹھیک ہے مسٹر ڈیوڈ!تم اپنے گواہ کو طلب کر سکتے ہو۔''

''شکریہ یور آنر!'' ڈیوڈ کہتے ہوئے عاشی کے قریب پہنچ گیا اور ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔''آؤ عاشی!''

عاشی بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔اس کے چہرے پر خوف کے سائے کچھ اور گہرے ہو گئے تھے۔ڈیوڈ نے دوبارہ مخاطب کیا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی گواہوں کے کٹہرے میں پہنچ گئی۔

''میں دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ ڈیوڈ اسے گواہوں کے کٹہرے میں بلائے۔''

برنن نے اپنے ماتحت جارج کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔جارج نے بھی سر ہلا دیا۔

عاشی سچ کہنے اور سچ کے سوا کچھ نہ کہنے کا حلف اٹھا کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ڈیوڈ قریب پہنچ گیا اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے نرم لہجے میں بولا۔''میں جانتا ہوں کہ یہ سب کچھ تمہارے لئے بہت مشکل ہو گا۔تم پر ایسے سنگین اور گھناؤنے جرائم کا الزام ہے جن کا ارتکاب تم نے نہیں کیا۔میں جو چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جیوری سچائی سے آگاہ ہو جائے۔کیا تمہیں یاد ہے کہ تم نے ان میں سے کوئی جرم کیا تھا؟''

''نہیں!'' عاشی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

ڈیوڈ نے جیوری کی طرف دیکھا اور بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔''کیا تم ستیش مہتہ کو جانتی تھیں؟''

''ہاں!ہم دونوں گلوبل کمپیوٹر کمپنی میں اکٹھے کام کرتے تھے۔''

''کیا تمہارے پاس ستیش مہتہ کو قتل کرنے کی کوئی وجہ تھی؟'' ڈیوڈ نے سوال کیا۔

''نہیں!'' عاشی کے لئے بولنا مشکل ہو رہا تھا۔''اس نے مجھ سے کوئی مشورہ مانگا تھا اور میں اسی سلسلے میں اس کے فلیٹ پر گئی تھی۔وہ اس سے میری آخری ملاقات تھی۔اس کے بعد میں نے اسے نہیں دیکھا تھا۔''

''آرٹسٹ رچرڈ ملٹن کو جانتی تھیں؟'' ڈیوڈ نے پوچھا۔

''نہیں!''

''وہ ایک مصور تھا جسے سان فرانسسکو میں قتل کیا گیا تھا۔پولیس کو جائے واردات پر تمہاری

انگلیوں کے نشان ملے تھے۔''

عاشی سر کو دائیں بائیں حرکت دے رہی تھی۔ ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کہوں۔ میں تو اسے جانتی تک نہیں تھی۔''

''ڈپٹی شیرف دلیر سنگھ کو جانتی تھیں؟''

''ہاں! میں نے پولیس سے شکایت کی تھی کہ کوئی مجھے خوفزدہ کر رہا ہے۔ اور ڈپٹی دلیر سنگھ اس سلسلے میں میری مدد کر رہا تھا۔ میں نے اسے قتل نہیں کیا۔''

''کیا تم اس حقیقت سے واقف ہو کہ تمہارے اندر دو اور شخصیات موجود ہیں؟'' ڈیوڈ نے پوچھا۔

''ہاں!'' عاشی کی آواز ڈوبی ہوئی سی تھی۔

''اس کا تمہیں کب پتہ چلا؟''

''مقدمہ شروع ہونے سے پہلے۔ ڈاکٹر سنتوش شرما نے مجھے بتایا تھا۔ مجھے اب بھی یقین نہیں آ رہا۔ جب سے میں نے سنا ہے، انجانا سا خوف محسوس کر رہی ہوں۔'' عاشی نے جواب دیا۔

''کیا اس سے پہلے تمہیں اپنے اندر ان دوہری شخصیات کا علم نہیں تھا؟''

''نہیں!''

''تم نے پشپا دھیرن یا صوفیہ کے بارے میں کبھی کچھ سنا تھا؟''

''نہیں!''

''اور کیا اب تمہیں یقین ہے کہ یہ دونوں تمہارے اندر موجود ہیں؟''

''ہاں! اب یقین آ گیا ہے۔ جو کچھ بھی ہوا ہے سب انہوں نے ہی کیا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ تمہیں یہ معلوم ہی نہیں کہ رچرڈ سے کبھی ملی ہو۔ مسٹر ستیش مہتہ کو قتل کرنے کا تمہارا کوئی مقصد تھا یا ڈپٹی شیرف دلیر سنگھ کو قتل کیا ہو جو تمہاری حفاظت کے لئے تمہارے فلیٹ پر موجود تھا۔''

''نہیں! مجھے بالکل معلوم نہیں۔'' عاشی نے کہتے ہوئے کھچا کھچ بھرے ہوئے کمرہ عدالت پر نگاہ دوڑائی۔ اس کی آنکھوں میں خوف کچھ اور نمایاں ہو گیا تھا۔

''آخری سوال مس عاشی!'' ڈیوڈ بولا۔ ''کیا پہلے کبھی کسی بھی قسم کی قانون شکنی کی مرتکب ہوئی ہو؟''

''بالکل نہیں!'' عاشی نے جواب دیا۔

ڈیوڈ نے جرح ختم کر دی اور برنن کو اشارہ کیا۔

برنن اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ بڑی نمایاں تھی۔

''مس عاشی!'' وہ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ ''کیا کبھی ستیش مہتہ سے تمہارے جنسی تعلقات بھی رہے ہیں؟''

''نہیں!'' عاشی نے غصہ ضبط کرتے ہوئے جواب دیا۔

''رچرڈ سے اس قسم کا کوئی قابل اعتراض تعلق رہا ہے؟''

''نہیں!''

''ڈپٹی شیرف دلیر سنگھ سے کسی موقع پر جنسی تعلق.....''

''نہیں، نہیں، نہیں۔'' عاشی چیخ اٹھی۔

''ایف بی آئی کی لیبارٹری میں وہ انگلیوں کے نشانات چیک کئے گئے تھے جو پولیس نے تینوں جائے وارداتوں سے محفوظ کئے تھے۔ اور تمہیں یہ سن کر حیرت ہو گی کہ.....''

''آبجیکشن یور آنر!'' ڈیوڈ ایک دم اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

جج نے اعتراض تسلیم کرتے ہوئے وکیل استغاثہ کو تنبیہ کر دی۔ ڈیوڈ مطمئن ہو کر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

عاشی کا چیخنے کو دل چاہ رہا تھا لیکن وہ بڑی مشکل سے ضبط کئے ہوئے تھی۔

''قتل کی تینوں جگہوں سے ملنے والے انگلیوں کے نشان تمہارے تھے مس عاشی! صرف تمہارے۔'' برنن نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ عاشی خاموش بیٹھی رہی۔

برنن میز کے قریب آ گیا اور سیلوفین میں لپٹی ہوئی چھری دکھاتے ہوئے بولا۔ ''کیا تم اسے پہچانتی ہو؟''

''یہ میرے..... کچن میں استعمال کی چھری ہو سکتی ہے۔'' عاشی نے رک رک کر جواب دیا۔

''ہو نہیں سکتی، یقیناً ہے۔'' برنن نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''یہ چھری پہلے ہی استغاثہ کی شہادتوں میں شامل ہے۔ اس پر ڈپٹی دلیر سنگھ کے خون کے دھبے موجود ہیں اور اس آلۂ قتل پر تمہاری انگلیوں کے نشان بھی ثبت ہیں۔''

عاشی سر کو دائیں بائیں حرکت دے رہی تھی۔

''میں نے قتل کا ایسا سیدھا سادھا اور صاف ستھرا کیس پہلے کبھی نہیں دیکھا۔'' برنن نے کہا۔ ''دو تصوراتی کرداروں کے پیچھے پناہ لے کر تم اپنے آپ کو.....''

''آبجیکشن یور آنر!'' ڈیوڈ جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''اعتراض تسلیم کیا جاتا ہے۔'' جج نے کہا۔ پھر برتن کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''میں پہلے بھی تمہیں وارننگ دے چکی ہوں مسٹر برتن!''

''سوری یور آنر!'' برتن نے کہا اور عاشی پر جرح جاری رکھی۔ ''مجھے یقین ہے کہ جیوری کے معزز اراکین ان کرداروں سے ملنا پسند کریں گے جن کا ابھی تذکرہ ہوا تھا۔ تم عاشی جمیل ہو۔ ٹھیک.....؟''

''ہاں!'' عاشی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''گڈ.....اب میں پٹیا وھیرن سے بات کرنا چاہوں گا۔''

''میں.....میں اسے نہیں بلا سکتی۔''

''کیا واقعی؟'' برتن نے حیرت کا مظاہرہ کیا۔ ''تو پھر صوفیہ؟''

''اس پر بھی میرا کوئی کنٹرول نہیں ہے۔'' عاشی کے لہجے میں بے بسی تھی۔

''مس عاشی! میں تمہاری مدد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' برتن نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ''تمہارے اندر کی ان دو شخصیتوں کو جیوری کے سامنے لانا چاہتا ہوں جنہوں نے تین آدمیوں کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ انہیں باہر لاؤ.....''

''میں.....میں ایسا نہیں کر سکتی۔'' عاشی نے سسکی بھرتے ہوئے جواب دیا۔

''تم ایسا اس لئے نہیں کر سکتیں کہ ان کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔'' برتن نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔ ''تم تصوراتی پیکروں کے پیچھے پناہ لینے کی کوشش کر رہی ہو۔ تم، جو اس وقت میرے سامنے کرسی پر بیٹھی ہوئی ہو، اکیلی اور تنہا ہو اور تم ہی اصل مجرم ہو۔ ان تصوراتی ہیولوں کا کوئی وجود نہیں۔ لیکن تمہارا وجود ہے۔ اور میں بتاؤں اور کس چیز کا وجود ہے، وہ ٹھوس اور ناقابل تردید ثبوت کہ تم نے تین آدمیوں کو نہایت سفاکی اور بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔'' وہ خاموش ہو کر جج کی طرف مڑ گیا۔ ''یور آنر! استغاثہ کو اب اور کچھ نہیں کہنا۔''

ڈیوڈ جیوری کے اراکین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ سب عاشی کے چہرے کو گھور رہے تھے۔ ان سب کے چہروں پر نفرت نمایاں تھی۔

''مسٹر ڈیوڈ! کچھ کہنا چاہتے ہو؟'' جج نے سوالیہ نگاہوں سے ڈیوڈ کی طرف دیکھا۔

''یور آنر!'' ڈیوڈ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''میں اس عاشی کو ہپناٹائز کرانے کی اجازت چاہتا ہوں تاکہ.....''

''مسٹر ڈیوڈ!'' جج نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''میں تمہیں پہلے ہی خبردار کر چکی ہوں کہ اس کیس کو سائیڈ شو نہیں بنانا چاہتی۔ تم ملزمہ کو میری عدالت میں ہپناٹائز نہیں کرا سکتے۔ میں اس کی اجازت نہیں دے سکتی۔''

''آپ کو اس کی اجازت دینا ہو گی۔'' ڈیوڈ نے بھی تیز لہجے میں جواب دیا۔ ''یہ ایک بے گناہ انسان کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ آپ اندازہ نہیں لگا سکتیں کہ عاشی کو ہپناٹائز کرنا کتنا اہم.....''

''بہت ہو چکا مسٹر ڈیوڈ!'' جج نے اس کی بات کاٹ دی۔ اس کے لہجے میں بے پناہ سرد مہری تھی۔ ''میں ایک بار پھر تمہیں توہین عدالت کا مرتکب قرار دے رہی ہوں۔ تمہیں ملزمہ سے مزید کچھ پوچھنا ہے یا نہیں؟''

''یس یور آنر!'' ڈیوڈ کا لہجہ شکست خوردہ سا تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا گواہوں کے کٹہرے کے سامنے آ گیا۔ ''عاشی! تم جانتی ہو تم نے سچ بولنے کا حلف اٹھا رکھا ہے؟''

''ہاں!'' عاشی نے جواب دیا۔ وہ گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''اور تم نے اب تک جو کچھ بھی کہا ہے وہ سچ ہے؟''

''ہاں!''

''اور تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے اندر دو اور شخصیات ہیں جن پر تمہارا کوئی کنٹرول نہیں ہے؟''

''ہاں! یہ درست ہے۔''

''اور ان کے نام پٹیا اور صوفیہ ہیں؟''

''ہاں! میں یہ بھی جانتی ہوں۔'' عاشی نے جواب دیا۔

''اور تم نے ان تینوں میں سے کوئی قتل نہیں کیا؟''

''نہیں!''

''یہ قتل تمہارے اندر پوشیدہ شخصیات میں سے کسی ایک نے کئے ہیں اور تم ان کی ذمے دار نہیں ہو؟''

جارج نے سوالیہ نگاہوں سے برتن کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا دیا۔ ''خوش ہو لینے دو سے۔'' برتن نے سرگوشی کی۔ ''اس سے کیس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔''

"عاشی! میں چاہتا ہوں کہ تم پشپا کو اپنے اندر سے باہر بلاؤ۔" ڈیوڈ نے عاشی کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

عاشی نے بے بسی سے ڈیوڈ کی طرف دیکھا۔ "مم..... میں ایسا نہیں کر سکتی۔" وہ ہکلا کر رہ گئی۔

"تم ایسا کر سکتی ہو۔" ڈیوڈ بولا۔ "پشپا! ہماری باتیں سن رہی ہے اور اس صورت حال سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہی ہے۔ کیوں نہ ہو، تین قتل کر کے وہ بڑے اطمینان سے الگ ہٹ گئی۔" ڈیوڈ کی آواز بلند ہو گئی۔ "تم بہت عیار اور چالاک ہو پشپا! شرافت سے باہر آ جاؤ۔ تمہیں کوئی چھو بھی نہیں سکے گا۔ وہ تمہیں کوئی سزا نہیں دے سکیں گے کیونکہ عاشی بے گناہ ہے۔ البتہ تم سامنے نہ آئیں تو عاشی کو سزا بھگتنی پڑے گی۔"

کمرہ عدالت میں بیٹھا ہوا ہر شخص عجیب سی نظروں سے ڈیوڈ کو دیکھ رہا تھا۔ عاشی بے حس و حرکت اپنی جگہ پر بیٹھی ہوئی تھی۔

ڈیوڈ عاشی کے مزید قریب ہو گیا۔ "پشپا..... پشپا..... کیا تم میری آواز سن رہی ہو؟ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ فوراً باہر آ جاؤ....."

وہ چند لمحوں کو خاموش ہو گیا۔ کچھ بھی نہیں ہوا۔ اور جب وہ دوبارہ بولا تو اس کی آواز پہلے سے زیادہ بلند تھی۔

"پشپا..... صوفیہ..... باہر آ جاؤ۔ فوراً باہر آ جاؤ۔ ہم سب جانتے ہیں کہ تم دونوں عاشی کے اندر موجود ہو....."

کمرہ عدالت میں گہرا سناٹا طاری ہو چکا تھا۔

ڈیوڈ جیسے حواس کھو بیٹھا تھا۔ اب وہ باقاعدہ چیخ رہا تھا۔ "باہر آؤ! ان سب کو اپنی صورتیں دکھاؤ۔ پشپا..... صوفیہ..... میں کہتا ہوں فوراً باہر آ جاؤ....."

عاشی کی آنکھوں سے اب آنسو بہنے لگے تھے۔

"مسٹر ڈیوڈ!" جج کی آواز کمرے میں گونجی۔ "میں سٹیٹ بار ایسوسی ایشن کو تمہارے اس غیر مناسب رویے کے بارے میں رپورٹ بھیجنے والی ہوں۔ تم اپنے پیشے سے مخلص نہیں ہو اور میں بار ایسوسی ایشن سے یہ سفارش کروں گی کہ تم پر پابندی عائد کر دی جائے۔"

ڈیوڈ خاموش کھڑا رہا۔

"تم کسی اور گواہ کو پیش کرنا چاہتے ہو؟" جج نے پوچھا۔

"نہیں یور آنر!" ڈیوڈ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

کھیل ختم ہو چکا تھا۔ اب وہ عاشی کو کسی طرح بھی نہیں بچا سکتا تھا۔

☆

بیری کمرہ عدالت میں آخری قطار کی ایک کرسی پر بیٹھا بڑی گہری نظروں سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

"ہاروے!" اس نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے اکاؤنٹنٹ ہاروے کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔ "ڈیوڈ کو پہلی فرصت میں کمپنی سے برطرف کر دو۔" اس کے بعد وہ وہاں رکا نہیں۔ اٹھ کر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا باہر چلا گیا۔

کچھ دیر بعد جب ڈیوڈ باہر نکل رہا تھا تو ہاروے نے اسے روک لیا۔

"یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے، مجھے اس کا افسوس ہے۔" ہاروے نے کہا۔ "مسٹر بیری بھی یہاں موجود تھے۔ وہ بھی سب کچھ دیکھ چکے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اپنی چھٹیاں ختم ہونے کے بعد بھی تم دفتر آنے کی زحمت مت کرنا۔"

ہاروے چلا گیا اور ڈیوڈ اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہ گیا۔

ڈیوڈ جیسے ہی کمرہ عدالت سے باہر نکلا، ٹی وی کیمروں اور پریس رپورٹروں نے اسے نرغے میں لے لیا۔

"کچھ کہنا چاہیں گے مسٹر ڈیوڈ....."

"ہم نے سنا ہے کہ جج ٹریسا آپ پر پابندی لگانے کا مطالبہ کرنے والی ہے....."

"جج ٹریسا کہتی ہیں کہ تمہیں توہین عدالت کے جرم میں سزا بھگتنی پڑے گی کیا تمہارے خیال میں....."

"ماہرین کا خیال ہے کہ آپ یہ کیس ہار چکے ہیں۔ کیا آپ کسی ایسے متوقع فیصلے کے خلاف اپیل دائر کرنے کا پروگرام بنا رہے ہیں....."

"ہمارے قانونی ماہرین کہتے ہیں کہ آپ کی موکلہ کو موت کی سزا....."

"اپنے مستقبل کے بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے مسٹر ڈیوڈ.....؟"

ڈیوڈ کسی سوال کا جواب دیئے بغیر اپنی کار میں بیٹھ گیا۔ اس نے انجن سٹارٹ کیا اور کار ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔

☆

اگلی صبح عدالتی کارروائی کا آغاز ہوتے ہی مقدمے پر اختتامی بحث شروع ہوگئی۔ استغاثہ کا وکیل برنن بحث سمیٹتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس کی نظریں جیوری کے اراکین پر مرکوز تھیں۔

''خواتین و حضرات! آج آپ قانون کی تاریخ کو ایک نیا موڑ دینے جا رہے ہیں۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ملزمہ عام لوگوں سے مختلف ہے اور وہ ان بھیانک اور گھناؤنے جرائم کی ذمے دار نہیں، جن کی وہ مرتکب ہوئی ہے، اور آپ اسے بے گناہ قرار دے کر چھوڑ دیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر شخص قتل جیسا سنگین جرم کرنے کے بعد یہ کہہ کر بچ نکلے گا کہ یہ جرم اس نے نہیں، اس کے اندر چھپی ہوئی پراسرار دوہری شخصیت نے کیا ہے۔ ہر زانی، ڈاکو اور قاتل اپنے جرم سے انکار کر دے گا اور سارا الزام اس پراسرار دوہری شخصیت پر عائد کر دے گا جو بقول اس کے اس کے اندر چھپی بیٹھی ہے۔ جبکہ حقیقت میں ایسی کسی چیز کا وجود ہی نہیں ہے۔ آپ ذہین اور باشعور لوگ ہیں۔ تصورات کی دنیا میں نہیں بستے۔ حقیقت کی اس دنیا میں رہتے ہیں جہاں ہر لمحے ایک محیر العقول اور ناقابل یقین واقعہ رونما ہوتا ہے۔ اس کیس میں بھی بہت سی باتیں بظاہر ناقابل یقین لگتی ہیں لیکن ان کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کیس کی حقیقت ان تصویروں میں ہے جو آپ دیکھ چکے ہیں۔ ان آدمیوں کو کسی روح یا پراسرار دوہری شخصیت نے قتل نہیں کیا بلکہ انہیں آپ کے سامنے بیٹھی ہوئی ملزمہ عاشی جمیل نے اپنے ہوش و حواس میں رہتے ہوئے بڑی بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔

معزز اراکین جیوری! فاضل وکیل دفاع نے اپنی موکلہ کو بچانے کے لئے جو کوشش کی ہے اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ ایسے مقدمات پہلے بھی عدالتوں میں پیش ہوتے رہے ہیں اور ہر وکیل اپنے موکل کو بچانے کی کوشش کرتا رہا ہے لیکن حقیقت سے نظریں کبھی نہیں چرائی جا سکتیں۔ آپ کو نرس ویلری کا وہ کیس بھی یاد ہوگا جس میں ویلری نامی اس نرس نے ایک معصوم بچے کو بے دردی سے قتل کرنے کے بعد جرم کا اعتراف کرنے کی بجائے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ یہ جرم اس کے اندر چھپی ہوئی پراسرار دوہری شخصیت نے کیا تھا اور وہ خود بے گناہ ہے۔ عدالت نے اسے مجرم قرار دیتے ہوئے موت کی سزا سنائی تھی۔

ملزمہ عاشی جمیل کی درد بھری کہانی سن کر مجھے بھی اس سے ہمدردی ہوگئی تھی۔ یہ واقعی افسوس کی بات ہے کہ ایک معصوم اور حسین لڑکی اپنے اندر چھپی ہوئی بعض پراسرار شخصیات کے ہاتھوں کھلونا بنی رہے۔ میرا خیال ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی ایسی خوفناک صورت حال کا سامنا کرنا پسند نہیں کرے گا کہ ہمارے اندر چھپی ہوئی ایک پراسرار شخصیت لوگوں کو قتل کرتی پھرے اور ہم اس سے قطعی لاعلم رہیں۔ اگر میرے ساتھ کوئی ایسی صورت حال ہوتی تو میں خوف سے ادھ موا ہو چکا ہوتا لیکن.....'' اس نے مڑ کر عاشی کی طرف اشارہ کیا۔ ''لیکن ملزمہ بالکل خوفزدہ نہیں ہے۔ اس پر رتی برابر اثر نہیں ہے۔ وہ شاندار صاف ستھرا لباس پہنتی ہے۔ سلیقے سے بال بناتی ہے اور میک اپ کرتی ہے۔ وہ کسی طرح بھی خوفزدہ نظر نہیں آتی۔ وہ سمجھتی ہے کہ آپ لوگ اس کی کہانی پر یقین کر کے اسے بری کر دیں گے۔ کوئی بھی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ دوہری شخصیت کے مرض کا کوئی وجود ہے یا نہیں۔ اس لئے اس کا فیصلہ ہمیں خود کرنا ہوگا۔

وکیل صفائی نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ یہ پراسرار کردار ملزمہ کے اندر موجود ہیں جو اس کے ذہن پر قابض ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ایک کردار ہے پشپا دھیرن، جو انگلینڈ میں پیدا ہوئی۔ دوسری صوفیہ جو اٹلی میں پیدا ہوئی۔ یہ سب ہیں تو ایک ہی شخصیت لیکن ان کی پیدائش مختلف اوقات میں مختلف ممالک میں ہوئی اور ان تینوں کے مذاہب بھی مختلف ہیں۔ آپ کو اس صورت حال پر حیرت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو لیکن مجھے اچنبھا ضرور ہے۔ میں نے تو ملزمہ کو ایک موقع دیا تھا کہ وہ اپنے اندر کی ان پراسرار شخصیات کو ہمارے سامنے لائے تاکہ ہم اس کی کہانی کی صداقت کو تسلیم کر سکیں۔ لیکن وہ ایسا نہیں کر سکی۔ مجھے اس پر کوئی حیرت نہیں ہوئی کیونکہ دوہری شخصیت کے مرض کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہماری اس ریاست کیلی فورنیا کا قانون ایم پی ڈی یعنی دوہری شخصیت کے مرض کو ذہنی بیماری کے طور پر تسلیم کرتا ہے؟ صرف کیلی فورنیا ہی نہیں، امریکہ کی کوئی بھی ریاست یا وفاقی قانون ایم پی ڈی کو تسلیم نہیں کرتا اور کسی ملزم کو ایم پی ڈی کے نام پر اپنے دفاع کا حق نہیں دیا جاتا۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ یہ سزا سے بچنے کا ایک فرضی اور افسانوی عذر ہے۔

وکیل صفائی آپ کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ملزمہ کے اندر دو پراسرار شخصیات چھپی ہوئی ہیں اور کوئی بھی اس مجرمانہ فعل کی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ملزمہ صرف ایک ہے، عاشی جمیل! جو آپ کے سامنے کمرہ عدالت میں موجود ہے۔ ہم کسی شک و شبے کے بغیر یہ ثابت کر چکے ہیں کہ عاشی جمیل قاتل ہے لیکن ملزمہ کا دعویٰ ہے کہ اس نے کوئی جرم نہیں کیا۔ یہ سنگین جرائم کسی اور نے کیے تھے۔ اس کے اندر چھپی ہوئی ان پراسرار شخصیات نے

جنہوں نے لوگوں کو قتل کرنے کے لئے اس کا جسم مستعار لے لیا تھا۔ کیا یہ دلچسپ بات نہ ہوئی کہ ہم سب کے اندر بھی کوئی دوہری شخصیت ہوتی اور ہم اس سے وہ کام بھی لیتے جن کی معاشرہ ہمیں اجازت نہیں دیتا۔ کیا آپ ایک ایسی دنیا میں رہنا پسند کریں گے جہاں لوگ آزادی سے ایک دوسرے کو قتل کرتے پھریں اور پھر یہ کہیں کہ آپ مجھے کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ جرم میں نے نہیں، میرے اندر کی دوہری شخصیت نے کیا ہے اور آپ میری اس دوہری شخصیت کو بھی سزا نہیں دے سکتے کہ وہ میں ہی ہوں اور میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔

لیکن یہ کیس کسی خیالی یا تصوراتی شخصیت کے خلاف نہیں ہے جس کا کوئی وجود نہ ہو۔ ملزمہ عاشی جمیل ایک زندہ اور حقیقی انسان ہے جس نے بڑی بے رحمی اور سفاکی سے تین آدمیوں کو قتل کیا ہے اس لئے استغاثہ عدالت سے ملزمہ کے لئے سزائے موت کا مطالبہ کرتا ہے۔ شکریہ!"

برٹن نے ایک بار پھر اراکین جیوری کی طرف دیکھا اور اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔

"کیا وکیل صفائی کچھ کہنا چاہتے ہیں؟" جج نے ڈیوڈ کی طرف دیکھا۔

ڈیوڈ اپنی جگہ سے اٹھ کر جیوری باکس کے سامنے چلا گیا اور اراکین جیوری کے چہروں کا جائزہ لینے لگا اور ان چہروں پر اب بھی اسے نفرت کے ہی سائے نظر آئے تھے۔

"معزز اراکین جیوری!" وہ انہیں مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ یہ کیس ہم سب کے لئے بڑا کٹھن اور مشکل ثابت ہوا ہے۔ آپ نے ان ماہرین نفسیات کے بیانات سنے جو ایم پی ڈی جیسی ذہنی الجھنوں میں مبتلا مریضوں کا علاج کر چکے ہیں اور ان ماہرین کو بھی سنا جن کے بقول اس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ آپ میں سے نہ تو کوئی ڈاکٹر ہے اور نہ ہی ماہر نفسیات۔ اس لئے ہمیں یہ توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ آپ اس نازک اور حساس مسئلے پر اپنے طور پر کوئی فیصلہ کریں گے۔ گزشتہ روز میں نے جو رویہ اختیار کیا تھا اس کے لئے بھی میں آپ خواتین و حضرات سے معافی چاہتا ہوں۔ میں اپنی موکلہ عاشی جمیل پر اس لئے چیخا چلایا تھا کہ اسے اپنے اندر کی دوہری شخصیات کو باہر لانے پر مجبور کرنا چاہتا تھا۔ میں ان دوہری شخصیات سے بات کر چکا ہوں۔ میں جانتا ہوں ان کا وجود ہے۔ پیشا اور صوفیہ فرضی نام نہیں۔ یہ دونوں پراسرار شخصیات عاشی کے اندر موجود ہیں اور جب چاہیں اس کے دماغ کو اپنے قابو میں کر سکتی ہیں۔ عاشی بالکل بے خبر ہے کہ اس نے کوئی جرم کیا ہے۔

"جیسا کہ میں اس مقدمے کی کارروائی کے آغاز کے موقع پر ہی یہ کہہ چکا ہوں کہ کسی نہ کسی پر تو فرسٹ ڈگری قتل کا الزام عائد کرنا تھا اور اس کے لئے مادی شہادت اور مقصد جرم کا ہونا ضروری ہے لیکن یہاں قتل جیسے سنگین جرم کا کوئی مقصد ابھی تک سامنے نہیں آیا۔ دراصل

اس جرم کا کوئی محرک ہے ہی نہیں۔ خواتین و حضرات! قانون یہ کہتا ہے کہ استغاثہ کو کسی شبے کی گنجائش کے بغیر یہ ثابت کرنا ہے کہ ملزم نے جرم کیا ہے۔ وہ مجرم ہے لیکن آپ میری اس بات سے اتفاق کریں گے کہ اس کیس میں معقول تعداد میں شبہات موجود ہیں۔

جہاں تک ثبوت کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ استغاثہ کو جائے وارداتوں سے عاشی جمیل کی انگلیوں کے نشانات ملے ہیں لیکن جائے وارداتوں پر انگلیوں کے ان نشانات کی موجودگی ہمیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔ عاشی جمیل پڑھی لکھی اور ذہین خاتون ہے۔ اگر وہ قتل جیسا قبیح و سنگین جرم کرتی ہے اور یہ بھی چاہتی ہے کہ پکڑی نہ جائے تو کیا وہ اتنی بے وقوف ہو سکتی ہے کہ ہر واردات کے وقت اپنی انگلیوں کے نشان چھوڑ دے۔ اس کا جواب ہے نہیں۔"

ڈیوڈ تیس منٹ تک اپنے موقف پر بحث کرتا رہا۔ آخر میں اس نے ایک بار پھر اراکین جیوری کے چہروں کو دیکھا۔ اسے امید کی کوئی کرن دکھائی نہیں دی۔ وہ گہرا سانس لیتا ہوا اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

جج ٹریا نے اراکین جیوری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ پورا کیس آپ لوگوں نے سنا۔ اب میں قانون کے مطابق آپ لوگوں کو کچھ ہدایات دینا چاہتی ہوں۔ امید ہے آپ لوگ میری باتیں پوری توجہ سے سنیں گے۔" وہ تقریباً بیس منٹ تک بولتی رہی اور اراکین جیوری کو سمجھاتی رہی کہ قانون انہیں کس بات کی کہاں تک اجازت دیتا ہے۔ آخر میں وہ کہہ رہی تھی۔

"اگر آپ میں سے کسی کو کوئی سوال کرنا ہو یا کسی بیان کا کوئی حصہ دوبارہ سننا چاہتے ہوں تو بتا دیا جائے۔ عدالت ہر طرح سے آپ خواتین و حضرات سے تعاون و مدد کرنے کو تیار ہے۔ اور اب آپ لوگ جیوری روم میں جا سکتے ہیں۔ عدالت جیوری کے فیصلے تک برخاست کی جاتی ہے۔"

جیوری کے اراکین اپنی سیٹوں سے اٹھ کر جیوری روم میں چلے گئے اور ڈیوڈ سوچ رہا تھا کہ جیوری کسی حتمی نتیجے تک پہنچنے میں جتنا زیادہ وقت لے گی، عاشی کے لئے اتنے ہی زیادہ امکانات ہوں گے۔

جیوری کے اراکین پینتالیس منٹ بعد اپنی سیٹوں پر واپس آ گئے۔

ڈیوڈ اور عاشی گہری نظروں سے جیوری کے اراکین کو دیکھ رہے تھے۔ عاشی کا چہرہ پتھر کی طرح ہو رہا تھا اور ڈیوڈ کے جسم کے مسام بھی پسینہ اگل رہے تھے۔

"کیا جیوری کسی نتیجے پر پہنچ چکی ہے؟" جج ٹریا نے پوچھا۔

''یس یور آنر!'' ایک ممبر نے جواب دیا۔

''تو اپنا فیصلہ بیلف کے حوالے کر دیں پلیز!'' جج نے کہا۔

بیلف نے کاغذ لے کر جج کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جج کاغذ کی تہہ کھولنے لگی۔ اس وقت کمرہ عدالت پر ایسا گہرا سناٹا تھا کہ اگر سوئی بھی گرتی تو اس کی آواز دور تک سنی جا سکتی تھی۔ جج نے کاغذ دیکھنے کے بعد بیلف کے توسط سے جیوری کے فورمین کو لوٹا دیا۔

''اونچی آواز میں پڑھ کر سنایئے۔'' جج نے کہا۔

جیوری فورمین ٹھہرے ہوئے لہجے میں پڑھنے لگا۔ ''ہم اراکین جیوری، پہلے کیس، ریاست کیلی فورنیا بنام عاشی جمیل کی ملزمہ عاشی جمیل کو پینل کوڈ سیکشن 187 کے تحت ستیش مہتہ کے قتل کا مجرم قرار دیتے ہیں۔''

کمرہ عدالت میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ عاشی کے چہرے کے تاثرات بگڑنے لگے۔ اس نے آنکھیں سختی سے بند کر لیں۔

''ریاست کیلی فورنیا بنام عاشی جمیل کے دوسرے کیس میں ملزمہ عاشی جمیل کو پینل کوڈ سیکشن 187 کے تحت ڈپٹی شیرف دلیر سنگھ کا قاتل قرار دیا جاتا ہے۔

تیسرے کیس میں ریاست کیلی فورنیا بنام عاشی جمیل کیس میں بھی ملزمہ عاشی جمیل کو پینل کوڈ سیکشن 187 کے تحت رچرڈ ملٹن کا قاتل قرار دیا جاتا ہے اور ملزمہ کو ان تین مقدمات میں فرسٹ ڈگری قتل کی مجرمہ قرار دیا جاتا ہے۔''

ڈیوڈ کو سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے عاشی کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ویرانی تھی اور چہرہ اس طرح سفید پڑ گیا تھا جیسے سارا خون نچڑ گیا ہو۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ عاشی کے چہرے پر رکھ دیا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس کے ہونٹوں کو حرکت نہیں ہو سکی۔

''جیوری کی رائے مقدمے کے ریکارڈ میں شامل کر لی جائے گی۔'' جج کہہ رہی تھی۔ ''میں جیوری کے تمام اراکین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اب جیوری کو ڈس مس کرنے کا اعلان کرتی ہوں۔ کل عدالت میں ملزمہ کے صحیح الدماغ ہونے یا نہ ہونے پر بحث کی جائے گی اور پھر فیصلہ سنایا جائے گا۔''

ڈیوڈ پلک جھپکے بغیر عاشی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی کرسی پر بیٹھی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اور پھر دو محافظ اسے اپنے ساتھ لے گئے۔ ان میں سے ایک نے اسے بازو سے پکڑ کر سہارا دے رکھا تھا۔

جج اپنی کرسی سے اٹھ کر چیمبر میں چلی گئی۔ اس نے مڑ کر ڈیوڈ کی طرف دیکھا تک نہیں تھا۔ اس کا اب تک کا طرزِ عمل ڈیوڈ کو یہ باور کرانے کے لئے کافی تھا کہ کل صبح اس کا فیصلہ کیا ہوگا۔ وہ جان گیا تھا کہ عاشی کو موت کی سزا سنائی جانے والی تھی۔

☆

"ڈیوڈ! تم ٹھیک تو ہو نا؟" ٹیلی فون پر سینڈرا کی آواز سن کر ڈیوڈ نے فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

"ہاں! میں ٹھیک ہوں۔ تم کیسی ہو سینڈرا؟" اس نے لہجے کو خوشگوار بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"میں تھوڑی دیر پہلے ٹی وی پر خبریں دیکھ چکی ہوں۔ جج ثریا کے رویے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جانبداری سے کام لے رہی ہے۔ اسے تم پر پابندی لگانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ تم اپنی موکلہ کے مفاد میں بول رہے تھے۔"

ڈیوڈ خاموش رہا۔

"مجھے افسوس ہے ڈیوڈ! کاش میں اس وقت تمہارے پاس ہوتی۔ ویسے میں ڈرائیو کر سکتی ہوں اور....."

"نہیں! ایسی کوئی حماقت مت کرنا۔" ڈیوڈ جلدی سے بولا۔ "تمہاری حالت ایسی ہے کہ ہم کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ کیا آج تم ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں؟"

"ہاں! اس نے کہا ہے کہ کسی بھی دن....."

"اپنا خیال رکھنا سینڈرا!" ڈیوڈ نے کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد جیسی کا فون آ گیا۔

"مجھے ذرا جوش آ گیا تھا۔" ڈیوڈ نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

"تم نے جو کچھ بھی کیا، اس کا مجھے افسوس ہے۔ لیکن جج ہی صحیح نہیں ہے۔ تم نے کیا، کیا تھا جو وہ شروع ہی سے تمہارے خلاف ہو رہی ہے؟" جیسی بولا۔

"دراصل وہ مقدمہ چلانا نہیں چاہتی تھی۔" ڈیوڈ نے جواب دیا۔ "اس نے شروع ہی میں کہا تھا کہ اگر عاشی اعتراف جرم کر لے تو اسے عمر قید کی سزا سنا کر بات ختم کی جا سکتی ہے۔ لیکن میں نے یہ بات نہیں مانی تھی۔"

☆

ٹی وی کے تمام چینلز کے قانونی ماہرین اس کیس کا جائزہ لیتے ہوئے تبصرہ کر رہے تھے۔ عدالت میں ڈیوڈ کا رویہ بھی زیر بحث تھا۔ ایک نیٹ ورک پر ایک ماہر قانون کہہ رہا تھا۔

"میں نے کسی وکیل صفائی کو اپنے ہی موکل پر اس طرح چیختے دھاڑتے ہوئے نہیں دیکھا۔ مسٹر ڈیوڈ کا یہ رویہ دیکھ کر عدالت میں موجود ہر شخص دنگ رہ گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مسٹر ڈیوڈ کا اپنی موکلہ کے ساتھ رویہ بہت ہی غیر مناسب....."

ڈیوڈ نے ٹی وی بند کر دیا۔

"یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟" وہ سوچ رہا تھا۔ "زندگی تو بہت حسین ہوتی ہے۔ اس کا انجام بھی خوشگوار ہونا چاہئے لیکن میری وجہ سے اس کی زندگی داؤ پر لگی ہوئی ہے۔ مجھ پر پابندی لگائی جانے والی ہے۔ ایک نیا مہمان ہمارے گھر آنے والا ہے اور میں بے روزگار ہو رہا ہوں۔"

رات دھیرے دھیرے بیت رہی تھی۔ وہ اپنے ہوٹل کے کمرے میں تنہا بیٹھا تاریکی میں گھور رہا تھا۔ وہ زندگی میں کبھی اتنا مایوس نہیں ہوا تھا۔ وہ چشم تصور سے عدالت میں پیش آنے والا منظر دیکھ رہا تھا۔

"تم میری عدالت میں ملزمہ کو ہپنا ٹائز نہیں کر سکتے۔"

اگر جج مجھے عاشی کو عدالت میں ہپنا ٹائز کرنے کی اجازت دے دیتی تو جیوری کے اراکین اس کی باتیں سن کر اور اسے دیکھ کر یقیناً قائل ہو جاتے۔ لیکن اب بہت دیر ہو چکی ہے۔ سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔

"کون کہتا ہے سب کچھ ختم ہو چکا ہے؟" اس کے اندر سے ایک آواز اُبھری۔ اب میں اور کچھ نہیں کر سکتا۔

"تمہاری موکلہ بے گناہ ہے اور کیا تم اسے مر جانے دو گے؟"

"پلیز! مجھے تنہا چھوڑ دو۔" وہ بے اختیار کراہ اُٹھا۔

جج ثریا کے الفاظ اس کے ذہن میں گونج رہے تھے۔

"تم اسے میری عدالت میں ہپنا ٹائز نہیں کر سکتے۔"

تین الفاظ ڈیوڈ کے دماغ میں دھماکے سے پیدا کرنے لگے۔ میری عدالت میں۔

صبح پانچ بجے کے قریب ڈیوڈ اُچھل کر بستر سے اتر آیا۔ اس نے دو مختلف جگہوں پر فون کئے۔ دونوں مرتبہ دیر تک باتیں کرتا رہا اور آخر کار فون بند کر دیا۔ وہ کھڑکی کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ سپیدہ سحر نمودار ہو رہا تھا۔ "یہ اچھا شگون ہے۔" ڈیوڈ نے سوچا۔ "ہم یقیناً جیت جائیں گے۔"

☆

ڈیوڈ ایک کباڑیئے کی دکان میں داخل ہوا تو دکاندار فوراً ہی اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں مسٹر ڈیوڈ؟" دکاندار نے ڈیوڈ کو پہچان لیا تھا۔

"مجھے دراصل ایک فولڈنگ سکرین کی ضرورت ہے۔ تمہارے پاس ایسی کوئی چیز مل سکتی ہے یا....."

"کیوں نہیں جناب!" دکاندار نے جواب دیا۔ "یہ پرانی چیزوں کی دکان ہے۔ آپ کو اصل چیز تو نہیں مل سکتی لیکن....."

"جو کچھ بھی ہے دکھاؤ! لیکن ذرا جلدی۔" ڈیوڈ بولا۔

دکاندار ڈیوڈ کو دکان کے اندرونی حصے میں لے گیا۔ یہاں ایک شیلف میں کئی فولڈ شدہ سکرینیں رکھی ہوئی تھیں۔ دکاندار نے جو پہلی سکرین دکھائی، وہی ڈیوڈ کو پسند آ گئی۔

"یہ سکرین کس پتے پر بھجوانی ہو گی جناب؟" دکاندار نے پوچھا۔

"میں خود ساتھ لے کر جا رہا ہوں۔" ڈیوڈ نے جیب سے پرس نکالتے ہوئے جواب دیا۔

ڈیوڈ کا اگلا سٹاپ ایک ہارڈ ویئر سٹور تھا جہاں سے اس نے ایک سوئس فوجی چاقو خریدا اور اس کے پندرہ منٹ بعد وہ فولڈ کی ہوئی سکرین بغل میں دبائے کورٹ ہاؤس کی عمارت میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ محافظ کی میز کے قریب رک گیا۔

"میں نے عاشی جمیل کے انٹرویو کے لئے گولڈ برگ کا چیمبر استعمال کرنے کی خصوصی اجازت حاصل کی ہے۔ جج گولڈ برگ چھٹی پر ہیں تو ان کا کمرہ کھول دو۔"

"تمام انتظام ہو چکا ہے سر! مجھے حکم مل چکا ہے کہ آپ سے تعاون کیا جائے۔" محافظ نے جواب دیا۔ "ڈاکٹر سنتوش شرما اور ان کا دوسرا ساتھی پہلے ہی وہاں پہنچ چکے ہیں۔ آپ چلئے، میں مس عاشی کو لے کر آتا ہوں۔"

"شکریہ!" ڈیوڈ کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

☆

جج گولڈ برگ کا کمرہ خاصا وسیع و عریض تھا اور اس میں ڈیوڈ کی ضرورت کی ہر چیز بھی موجود تھی۔ کھڑکی کے رخ پر ایک میز اور اس کے پیچھے گھومنے والی کرسی۔ ایک دیوار کے قریب چمڑے کا کاؤچ اور چند کرسیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ ڈیوڈ جب کمرے میں داخل ہوا تو ڈاکٹر سنتوش شرما ایک اور آدمی کے ساتھ پہلے ہی وہاں موجود تھا۔

"سوری ڈاکٹر! میں کچھ لیٹ ہو گیا۔" ڈیوڈ نے باری باری ان کی طرف دیکھتے ہوئے

کہا۔

"یہ آئیورسن ہے۔" ڈاکٹر شرما نے دوسرے آدمی کا تعارف کرایا۔ "تم نے جو کہا تھا وہ تمام مہارتیں اس کے اندر موجود ہیں۔"

"عاشی بھی آ رہی ہے۔" ڈیوڈ نے کہا۔ پھر آئیورسن کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "وہ جگہ ہمارے لئے کیسی رہے گی؟"

"اتفاق سے میں نے بھی اسی جگہ کا انتخاب کیا ہے۔" آئیورسن نے کہا اور کمرے کے اس کونے میں جا کر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

چند منٹ بعد محافظ بھی عاشی کو لے کر پہنچ گیا۔

"میں بھی موجود رہوں گا مسٹر ڈیوڈ!" محافظ نے کہا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" ڈیوڈ نے کہا۔ اور پھر عاشی کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "بیٹھ جاؤ عاشی!" عاشی ایک کرسی پر بیٹھ گئی تو ڈیوڈ نے کہا۔ "اب تک جو کچھ بھی ہوا، مجھے اس کا افسوس ہے عاشی! لیکن گھبراؤ نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

عاشی نے سر ہلا دیا۔ اس کا چہرہ اب بھی خوف کی تہہ میں چھپا ہوا تھا۔

"ابھی ہم نے سب کچھ نہیں کھویا۔ ہمارے پاس اب بھی ایک موقع ہے۔" ڈیوڈ نے کہا۔

عاشی نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی نظروں میں ویرانی کے ساتھ بے یقینی بھی تھی۔

"عاشی!" ڈیوڈ بولا۔ "ڈاکٹر شرما تمہیں ہپناٹائز کرنا چاہتے ہیں۔"

"نہیں!" عاشی جلدی سے بولی۔ "اب اس سے کیا ہو گا؟"

"میری خاطر!" ڈیوڈ بولا۔ عاشی کندھے اچکا کر رہ گئی۔ ڈیوڈ نے ڈاکٹر سنتوش شرما کو اشارہ کیا۔

"ہم پہلے بھی کئی مرتبہ یہ عمل دہرا چکے ہیں۔" ڈاکٹر سنتوش شرما آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ "تمہیں صرف اتنا کرنا ہے کہ آنکھیں بند کر لو اور اپنے تمام اعضاء ڈھیلے چھوڑ دو۔ ذہن سے سارے خیالات نکال دو۔ تم سونا چاہتی ہو اور تمہیں نیند آ رہی ہے۔"

دس منٹ بعد ڈاکٹر سنتوش شرما نے ڈیوڈ کی طرف دیکھا۔ "عاشی اب مکمل طور پر ٹرانس میں ہے۔"

ڈیوڈ، عاشی کے قریب آ گیا۔ اس کے دل کی دھڑکن بے ربط ہو رہی تھی۔ "میں پشپا سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" وہ عاشی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ جواب میں خاموشی رہی۔ ڈیوڈ

قدرے اونچی آواز میں بولا۔ ''باہر آؤ پشپا! تم میری آواز سن رہی ہو؟ صوفیہ! تم بھی سامنے آؤ۔ میں تم دونوں سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

خاموشی طاری رہی۔

''تم دونوں جواب کیوں نہیں دیتیں؟'' ڈیوڈ اس مرتبہ چیخا۔ ''کیا تم ڈر رہی ہو؟ آج عدالت میں جیوری نے جو کچھ بھی کہا وہ تم دونوں نے سنا تھا۔ عاشی کو مجرم قرار دے دیا گیا ہے اور تم دونوں اس لئے عدالت میں بھی سامنے نہیں آئی تھیں۔ تم بزدل ہو پشپا..... بزدل۔''

وہ گہری نظروں سے عاشی کے چہرے کو دیکھ رہے تھے مگر کوئی ردعمل ظاہر نہیں ہوا۔ ڈیوڈ نے پریشان نظروں سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر بھی پریشان نظر آ رہا تھا۔ وہ دو قدم اٹھا کر عاشی کے قریب پہنچ گیا۔

☆

عدالت کی کارروائی شروع ہونے والی تھی۔ عاشی، ڈیوڈ کے قریب کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر خوف کے سائے کچھ اور گہرے ہو گئے تھے۔ ڈیوڈ کے ایک ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

''یور آنر!'' ڈیوڈ نے کھڑے ہو کر جج ثریا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ کی اجازت سے میں ایک نئی شہادت پیش کرنا چاہتا ہوں۔''

''بالکل نہیں!'' وکیل استغاثہ برتن چیختے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''یہ فیصلہ مجھے کرنے دو مسٹر برتن!'' جج نے برتن کو گھورتے ہوئے کہا۔ پھر ڈیوڈ کی طرف گھوم گئی۔ ''مقدمے کی کارروائی ختم ہو چکی ہے۔ جیوری تمہاری موکلہ کے خلاف اپنی حتمی رائے کا اظہار کر چکی ہے اور.....''

''میں انسانیت کے نام پر اجازت طلب کر رہا ہوں یور آنر'' ڈیوڈ نے کہا۔

''دس منٹ..... صرف دس منٹ یور آنر!''

وقت کی قدر تو شاید تم جانتے ہی نہیں مسٹر ڈیوڈ! تم پہلے ہی نہ صرف اپنا بلکہ عدالت اور سب کا بہت سا وقت ضائع کر چکے ہو۔ ٹھیک ہے!'' جج نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہیں آخری موقع دے رہی ہوں۔ صرف دس منٹ۔ اس سے ایک سیکنڈ بھی زیادہ نہیں۔''

ڈیوڈ جج کے ساتھ اس کے چیمبر میں آ گیا۔ برتن بھی سائے کی طرح ان کے ساتھ لگا چلا گیا تھا۔

''میں نے تمہیں صرف دس منٹ دیئے ہیں۔ کیا کہنا چاہتے ہو مسٹر ڈیوڈ!''

''میں آپ کو ایک چھوٹی سی فلم دکھانا چاہتا ہوں یور آنر!'' ڈیوڈ بولا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی فلم کا اس معاملے سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟'' برتن نے کہا۔

''میں بھی کچھ نہیں سمجھ سکی۔ بہرحال! اب تمہارے پاس صرف نو منٹ رہ گئے ہیں مسٹر ڈیوڈ!'' جج نے کہا۔

ڈیوڈ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر انہیں اندرونی دروازے سے ایک اور کمرے میں لے آیا جہاں آئیورسن، سولہ ملی میٹر کا پروجیکٹر اور پورٹ ایبل سکرین لئے کھڑا تھا۔

''وہاں، اسی جگہ سیٹ کر دو۔ جلدی!'' ڈیوڈ نے آئیورسن سے کہا۔

آئیورسن نے سکرین سٹینڈ پر لگا دی اور دیوار کے ساکٹ میں پروجیکٹر کا پلگ بھی لگا دیا۔

''اگر آپ اجازت دیں تو کھڑکیوں کے شیڈز گرا دوں؟'' ڈیوڈ بولا۔

''تم جو کرنا چاہتے ہو، جلدی کر لو'' جج نے ناگوار سے لہجے میں جواب دیا۔ ''تمہارے پاس اب صرف سات منٹ رہ گئے ہیں۔''

پروجیکٹر آن کر دیا گیا۔ جج گولڈ برگ کے چیمبر کا منظر سکرین پر نظر آنے لگا اور اس منظر میں ڈیوڈ اور ڈاکٹر سنتوش شرما کرسی پر بیٹھی ہوئی عاشی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اور پھر ڈاکٹر شرما کی آواز ابھری۔

''عاشی اب مکمل طور پر ٹرانس میں ہے۔''

ڈیوڈ عاشی کے قریب آ گیا۔ ''میں پشپا سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

ڈیوڈ کی آواز سنائی دی۔ ''باہر آؤ پشپا..... تم میری آواز سن رہی ہو؟ صوفیہ..... تم بھی باہر آؤ۔ میں تم دونوں سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

خاموشی طاری رہی۔

جج ثریا کرسی پر بیٹھی سکرین کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات نمایاں تھے۔ ڈیوڈ اب چیخ رہا تھا۔

''تم دونوں جواب کیوں نہیں دیتیں؟ کیا تم ڈر رہی ہو؟ آج عدالت میں جیوری نے جو کہا، وہ تم دونوں نے بھی سنا ہے۔ عاشی کو مجرم قرار دے دیا گیا ہے۔ تم دونوں اس لئے عدالت میں سامنے نہیں آئی تھیں۔ تم بزدل ہو پشپا..... بزدل!''

جج ثریا ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ ''بس! بہت ہو چکا۔ میں ایسے ڈرامے پہلے بھی دیکھ چکی ہوں۔ تمہارا وقت ختم ہو رہا ہے مسٹر ڈیوڈ!''

''ایک منٹ!'' ڈیوڈ بولا۔ ''آپ نے ابھی کچھ نہیں.....''

''اب سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔'' جج ثریا نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

اچانک کمرے میں ایک گیت کی آواز سنائی دینے لگی۔ جج ایک دم پیچھے مڑ گئی اور سکرین کی طرف دیکھنے لگی۔ عاشی کا چہرہ بالکل بدل چکا تھا۔ اب وہ عاشی نہیں، پشپا تھی اور پشپا کہہ رہی تھی۔

''ہاں! میں واقعی خوفزدہ تھی۔ اس لئے عدالت میں اپنی پناہ گاہ سے باہر نہیں آئی۔ لیکن کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تمہارے کہنے پر سامنے آ جاتی؟ تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟ ایک تربیت یافتہ کتیا جو اشاروں پر چلتی رہے؟''

جج ثریا چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے دوبارہ اپنی جگہ پر آ گئی اور غیر یقینی سی نگاہوں سے سکرین کی طرف دیکھنے لگی۔

''میں نے ان تمام احمقوں کی باتیں سنی ہیں۔'' پشپا نے کہتے ہوئے استغاثہ کے ایک گواہ کی نقل بھی اتاری۔ ''میں نہیں سمجھتا کہ دوہری شخصیت کا کوئی وجود ہے۔ احمق کہیں کا.....''

عاشی کا چہرہ ایک بار پھر تبدیل ہونے لگا۔ اب اس کے چہرے پر ایک بڑا معصوم سا اطالوی چہرہ اُبھر آیا تھا۔ وہ بولی تو لہجہ بھی اطالوی تھی۔ وہ صوفیہ تھی جو کہہ رہی تھی۔ ''مسٹر ڈیوڈ! تم نے عدالت میں وہ سب کچھ کیا جو تم کر سکتے تھے۔ تمہاری کوششیں قابلِ تعریف ہیں۔ میں تو عدالت میں تمہاری مدد کے لئے آنا چاہتی تھی لیکن پشپا نے مجھے زبردستی روک لیا تھا۔''

جج خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ اس وقت کچھ عجیب سی کیفیت کی عکاسی کر رہا تھا۔

عاشی کی آواز اور چہرہ ایک بار پھر بدل گیا۔

''تم بیوقوف ہو سکتی ہو۔ میں نہیں!'' اس نے کہا۔ اور یہ آواز پشپا کی تھی۔

''پشپا!'' ڈیوڈ نے اسے مخاطب کیا۔ ''اگر عاشی کو موت کی سزا ہو جاتی ہے تو تمہارے خیال میں تمہارا کیا ہو گا؟''

''نہیں! عاشی کو موت کی سزا نہیں ہو گی۔'' پشپا نے جواب دیا۔ ''عاشی نے کچھ نہیں کیا۔ وہ تو ان تینوں آدمیوں میں سے کسی کو جانتی بھی نہیں تھی۔''

''لیکن صوفیہ ان سب کو جانتی ہے۔'' ڈیوڈ بولا۔ ''انہیں تم نے اور صوفیہ نے قتل کیا ہے۔ صرف جان لینے پر ہی اکتفا نہیں کیا، انہیں مردانگی کی علامت سے بھی محروم کر دیا۔ تم اور صوفیہ.....''

''تم کچھ نہیں جانتے۔'' پشپا نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''صوفیہ بزدل ہے۔ وہ کچھ نہیں

کر سکتی۔ انہیں قتل میں نے کیا تھا۔ وہ اس سے بھی کڑی سزا کے مستحق تھے۔ تم انہیں جانتے تھے۔ وہ سب انسان نہیں، پرلے درجے کے شیطان تھے۔ ہوس کے غلام تھے اور اپنے اندر بھڑکتی ہوئی آگ کو بجھانا چاہتے تھے۔'' وہ خاموش ہو کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ پھر بولی۔ ''وہ عورت کو صرف ایک کھلونا سمجھتے تھے جس سے وہ کھیلنا چاہتے تھے، انہیں سزا ملنی چاہئے تھی۔ اور میں نے انہیں یہ سزا دی۔ لیکن کوئی بھی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ انہیں میں نے قتل کیا ہے۔ سارا الزام تو عاشی پر آئے گا۔ مگر اسے بھی موت کی سزا نہیں ہو سکتی۔ اسے جیل کی کسی کوٹھری میں ڈال دیا جائے گا اور ہم اطمینان سے وہاں زندگی گزار دیں گے اور.....''

پشپا ایک دم خاموش ہو گئی۔ کمرے میں ایک طرف لگی ہوئی سکرین کے پیچھے کہیں سے کلک کی آواز سنائی دی تھی اور پشپا یہ آواز سن کر ہی چونکی تھی۔

''یہ..... یہ کیا ہے؟ یہ آواز کیسی تھی؟'' وہ بولی۔

''کچھ نہیں!'' ڈیوڈ نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔

لیکن پشپا مطمئن نہیں ہوئی۔ وہ اٹھ کر سکرین کی طرف لپکی جس کے پیچھے کیمرہ چھپایا گیا تھا۔ سکرین میں کیمرے کی آنکھ کے لئے چھوٹا سا سوراخ کر دیا گیا تھا۔ پشپا آگے بڑھی تو اس کا چہرہ کلوز اپ میں آ گیا۔ سٹینڈ پر سکرین پر اب صرف اس کا چہرہ ہی دکھائی دے رہا تھا۔

''اوہ..... لعنت ہو تم پر! تم نے اس سکرین کے پیچھے کیمرہ چھپا رکھا ہے۔''

پشپا کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔ وہ ایک دم ڈیوڈ کی طرف گھوم گئی۔ ''تت..... تم..... کتے کے بچے..... تم..... دھوکے سے.....'' میز پر کاغذ کاٹنے کا سٹیل کے بلیڈ والا چاقو رکھا ہوا تھا۔ پشپا نے لپک کر وہ چاقو اٹھا لیا اور چیختی ہوئی ڈیوڈ پر حملہ آور ہوئی۔ ''میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ قتل کر دوں گی تمہیں۔''

ڈیوڈ نے اسے قابو میں کرنے کی کوشش کی لیکن غصے میں بپھری ہوئی پشپا اس وقت چوٹ کھائی ہوئی شیرنی سے زیادہ غضب ناک ہو رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے چاقو کا پھل ڈیوڈ کے ہاتھ میں پیوست ہو گیا۔

پشپا نے دوبارہ حملے کرنے کے لئے چاقو والا ہاتھ اوپر اٹھایا۔ اس سے پہلے کہ وہ حملہ کرتی کمرے میں کھڑا ہوا محافظ تیزی سے اس کی طرف لپکا۔ اس نے پشپا کو گرفت میں لینا چاہا مگر پشپا نے زوردار دھکا دے کر اسے فرش پر گرا دیا۔ اسی لمحے کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک باوردی پولیس آفیسر کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے یہ خطرناک صورت حال دیکھی تو وہ بھی پشپا کی طرف لپکا۔ پشپا نے اس کے پیٹ میں زوردار لات رسید کر دی اور وہ بھی چیختا ہوا ایک

طرف گرا۔ دو اور پولیس والے شور سن کر دوڑتے ہوئے اندر آ گئے۔ اس دوران میں پہلا پولیس آفیسر بھی سنبھل چکا تھا اور پھرتیوں نے بڑی مشکل سے پشپا کو گرفت میں لے کر کرسی پر بٹھا دیا۔ پشپا اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے بری طرح چیخ چلا رہی تھی۔

ڈیوڈ کے ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا۔

''ڈاکٹر.....خدا کے لئے اسے ہوش میں لاؤ۔ جلدی کرو!'' ڈیوڈ زخمی ہاتھ کو جھٹکتے ہوئے چیخا۔

''عاشی.....عاشی!'' ڈاکٹر سنتوش شرما آگے بڑھتے ہوئے بولا۔''میری آواز سن رہی ہو۔ اب تم جاگ جاؤ گی۔ پشپا جا چکی ہے۔ اب تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے عاشی! میں تین تک گنوں گا اور.....''

ڈاکٹر شرما گنتی گن رہا تھا۔ سب کی نظریں عاشی پر لگی ہوئی تھیں۔ اس کا چہرہ بتدریج پرسکون ہوتا چلا گیا۔

''کیا تم میری آواز سن رہی ہو عاشی؟'' ڈاکٹر بولا۔

''ہاں!'' جواب ملا۔ یہ عاشی کی آواز تھی جو میلوں دور سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

''تمہاری نیند پوری ہو گئی ہے۔ اب تم آنکھیں کھول دو۔ کیسا محسوس کر رہی ہو؟'' ڈاکٹر نے کہا۔

عاشی نے آنکھیں کھول دیں۔''میں بہت تھکی ہوئی ہوں۔ میں نے کچھ بتایا؟'' اس نے باری باری ڈاکٹر اور ڈیوڈ کی طرف دیکھا۔

جج ثریا کے کمرے میں لگی ہوئی سکرین تاریک ہو گئی۔ ڈیوڈ نے آگے بڑھ کر کمرے کی بتیاں بجھا دیں۔

''بہت اچھی پرفارمنس تھی۔'' وکیل استغاثہ برتن نے کہا۔ اس کے لہجے میں طنز نمایاں تھا۔

''میرے خیال میں آسکر ایوارڈ ملنا چاہئے۔''

''شٹ اپ!'' جج ثریا نے اسے جھڑک دیا۔

برتن اچھل پڑا۔ وہ عجیب سی نظروں سے جج کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنے لئے جج کے اس رویے کی توقع ہرگز نہیں تھی۔ چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر جج ڈیوڈ کی طرف گھوم گئی۔

''مسٹر ڈیوڈ!'' وہ مدھم لہجے میں بولی۔''کیا میری طرف سے معذرت قبول نہیں کرو گے؟''

ڈیوڈ کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ وہ اپنے آپ کو ایک دم بہت ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا

تھا۔

☆

کمرہ عدالت کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ جج ثریا، اپنی کرسی پر بیٹھی کہہ رہی تھی۔''دونوں معزز وکلاء اس بات پر آمادہ ہیں کہ وہ معروف ماہر نفسیات ڈاکٹر سنتوش شرما، جنہوں نے مدعا علیہ کا تفصیلی معائنہ کیا ہے، کے فیصلے کو تسلیم کریں گے اور عدالت کا فیصلہ یہ ہے کہ مس عاشی جمیل بے گناہ ہے۔ اس نے کوئی جرم نہیں کیا۔ عدالت اسے قتل کے الزام سے باعزت بری کرتے ہوئے یہ حکم دیتی ہے کہ ذہنی امراض کے کسی اچھے ہسپتال میں اس کا سرکاری خرچ پر علاج کروایا جائے۔ اور اس کے ساتھ ہی عدالت برخاست کی جاتی ہے۔''

ڈیوڈ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔ یہ اس کی زندگی کا اہم ترین کیس تھا، جو آخر کار اس نے جیت لیا تھا۔ اظہار تشکر کے لئے اس کے پاس الفاظ نہیں تھے۔

''شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں مسٹر ڈیوڈ!'' جج نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں نے انصاف کے تقاضے پورے کئے ہیں۔ کیس کے دوران میں تمہارا رویہ اگرچہ بعض اوقات قابل اعتراض رہا ہے لیکن میں اب تمہارے خلاف کوئی ایکشن نہیں لے رہی۔''

''شکریہ یور آنر!'' ڈیوڈ نے کہا۔ اور پھر آگے بڑھ کر سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔''کامیابی کے انعام کے طور پر قدرت ایک دو روز میں ہمیں ایک انمول تحفے سے نوازنے والی ہے۔''

جج مسکرا کر رہ گئی۔

☆

''مسٹر ڈیوڈ!'' ڈاکٹر سنتوش شرما کہہ رہا تھا۔''میری ایک تجویز ہے، مجھے زیادہ توقع تو نہیں لیکن اگر تم ایسا کوئی بندوبست کر سکو تو یہ عاشی کے حق میں بہتر ہو گا۔''

''وہ کیا'' ڈیوڈ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''کنکلی کٹ نفسیاتی ہسپتال دوہری شخصیت کے علاج کے لئے خاصی شہرت رکھتا ہے۔''

ڈاکٹر شرما نے کہا۔''وہاں کا انچارج ڈاکٹر لیوی سن میرا دوست ہے۔ ویسے بھی وہاں ایک مسلمان ڈاکٹر موجود ہے۔ ڈاکٹر محسن کو دوہری شخصیت کے علاج کا ماہر سمجھا جاتا ہے۔ وہ عاشی کو بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے۔ اگر تم جج ثریا کو آمادہ کر لو، عاشی کو وہاں بھیجنے کا بندوبست ہو سکے تو یہ عاشی کے حق میں بہتر ہو گا۔''

''شکریہ ڈاکٹر!'' ڈیوڈ بولا۔''میں کوشش کروں گا کہ جج ہماری یہ تجویز مان لے۔''

☆

''اس میں شکریہ ادا کرنے کی کوئی بات نہیں ڈاکٹر!'' ڈیوڈ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں آپ کا احسان مند تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ کے کسی کام آ سکا۔''

''تم نے واقعی بہت ذہانت کا ثبوت دیا ہے۔'' ڈاکٹر سلطان نے کہا۔ ''لیکن ایک موقع پر تو میں پریشان ہو گیا تھا۔''

''پریشانی تو مجھے بھی ہوئی تھی۔'' ڈیوڈ مسکرایا۔ ''لیکن اچانک ہی ذہن میں ایک بات آ گئی۔ ڈاکٹر سنتوش شرما نے میرا بڑا ساتھ دیا۔''

''خدا کا شکر ہے کہ سارا معاملہ بحسن وخوبی نمٹ گیا۔ اب میری بیٹی کا علاج بھی ہو سکے گا۔'' ڈاکٹر سلطان نے کہا۔

''ہاں!'' ڈیوڈ بولا۔ ''ڈاکٹر شرما نے اسے کنکٹی کٹ نفسیاتی ہسپتال بھیجنے کا مشورہ دیا ہے۔ وہاں کے ڈاکٹر ایم پی ڈی کے علاج میں خصوصی مہارت رکھتے ہیں۔ وہاں ایک مسلمان ڈاکٹر بھی ہے۔ وہ بہتر طور پر عاشی کا علاج کر سکے گا۔''

''ڈاکٹر محسن کا نام تو میں نے بھی سن رکھا ہے۔ خدا کرے، میری بیٹی ٹھیک ہو جائے۔'' ڈاکٹر سلطان نے کہا۔

''میں جج سے بات کروں گا۔ اس نے عاشی کو کنکٹی کٹ بھیجنے کا حکم دے دیا تو علاج میں کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔'' ڈیوڈ نے جواب دیا۔

اور جب ڈاکٹر سلطان جمیل رخصت ہونے لگا تو اس نے ایک لفافہ ڈیوڈ کی طرف بڑھا دیا۔ ڈیوڈ مسکرا دیا۔ اس کی ساری مشکلیں دور ہو رہی تھیں۔

☆

''اب میں تمہارے لئے کیا کر سکتی ہوں مسٹر ڈیوڈ؟'' جج ثریا نے سوالیہ نگاہوں سے ڈیوڈ کی طرف دیکھا۔

''عاشی کے سلسلے میں آپ کے تعاون اور ہمدردی کی ضرورت ہے یور آنر!''

''مجھے واقعی اس لڑکی سے ہمدردی ہے۔ قانون جہاں تک مجھے اجازت دے گا، میں اس کی مدد ضرور کروں گی۔ کہو! میں کیا کر سکتی ہوں؟'' جج نے کہا۔

ڈیوڈ چند لمحے خاموش رہا۔ پھر ڈاکٹر شرما کی تجویز کے بارے میں بتانے لگا۔

''یہ ایک غیر معمولی بات ہو گی۔'' جج نے کہا۔ ''کیلی فورنیا میں بھی تو بڑے اچھے اچھے ماہرین نفسیات موجود ہیں۔''

''ٹھیک ہے یور آنر!'' ڈیوڈ کے لہجے میں مایوسی تھی۔ وہ واپس جانے کے لئے مڑ گیا۔

''میں نے انکار نہیں کیا مسٹر ڈیوڈ!'' جج کی آواز سن کر وہ رُک گیا۔

''تمہاری درخواست اگرچہ غیر معمولی ہے۔ لیکن یہ کیس بھی بہت غیر معمولی ہے۔''

ڈیوڈ خاموش کھڑا اس کے بولنے کا منتظر رہا۔

''میں تمہاری درخواست منظور کرتے ہوئے عاشی کو علاج کے لئے کنکٹی کٹ بھیجنے کے احکامات جاری کر دوں گی۔'' جج نے کہا۔

''شکریہ یور آنر!'' ڈیوڈ مسکرا دیا۔

☆

اپنی کوٹھری میں عاشی خاموش بیٹھی خالی خالی سی نظروں سے سامنے دیوار کو گھور رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بے پناہ مایوسی تھی اور وہ سوچ رہی تھی۔ مجھے موت سے بھی بدتر سزا دی گئی ہے۔ مجھے ایک لمبی مدت کے لئے ایک ایسی جیل میں بند کر دیا جائے گا جہاں پاگل بھرے ہوئے ہوں گے۔ اس سے تو اچھا ہوتا کہ مجھے موت ہی کی سزا دے دی گئی ہوتی۔ زندگی کے ساتھ دکھوں کا تو خاتمہ ہو جاتا۔ یہ سب کچھ سوچتے ہوئے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں اور وہ سسکیاں بھرنے لگی۔

اسی لمحے دروازہ کھلا اور اس کے ڈیڈی ڈاکٹر سلطان جمیل اندر داخل ہوئے۔ وہ چند لمحے دروازے کے قریب ہی کھڑے اس کی طرف دیکھتے رہے۔

''بیٹی!'' وہ آگے بڑھ کر اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ ''سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اب تم زندہ رہو گی۔''

''میں زندہ نہیں رہنا چاہتی۔'' عاشی نے بے بسی سے سر ہلا دیا۔

''ایسا مت کہو بیٹی!'' ڈاکٹر سلطان جمیل بولے۔ ''معمولی سا ذہنی مرض ہے جو قابل علاج ہے۔ اور تمہارے علاج کا بندوبست ہو رہا ہے۔ تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی اور اس کے بعد میرے پاس ہی رہو گی۔ اب میں تمہیں اکیلا بالکل نہیں رہنے دوں گا۔''

عاشی خاموش بیٹھی ان کی طرف دیکھتی رہی۔

''میں جانتا ہوں کہ اس وقت تمہارے احساسات کیا ہوں گے۔ لیکن سب ٹھیک ہو جائے گا اور پھر کوئی دکھ بھی میری بیٹی کے قریب نہیں آئے گا۔'' ڈاکٹر سلطان اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ''اب میں چلتا ہوں۔ پھر آؤں گا تم سے ملنے کے لئے۔'' وہ چند لمحے وہاں رکے رہے کہ شاید عاشی کچھ کہے۔ لیکن وہ خاموش رہی۔

''ڈیوڈ نے بتایا تھا کہ تمہیں کنکٹی کٹ کے نفسیاتی ہسپتال میں بھیجا جانے والا ہے۔ میں

وہاں بھی تم سے ملنے کے لئے آتا رہوں گا۔'' ڈاکٹر نے جھک کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

''میں اس بات کا خیال رکھوں گا کہ وہاں تمہیں کوئی تکلیف نہ ہو۔''

ڈاکٹر سلطان جمیل چلے گئے اور عاشی سوچتی رہی کہ وہ مر کیوں نہیں جاتی؟ ایک گھنٹے بعد ڈیوڈ آ گیا۔

''ہیلو عاشی! تم ٹھیک ہو نا؟'' ڈیوڈ نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''میں پاگل خانے نہیں جانا چاہتی۔ میں مرنا چاہتی ہوں۔ ایسی زندگی کا عذاب اب مجھ سے برداشت نہیں ہوگا۔ میری مدد کرو ڈیوڈ..... پلیز!''

''سب ٹھیک ہو جائے گا عاشی!'' ڈیوڈ نے اسے تسلی دی۔ ''ماضی کے خوفناک سیاہ بادل چھٹ گئے ہیں اور ایک روشن مستقبل تمہارا منتظر ہے۔'' اس نے عاشی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''تم نے مجھ پر اعتماد کیا ہے اب بھی بھروسہ رکھو۔ بہت جلد تم ایک نارمل اور خوشگوار زندگی گزارنے لگو گی۔''

عاشی جواب دینے کی بجائے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

''کہو! تمہیں مجھ پر اعتماد ہے، اور مسکراؤ۔'' ڈیوڈ بولا۔

''مجھے تم پر..... اعتماد ہے۔'' عاشی نے رُک رُک کر کہا۔ لیکن کوشش کے باوجود وہ ہونٹوں پر مسکراہٹ نہیں لا سکی تھی۔

''گڈ گرل!'' ڈیوڈ مسکرا دیا۔ ''تمہاری ایک نئی زندگی کا آغاز ہو رہا ہے۔ پرسکون اور خوشگوار زندگی۔''

☆

مقدمے کے فیصلے کا اعلان ہوتے ہی گویا ایک طوفان سا آ گیا۔ اخبارات نے خصوصی ضمیمے شائع کیے۔ ریڈیو اور ٹی وی پر بھی خصوصی پروگرام نشر کیے جانے لگے۔ ڈیوڈ ہیرو بن گیا تھا۔ اس نے ایک مشکل ترین کیس لیا تھا اور جیت گیا تھا۔

ڈیوڈ نے سینڈرا کو یہ خوشخبری سنانے کے لئے فون کیا تو وہ اس کی آواز سنتے ہی بولی۔ ''مجھے معلوم ہو چکا ہے ڈارلنگ! ابھی ابھی ٹی وی پر دیکھ چکی ہوں۔ میں بہت خوش ہوں۔ مجھے تم پر فخر ہے۔ ڈارلنگ! تم کیسے ہو؟''

''میں اپنے جذبات کو الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔'' ڈیوڈ نے جواب دیا۔ ''وہ بھیانک خواب ختم ہو گیا۔ اب میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔ آج ہی رات واپس آ رہا ہوں۔''

''میں تمہارا انتظار کروں گی۔'' سینڈرا نے جواب دیا۔

ڈیوڈ نے فون بند کر دیا اور پھر اسی شام سان فرانسسکو پہنچ گیا۔ اسی رات خدا کی طرف سے ایک ایسا انعام ملا جس پر وہ دونوں میاں بیوی خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ نومولود کا نام جیفری رکھا گیا۔

☆

ڈیوڈ جب بیری کارپوریٹ لا ایسوسی ایٹس کے دفتر میں داخل ہوا تو بڑی گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا گیا۔ ہر شخص اسے مبارک باد دے رہا تھا۔ وہ مسکراتا اور ہاتھ ہلاتا ہوا اس کمرے میں آ گیا جہاں بیٹھ کر کام کیا کرتا تھا۔ ہولی اس وقت چھٹی کر کے جا چکی تھی۔ ڈیوڈ، میز کی درازوں سے اپنی ذاتی چیزیں نکالنے لگا۔

''ڈیوڈ!''

آواز سن کر اس نے مڑ کر دیکھا۔ بیری دروازے میں کھڑا تھا۔ وہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر آگے بڑھ آیا۔

''یہ کیا کر رہے ہو ڈیوڈ؟'' بیری نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''اس مقدمے کی کارروائی کے دوران میں مجھے یہاں کی ملازمت سے فارغ کر دیا گیا

تھا۔ اپنے ذاتی استعمال کی چیزیں لے جا رہا ہوں۔'' ڈیوڈ نے جواب دیا۔

''ملازمت سے فارغ کر دیا گیا تھا؟'' بیری کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''بالکل نہیں ڈیوڈ! یقیناً کوئی غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم نے تمہیں کمپنی کا پارٹنر بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے اور آج سہ پہر تین بجے تمہارے لئے ایک پریس کانفرنس کا انتظام بھی کیا گیا ہے۔''

''کیا واقعی؟'' ڈیوڈ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''بالکل!'' بیری مسکرا دیا۔

''آپ کو یہ پریس کانفرنس منسوخ کرنی پڑے گی مسٹر بیری!'' ڈیوڈ نے جواب دیا۔ ''میں نے فوجداری قانون کی پریکٹس جاری رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ جیسی نے تو مجھے پارٹنر شپ کی پیشکش بھی کی ہے۔ آپ کے ساتھ بھی کبھی کوئی ایسا مسئلہ ہو تو اس ناچیز کو یاد کر لیجئے گا۔ اور جہاں تک آپ کی پارٹنر شپ کا تعلق ہے تو اسے کسی ایسی جگہ چھپا کر رکھئے کہ سورج کی روشنی بھی نہ پڑ سکے۔''

ڈیوڈ نے اپنی چیزیں سنبھالیں اور بیری کا انتظار کئے بغیر دفتر سے باہر نکل گیا۔

☆

''بہت خوبصورت فلیٹ ہے۔'' جیسی نے شاندار فلیٹ کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

''شکریہ جیسی!'' ڈیوڈ مسکرا دیا۔

اس وقت نرسری روم سے بچے کے رونے کی آواز سنائی دی اور سینڈرا تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اس طرف چلی گئی۔ ڈیوڈ اور جیسی ایک اور کمرے میں آ گئے جہاں کارنس پر خوبصورت فریم میں ایک بچے کی تصویر لگی ہوئی تھی۔

''بہت خوبصورت فریم ہے۔ کہاں سے آیا؟'' جیسی نے پوچھا۔

''جج ٹریسا نے تحفہ بھیجا ہے۔'' ڈیوڈ نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے دوست!'' جیسی بولا۔ ''چند روز تم آرام کر لو اور پھر باقاعدگی سے دفتر میں بیٹھنا شروع کر دو۔''

''ہم اوریگن جانے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔'' ڈیوڈ بولا۔ ''سینڈرا کے والد بھی بڑی بے چینی سے ہمارا اور جونیئر کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''چلے جاؤ! مگر جلدی آ جانا کیونکہ.....'' جیسی چند لمحوں کو خاموش ہوا۔ پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''اتفاق سے آج ہی ہمارے پاس ایک کیس آیا ہے۔ ایک عورت پر اپنے دو بچوں کے قتل کا الزام ہے۔ میرا خیال ہے وہ بے گناہ ہے۔ میں ایک اور کیس کے سلسلے میں

واشنگٹن جا رہا ہوں۔ تم اوریگن سے واپس آ جاؤ تو اس عورت سے مل لینا۔ میرا خیال ہے تم اس کیس کو سنبھال لو گے۔''

☆

ویسٹ پورٹ سے پندرہ میل کے فاصلے پر واقع کنکٹی کٹ نفسیاتی ہسپتال اور اس سے ملحقہ جاگیر دراصل ولم بیکر نامی ایک جاگیردار کی ملکیت تھی۔ یہ عمارت اس نے 1910ء میں اپنی رہائش گاہ کے طور پر تعمیر کروائی تھی۔ عمارت کے ارد گرد چالیس ایکڑ رقبہ تھا جو کسی مرغزار کا منظر پیش کرتا تھا۔ وسط میں اس مرکزی عمارت کے علاوہ ایک عدد ورکشاپ، گھوڑوں کے لئے اصطبل، مویشیوں کے باڑے کے علاوہ ایک بہت بڑا سوئمنگ پول بھی تھا۔ 1925ء میں یہ جائیداد حکومت نے خرید لی تھی اور عمارت میں تبدیلیاں کر کے اسے سو بستر کا ہسپتال بنا دیا تھا۔ اس وسیع و عریض رقبے کے چاروں طرف خاردار تاروں کی اونچی باڑ لگا دی گئی تھی۔ مرکزی گیٹ پر ایک گارڈ روم بھی تھا جہاں ہر وقت محافظ موجود رہتے تھے۔ عمارت کی تمام کھڑکیوں پر لوہے کی موٹی موٹی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ عمارت کا ایک حصہ ایسا بھی تھا جسے سکیورٹی ایریا کہا جاتا تھا۔ یہاں خطرناک مریضوں کو رکھا جاتا تھا۔

ڈاکٹر لیوی سن اس ہسپتال کا انچارج تھا۔ اس ہسپتال میں کئی ماہر نفسیات اور ذہنی امراض کے معالج موجود تھے جو اپنے اپنے شعبے میں خاصی شہرت رکھتے تھے۔ ڈاکٹر لیوی سن اس وقت ایک دفتر میں اپنے دو ماتحتوں ڈاکٹر کریگ اور ڈاکٹر محسن رضا کے ساتھ ایک اہم میٹنگ میں مصروف تھا۔ یہ میٹنگ ایک ایسی مریضہ کے بارے میں تھی جو ابھی ہسپتال نہیں پہنچی تھی۔

ڈاکٹر محسن رضا کی عمر چھیالیس کے لگ بھگ تھی۔ وہ درمیانے قد کا ایک صحت مند آدمی تھا۔ سیاہ آنکھوں میں مقناطیسی چمک تھی۔ دوہری شخصیات والے مریضوں کے علاج کے حوالے سے اسے خاص شہرت حاصل تھی۔ اسے انسانی نفسیات کے اس شعبے کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔

ڈاکٹر محسن رضا تقریباً بیس سال پہلے امریکہ آیا تھا۔ انسانی نفسیات اس کا موضوع تھا اور اسی میں اس نے اسپیشلائز کیا تھا۔ کچھ عرصہ ریاست پنسلوانیا میں بھی رہا تھا اور جب اسے کنکٹی کٹ ہسپتال کی طرف سے پیشکش ہوئی تو یہاں آ گیا اور کئی برسوں سے یہیں تھا۔

ڈاکٹر لیوی سن کی عمر اگرچہ ستر کے لگ بھگ تھی لیکن اس کی صحت قابل رشک تھی۔ وہ چھوٹے قد کا ایک دبلا پتلا سا آدمی تھا۔ گول داڑھی اس کے چہرے پر بہت اچھی لگ رہی تھی۔ آنکھوں پر نازک سے سنہری فریم والی عینک ٹکی رہتی تھی۔ وہ اس نفسیاتی ہسپتال کا انچارج تھا۔

ڈاکٹر کریگ فوسٹر کئی سال سے ڈاکٹر محسن کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ وہ اس کا معاون خاص

تھا اور ان دنوں دوہری شخصیت کے مرض پر ایک کتاب بھی لکھ رہا تھا۔

وہ تینوں اس وقت عاشی کے ریکارڈ پر اظہار خیال کر رہے تھے۔

اس خاتون کی زندگی اب تک خاصی ہنگامہ خیز رہی ہے۔'' ڈاکٹر لیوی سن نے کہا۔ ''اس کی عمر صرف اٹھائیس سال ہے اور وہ پانچ آدمیوں کو قتل کر چکی ہے۔'' اس نے سامنے رکھے ہوئے کاغذات کی طرف دیکھا۔ ''یہ اپنے وکیل کو بھی قتل کرنے کی کوشش کر چکی ہے۔'' وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر باری باری دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''جب تک مکمل تشخیص نہیں ہو جاتی اور ہم اس کے بارے میں مطمئن نہیں ہو جاتے اسے سکیورٹی وارڈ میں رکھا جائے گا۔''

''وہ یہاں کب پہنچ رہی ہے؟'' ڈاکٹر محسن رضا نے پوچھا۔

اسی وقت انٹر کام کا بزر بجا۔ ڈاکٹر لیوی سن نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے اس کی سیکرٹری تھی۔

''ڈاکٹر لیوی سن!'' وہ کہہ رہی تھی۔ ''وہ لوگ مس عاشی جمیل کو لے آئے ہیں۔ کیا انہیں آپ کے دفتر میں بھیج دیا جائے؟''

''ہاں! بھیج دو۔'' ڈاکٹر نے کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔

☆

یہ طویل سفر بھی کسی بھیانک خواب سے کم نہیں تھا۔

کیس ختم ہونے کے بعد عاشی کو دوبارہ اس کی کوٹھڑی میں پہنچا دیا گیا تھا جہاں وہ تین دن رہی اور اس دوران اس کی کنکٹی کٹ نفسیاتی ہسپتال روانگی کے انتظامات ہوتے رہے۔

اور آخر کار اسے کوٹھڑی سے نکال کر قیدیوں والی بس میں بٹھا کر ایئر پورٹ پہنچا دیا گیا جہاں ایک جہاز اس کا منتظر تھا۔ یہ ڈی سکس طیارہ تھا۔ اسے بھی قیدیوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لانے، لے جانے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ جہاز میں اس کے علاوہ چوبیس قیدی اور بھی تھے اور ان سب کو ہتھکڑیاں اور بیڑیاں لگی ہوئی تھیں۔

عاشی کو بھی ہتھکڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ سیٹ پر بیٹھنے کے بعد اس کے پیروں میں بھی زنجیریں ڈال کر سیٹ کے پائے سے باندھ دی گئیں۔

''مجھے ہتھکڑیاں اور پیروں میں زنجیریں کیوں ڈالی گئی ہیں؟ میں کوئی خطرناک قیدی تو نہیں ہوں۔ میں تو ایک نارمل عورت ہوں۔'' عاشی نے سوچا۔ اور اس کے ساتھ ہی اندر سے ایک سرگوشی اُبھری۔ ہاں! ایسی نارمل کہ پانچ آدمیوں کو قتل کر چکی ہو۔''

جہاز پر دوسرے قیدی پیشہ ور اور خطرناک مجرم تھے۔ ان میں ہر کوئی کسی نہ کسی سنگین جرم کی سزا بھگت رہا تھا۔ قتل، زنا، ڈکیتی اور ایسے درجنوں جرائم ان کے روزمرہ کے معمول میں شامل رہے تھے۔ انہیں مختلف ریاستوں میں واقع ٹاپ سکیورٹی والی جیلوں میں بھیجا جا رہا تھا۔ جہاز پر ان خطرناک قیدیوں میں عاشی واحد عورت تھی۔

ایک قیدی نے عاشی کی طرف دیکھ کر دانت نکال دیئے۔ ''ہائے بے بی! میرے پہلو میں بیٹھ کر ہوائی سفر کا مزہ ہی کچھ اور ہوگا۔''

''اے! اپنی گندی زبان بند رکھو۔'' ایک محافظ نے قیدی کو جھڑک دیا۔

''میرا خیال ہے تم نے اپنی زندگی میں کبھی رومانس نہیں لڑایا۔ ویسے خود ہی سوچو۔ اس حالت میں ہم اس کا بگاڑ بھی کیا سکتے ہیں۔'' اسی قیدی نے کہا اور پھر عاشی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''ویسے تمہیں سزا کیا ہوئی ہے بے بی؟''

''کیسی ہو بہن؟'' دوسرے قیدی نے کہا۔ ''میرے قریب آ کر بیٹھو! میں تمہاری گود میں سر رکھ کر سو جانا چاہتا ہوں۔''

''ایک منٹ!'' تیسرا قیدی چیخا۔ وہ دیر سے گہری نظروں سے عاشی کو دیکھ رہا تھا۔ ''یہ وہی کتیا ہے جس نے پانچ آدمیوں کو قتل کر کے انہیں مردانگی کی علامت سے بھی محروم کر دیا تھا۔''

وہ سب قیدی چونک سے گئے اور اس کے بعد کسی قیدی نے زبان نہیں کھولی البتہ وہ کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھتے ضرور رہے۔

نیویارک کی طرف جاتے ہوئے کچھ قیدیوں کو اتارنے اور کچھ نئے قیدیوں کو لینے کے لئے جہاز نے دو جگہوں پر لینڈ کیا تھا۔ اس طرح سفر خاصا طویل ثابت ہوا تھا۔ اور آخر کار جب جہاز نے لارگا جیا ایئر پورٹ پر لینڈ کیا تو عاشی اپنے آپ کو برسوں کی بیمار محسوس کر رہی تھی۔

عاشی کے پیروں کی زنجیریں کھول کر اسے جہاز سے نیچے اتار لیا گیا۔ رن وے پر ایک ہی پولیس وین کھڑی تھی اور اس کے قریب ہی دو پولیس آفیسر عاشی کا انتظار کر رہے تھے۔ عاشی کو وین میں بٹھا کر اس کے پیروں میں زنجیریں ڈال دی گئیں۔ عاشی نے اس قدر ذلت اور توہین کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ یہ حقیقت تھی کہ وہ اپنے آپ کو بالکل نارمل محسوس کر رہی تھی۔ اس وقت وہ پولیس کے اس طرز عمل سے بڑی ذہنی کوفت میں مبتلا ہو رہی تھی۔ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ فرار ہونے یا کسی کو قتل کرنے کی کوشش کرے گی؟ کیا وہ نہیں جانتے کہ اس کے ماضی کا خوفناک خواب ختم ہو چکا ہے۔ جب اسے عدالت نے بری کرنے کا اعلان کیا تھا تو اسے یقین تھا کہ آئندہ یہ سب کچھ نہیں ہوگا۔ وہ تو وہاں سے بہت دور چلی جانا چاہتی تھی۔

پولیس وین میں سفر کرتے ہوئے اس کی آنکھ لگ گئی۔ جہاز کے طویل سفر نے اسے بری طرح تھکا دیا تھا اور اپنے حواس پر قابو رکھنا اس کے لئے مشکل ہو رہا تھا۔ پھر ایک محافظ نے اسے کندھے سے پکڑ کر جھنجوڑ دیا۔

وہ کنٹکی کٹ ہسپتال کے گیٹ پر پہنچ چکے تھے۔

اس کے کچھ ہی دیر بعد عاشی کو ڈاکٹر لیوی سن کے دفتر میں پہنچا دیا گیا۔

"میں تمہیں کنٹکی کٹ نفسیاتی ہسپتال میں خوش آمدید کہتا ہوں مس عاشی!" ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

عاشی خاموش کھڑی رہی۔ کسی انجانے خوف سے اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر لیوی سن نے اپنے ساتھیوں کا تعارف کرایا اور ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "بیٹھ جاؤ پلیز!" پھر اس نے محافظ کی طرف دیکھا۔ "ہتھکڑیاں کھول دو۔"

عاشی کی ہتھکڑیاں کھول دی گئیں اور وہ کلائیاں سہلاتے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

"مجھے احساس ہے کہ اب تک کی صورت حال تمہارے لئے بہت تکلیف دہ رہی ہوگی۔" ڈاکٹر کریگ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہاں ہم تمہیں آرام پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔" ہمارا اولین مقصد یہ ہے کہ تم جلد سے جلد صحت یاب ہو کر یہاں سے رخصت ہو جاؤ۔"

"اس میں....." عاشی رک رک کر بولی۔ "کتنا عرصہ لگے گا؟"

"فوری طور پر تو اس کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔" اس مرتبہ ڈاکٹر لیوی سن نے کہا۔ "لیکن اگر تمہارا علاج ممکن ہو سکا تو اس میں پانچ چھ سال بھی لگ سکتے ہیں۔"

ڈاکٹر لیوی سن کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ گھونسے کی طرح عاشی کے دل پر لگا۔

"اگر تمہارا علاج ممکن ہو سکا تو اس میں پانچ چھ سال بھی لگ سکتے ہیں۔"

"تھراپی بالکل آسان اور بے ضرر ہے۔" ڈاکٹر لیوی سن نے کہا۔ "ڈاکٹر محسن رضا یہاں تمہارے معالج ہوں گے۔ ہر کومی نیشن میں ہپناٹزم، گروپ تھراپی اور آرٹ تھراپی شامل ہو گی۔ لیکن ذہن میں رکھنے کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم تمہارے دشمن نہیں، دوست ہیں۔ یہاں تمہارے ساتھ بالکل دوستوں جیسا برتاؤ کیا جائے گا۔"

ڈاکٹر محسن رضا گہری نظروں سے عاشی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ "ہم تمہاری مدد کرنا چاہتے ہیں۔" وہ بولا۔ "اور ہماری خواہش ہے کہ تم بھی ہماری مدد کرو۔ تاکہ تمہارے علاج کو زیادہ سے زیادہ آسان اور ممکن بنایا جا سکے۔"

اس کے بعد دیر تک خاموشی رہی۔ ڈاکٹر لیوی سن نے ایک اٹینڈنٹ کو اشارہ کیا۔ اس نے آگے بڑھ کر عاشی کو بازو سے پکڑ لیا۔

"یہ اٹینڈنٹ تمہیں تمہارے کمرے میں پہنچا دے گا۔" ڈاکٹر کریگ نے کہا۔ "ہم بعد میں پھر بات کریں گے۔"

جب عاشی دفتر سے باہر جا چکی تو ڈاکٹر لیوی سن، ڈاکٹر محسن رضا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "کیا خیال ہے ڈاکٹر؟"

"ہمیں ایک ایڈوانٹیج حاصل ہے۔" ڈاکٹر محسن رضا نے جواب دیا۔ "اور وہ یہ کہ ہمیں صرف اس میں موجود دوہری شخصیات پر کام کرنا پڑے گا۔ ویسے آپ کو یاد ہے کسی ایک شخصیت میں زیادہ سے زیادہ کتنی شخصیات کا پتہ چلا تھا؟"

"مجھے وہ عورت کبھی نہیں بھول سکتی۔" ڈاکٹر لیوی سن نے گہرا سانس لیا۔ "مسز برنارڈ۔ نوے شخصیات تھیں اس کے اندر۔"

☆

اس عمارت کو باہر سے دیکھ کر عاشی کے ذہن میں ایسی کوئی بات نہیں آئی تھی۔ لیکن ڈاکٹر لیوی سن کے دفتر سے نکلتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی کہ شاید یہ ذہنی امراض کا ہسپتال، ملک کے دور دراز کسی علاقے میں واقع تنگ اور تاریک جیل سے مختلف نہیں ہوگا۔ مگر اس کا یہ اندیشہ غلط ثابت ہوا۔ کنٹکی کٹ نفسیاتی ہسپتال کسی کلب ہاؤس سے ملتا جلتا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس کی کھڑکیوں میں آہنی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔

اٹینڈنٹ کے ساتھ طویل اور کشادہ راہداریوں میں چلتے ہوئے عاشی تجسس آمیز نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ اس ہسپتال میں داخل دوسرے لوگ آزادی سے اِدھر اُدھر گھوم پھر رہے تھے۔ ان میں ہر عمر کے لوگ شامل تھے۔ اور بظاہر دیکھنے میں وہ سب نارمل اور صحیح الدماغ لگتے تھے۔ تو پھر یہ لوگ یہاں کیوں ہیں؟ عاشی نے سوچا۔ کئی لوگوں نے تو اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے ہیلو اور گڈ مارننگ بھی کہا تھا۔ لیکن عاشی اپنے خیالات میں اس قدر کھوئی ہوئی تھی کہ وہ کسی کی بات کا جواب نہیں دے سکی تھی۔ لیکن وہ اتنا سمجھتی تھی کہ نارمل نظر آنے کے باوجود وہ سب ذہنی مریض ہیں۔ پاگل ہیں۔ وہ اس وقت پاگل خانے میں تھی۔ کیا میں بھی پاگل ہوں؟ وہ یہ سوچ کر کانپ اٹھی۔

وہ ایک بہت بڑے آہنی دروازے کے سامنے پہنچ گئی۔ دروازے میں چند انچ چوڑی ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی۔ دوسری طرف کھڑے ہوئے اٹینڈنٹ نے اس کھڑکی سے انہیں دیکھا اور

اندر کی طرف لگا ہوا سرخ رنگ کا ایک بٹن دبا دیا۔ آہنی دروازہ کھل گیا۔

''یہ مس عاشی جمیل ہے۔'' عاشی کے ساتھ آنے والے نے تعارف کرایا۔

''ہیلو مس عاشی!'' دوسرے اٹینڈنٹ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

ہر چیز بظاہر نارمل لگ رہی تھی۔ لیکن یہاں کچھ بھی نارمل نہیں ہے۔ عاشی نے سوچا۔ یہاں اوپر کی دنیا نیچے اور نیچے کی دنیا اوپر ہے۔ اس آہنی دروازے کی وجہ سے عمارت کا ایک حصہ دوسرے حصے سے بالکل الگ تھلگ ہو گیا تھا۔

''اس طرف آیئے مس عاشی!'' دوسرے اٹینڈنٹ نے کہا۔ اور عاشی اس کے ساتھ چل پڑی۔

اور آخرکار وہ ایک دروازے کے سامنے رُک گئے۔ عاشی اندر داخل ہوئی تو اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ کمرہ جیل کی کوٹھری کی طرح ہوگا جس میں ایک دیوار کے ساتھ لمبا سا تختہ لگا ہوگا جس پر ناریل کی چھال سے بھرا ہوا ایک میلا سا تکیہ بھی رکھا ہوگا۔ لیکن اس کا یہ تصور بھی غلط نکلا۔ یہ کمرہ درمیانے سائز کا تھا۔ دیواروں پر ہلکا نیلا رنگ تھا جس سے آنکھوں میں تراوٹ سی محسوس ہو رہی تھی۔ ایک دیوار کے ساتھ چھوٹا کوچ اور دوسری دیوار کے ساتھ پلنگ تھا جس پر آرام دہ بستر بچھا ہوا تھا۔

''یہ آپ کا کمرہ ہے مس عاشی!'' اٹینڈنٹ نے کہا۔ ''آپ کی چیزیں کچھ دیر میں یہاں پہنچا دی جائیں گی۔''

اٹینڈنٹ باہر چلا گیا۔ اس نے دروازہ بھی بند کر دیا تھا۔ وہ اپنے آپ میں کچھ عجیب سا محسوس کرنے لگی۔ محافظ نے کہا تھا کہ یہ آپ کا کمرہ ہے۔ لیکن اگر میں یہاں نہ رہنا چاہوں تو، اور اگر یہاں سے باہر جانا چاہوں تو؟ ذہن میں یہ خیال آتے ہی وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی دروازے کی طرف چلی گئی۔ اس نے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر گھمایا لیکن دروازہ باہر سے بند تھا۔ وہ کوچ پر بیٹھ گئی اور ذہن میں بکھرے ہوئے خیالات مجتمع کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ مثبت سوچ پر توجہ دینے کی کوشش کر رہی تھی۔

''ہم تمہارا علاج کرنے کی کوشش کریں گے۔''

''ہم تمہارا کامیاب علاج کرنے کی کوشش کریں گے۔''

''ہم تمہارا کامیاب علاج کریں گے۔''

☆

عاشی کو ڈاکٹر محسن رضا کی نگرانی میں دے دیا گیا تھا۔ ڈاکٹر محسن مریض کے اندر اُلجھی ہوئی

ذہنی شخصیات کے علاج کا ماہر تھا۔ اسے اگرچہ کبھی ناکامی کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا لیکن اس کی کامیابیوں کا اوسط کہیں زیادہ تھا۔ عاشی کا کیس بہت زیادہ الجھا ہوا تھا اور اس کے لئے چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا۔ سب سے پہلے تو اسے مریضہ کا اعتماد حاصل کرنا تھا تاکہ وہ دوستانہ ماحول میں ایک دوسرے سے بات کر سکیں اور عاشی بھی اپنے آپ کو ذہنی طور پر کچھ پرسکون محسوس کرتی رہے۔ اس کے بعد اس کے ذہن میں چھپی ہوئی شخصیات کو ایک ایک کر کے باہر لانا چاہتا تھا تاکہ ان سے بات کر کے ان کی موجودگی کی وجہ معلوم کی جا سکے اور انہیں باور کرا دیا جائے کہ اب ان کی ضرورت نہیں رہی اس لئے وہ اس پناہ گاہ کو چھوڑ دیں۔ دراصل یہی وہ موقع ہوتا جسے ایم پی ڈی یعنی دوہری شخصیت کے مرض کے علاج کا کٹھن ترین مرحلہ کہا جاتا ہے۔ اس وقت تمام دوہری شخصیات اور مریض ایک ہی شخصیت کا روپ دھار لیتے ہیں اور انہیں قابو میں کرنا ہی اصل مسئلہ ہوتا ہے۔

''لیکن ابھی ہم اس مرحلے سے بہت دور ہیں۔'' ڈاکٹر محسن نے سوچا۔

اگلے روز صبح عاشی کو ڈاکٹر محسن رضا کے دفتر میں پہنچا دیا گیا۔

''صبح بخیر مس عاشی!'' ڈاکٹر محسن نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا۔

''صبح بخیر ڈاکٹر محسن!'' عاشی نے جواب دیا۔

''بھئی یہ تعلقات مجھے پسند نہیں ہیں۔'' ڈاکٹر محسن رضا نے کہا۔ ''ہم ایک دوسرے کے دوست ہیں اور ہمیں بے تکلف ہو کر ایک دوسرے سے بات کرنی چاہئے۔ میں عمر میں تم سے بڑا سہی مگر تم مجھے محسن کہہ سکتی ہو۔ صرف محسن۔ اور اب بتاؤ کیا محسوس کر رہی ہو؟ کیسا لگ رہا ہے یہ سب کچھ؟''

''لوگ کہتے ہیں کہ میں نے پانچ آدمیوں کو قتل کیا ہے۔ آپ خود ہی سوچیں میرے احساسات کیا ہونے چاہئیں۔'' عاشی نے جواب دیا۔

''کیا تمہیں یاد ہے کہ تم نے ان میں سے کسی کو قتل کیا تھا؟'' ڈاکٹر نے پوچھا۔

''نہیں!'' عاشی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''میں نے تمہارے مقدمے کی فائل پڑھی ہے عاشی!'' ڈاکٹر محسن اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ ''تم نے کسی کو قتل نہیں کیا۔ یہ قتل تو تمہارے اندر چھپی ہوئی ان پراسرار شخصیات نے کئے تھے جنہیں ہم آلٹرز کہہ کر پکاریں گے۔ میں ان آلٹرز سے رابطہ کروں گا اور تمہاری ہی مدد سے انہیں چلے جانے پر مجبور کر دوں گا۔''

''مم..... مجھے یقین ہے۔ آپ ضرور کامیاب ہوں گے۔'' عاشی نے رُک رُک کر کہا۔

''انشاءاللہ ایسا ضرور ہوگا۔'' ڈاکٹر محسن نے کہا۔ ''میں تمہاری مدد کے لئے ہی یہاں بیٹھا ہوں اور ہمیں کامیابی ضرور ہوگی۔ دراصل تمہیں کسی شدید ذہنی کرب سے بچانے کے لئے یہ آلٹرز تمہارے اندر پیدا ہوئے تھے۔ سب سے پہلے تو ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ تمہارا وہ ذہنی کرب کیا تھا اور اس کی وجہ کیا تھی۔ یہ معلوم کرنا بہت ضروری ہے کہ یہ آلٹرز تمہارے اندر کب پیدا ہوئے تھے؟''

''یہ..... یہ آپ کیسے معلوم کریں گے؟'' عاشی نے پوچھا۔ اب وہ ڈاکٹر محسن کی باتوں میں دلچسپی لے رہی تھی۔

''صرف باتوں سے۔ سب کچھ تم پر بتدریج واضح ہوتا چلا جائے گا۔ کسی موقع پر تمہیں ہپنا ٹائز بھی کرنا پڑے گا۔ کبھی سوڈیم ٹیسٹ بھی ہوگا۔ تمہیں پہلے بھی ہپنا ٹائز کیا جا چکا ہے۔ اس میں ڈرنے کی تو کوئی بات نہیں۔''

''ہاں! ڈاکٹر سنتوش شرما نے کئی مرتبہ مجھے ہپنا ٹائز کیا تھا۔'' عاشی نے جواب دیا۔

''یہاں تم پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ہوگا۔ ہمارے پاس بہت وقت ہے اور سب کچھ تمہاری رضا مندی سے ہوگا۔'' ڈاکٹر محسن نے کہا۔ اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ ''اس طرح تمام مرحلے طے ہو جائیں گے اور تم آہستہ آہستہ ٹھیک ہوتی جاؤ گی۔''

وہ تقریباً ایک گھنٹے تک باتیں کرتے رہے۔ اس دوران میں عاشی اپنے آپ کو بہت پر سکون محسوس کرتی رہی۔ جب وہ اپنے کمرے میں واپس آئی تو وہ سوچ رہی تھی کہ ڈاکٹر محسن کا علاج ضرور کامیاب ہوگا اور شاید زندگی میں پہلی مرتبہ اس نے اپنے خالق حقیقی کے سامنے گڑگڑا کر اپنی صحت یابی کے لئے دعا مانگی۔

عاشی کو رخصت کرنے کے بعد ڈاکٹر محسن رضا، ڈاکٹر لیوی من کے دفتر میں پہنچ گیا۔

''میں نے تقریباً ایک گھنٹے تک عاشی سے بات کی ہے۔'' وہ کہہ رہا تھا۔ ''اچھی خبر یہ ہے کہ عاشی اپنے ذہنی مسئلے کو تسلیم کرتی ہے اور علاج کے دوران ہر طرح سے تعاون کرنے کو تیار ہے۔''

''گویا ابتدا ہو چکی ہے۔'' ڈاکٹر لیوی من نے کہا۔ ''بہر حال! مجھے صورت حال سے آگاہ رکھئے۔''

''ضرور۔'' ڈاکٹر محسن نے جواب دیا۔

یہ کیس دراصل ڈاکٹر محسن رضا کے لئے ایک بہت بڑے چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس نے عاشی میں کوئی خاص اور بہت غیر معمولی بات محسوس کی تھی لیکن ابھی وہ اپنے ذہن میں بھی اس

کی وضاحت نہیں کر پا رہا تھا۔ اس نے بہر حال یہ طے کر لیا تھا کہ عاشی کو اس مصیبت سے نجات دلا کر ہی رہے گا۔

عاشی کے ساتھ روزانہ بیٹھک ہوتی تھی۔ گھنٹوں باتیں ہوتی رہتی تھیں لیکن یہ گفتگو کبھی بھی اپنے موضوع سے نہیں ہٹتی تھی۔ ایک ہفتہ گزر گیا۔

''اب میں تمہیں ہپنا ٹائز کرنے جا رہا ہوں۔'' ڈاکٹر محسن اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔ ''اپنے ذہن کو آزاد اور جسمانی اعضا کو بالکل ڈھیلا چھوڑ دو۔ بالکل پر سکون.....''

''نہیں..... رُک جاؤ ڈاکٹر۔'' عاشی ایک دم بول اٹھی۔

''کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟'' ڈاکٹر نے پریشان نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ درجنوں بھیانک خیالات بجلی کے کوندے کی طرح عاشی کے ذہن میں لپکے تھے۔ ڈاکٹر محسن اس کے ذہن میں چھپی ہوئی ان پر اسرار شخصیات کو باہر لانا چاہتا تھا اور اس کے لئے یہ تصور ہی خوفناک تھا۔

''م..... میں..... ان سے نہیں ملنا چاہتی۔'' وہ ہکلائی۔

''تمہیں ان سے ملنے کی ضرورت نہیں۔'' ڈاکٹر محسن نے کہا۔ ''کم از کم اس موقع پر نہیں گھبراؤ نہیں، کچھ نہیں ہوگا۔''

''ٹھیک ہے ڈاکٹر!'' عاشی کے ہونٹوں سے کراہ سی خارج ہوئی۔

''تو پھر تیار ہو تم؟'' ڈاکٹر بولا۔

''ہاں!'' عاشی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''گڈ!'' ڈاکٹر محسن مسکرا دیا۔ اور پھر عاشی کو ہپنا ٹائز کرنے میں پورے پندرہ منٹ لگے تھے۔ جب وہ مکمل طور پر ٹرانس میں آ گئی تو ڈاکٹر محسن نے میز پر رکھے ہوئے ایک کاغذ کی طرف دیکھا۔

پشپا دھیرن اور صوفیہ..... ڈاکٹر محسن کے خیال میں اب وقت آ گیا تھا کہ عاشی کے اندر پوشیدہ کسی ایک شخصیت کو سامنے لانے کی کوشش کی جائے۔

اس نے عاشی کی طرف دیکھا۔ اس کا سر کرسی کی پشت سے لگا ہوا تھا اور وہ گہری نیند میں تھی۔ ڈاکٹر کسی قدر آگے جھک گیا۔

''ہیلو پشپا! کیا تم میری آواز سن رہی ہو؟''

پہلے عاشی کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہوئے پھر نقوش میں تبدیلی آنے لگی۔ چند سیکنڈ بعد وہ ایک بالکل نئی شخصیت کے روپ میں اس کے سامنے تھی۔ اس کے ہونٹوں کو حرکت ہوئی اور وہ ایک گیت گنگنانے لگی۔ ڈاکٹر خاموش کھڑا انتظار رہا۔

'' بہت اچھا گیت ہے پشپا!'' ڈاکٹر محسن نے اس کے خاموش ہوتے پر کہا۔'' بات شروع کرنے سے پہلے میں اپنا تعارف کرا دوں۔ میں ڈاکٹر محسن رضا ہوں۔''

'' میں جانتی ہوں تم کون ہو۔'' پشپا نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

'' تم سے مل کر خوشی ہوئی۔'' ڈاکٹر بولا۔ '' کیا کسی نے کبھی تمہیں یہ بتایا ہے کہ تمہاری آواز بہت اچھی ہے۔''

'' مسکہ لگانے کی کوشش مت کرو۔'' پشپا کا لہجہ بدستور تھا۔

'' میں ٹھیک کہہ رہا ہوں اور میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ تم نے موسیقی کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہے۔''

'' نہیں!'' پشپا نے جواب دیا۔'' میں تو موسیقی کی باقاعدہ تعلیم حاصل کرنا چاہتی تھی لیکن..... بہرحال! چھوڑو اس بات کو۔''

'' میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں پشپا۔''

'' بکواس!'' پشپا نے ناگوار لہجے میں کہا۔'' تم..... تم مجھے اپنی ہوس کا شکار بنانا چاہتے ہو بس اور کچھ نہیں۔''

'' تمہارے ذہن میں ایسا گندا خیال کیوں آیا؟'' ڈاکٹر بولا۔

'' تمام مرد ایک جیسے ہوتے ہیں۔ کسی جوان اور حسین عورت کو دیکھ کر ان کی رال ٹپکنے لگتی ہے۔ ہر مرد وہی چاہتا ہے۔ ٹاٹا!''

'' پشپا..... پشپا!''

خاموشی۔

ڈاکٹر محسن، عاشی کے چہرے کو تکنے لگا۔ اس چہرے پر کوئی بے چینی یا کوئی ایسا تاثر نہیں تھا۔

'' صوفیہ!''

عاشی کے چہرے پر کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔

'' صوفیہ!''

اس مرتبہ بھی کوئی رد عمل ظاہر نہیں ہوا۔

'' صوفیہ! میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں صوفیہ!''

عاشی پر اضطراب کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ وہ کسمسانے لگی۔

'' صوفیہ! باہر آؤ۔''

عاشی نے ایک گہرا سانس لیا اور پھر اس کے ہونٹ حرکت میں آ گئے۔ وہ اطالوی زبان

میں کچھ کہہ رہی تھی۔

'' میری بات سنو صوفیہ..... تم بالکل محفوظ ہو۔''

'' میں بہت تھکی ہوئی ہوں۔'' جواب ملا۔

'' اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ تم ایک بہت کٹھن اور دشوار مرحلے سے گزر کر آئی ہو۔ لیکن اب وہ سب کچھ بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ اب تمہیں کوئی خوف نہیں ہے۔ تمہارا مستقبل بھی بہت پرسکون اور خوشگوار ہوگا۔ کیا تم جانتی ہو اس وقت کہاں ہو؟''

'' یہ کوئی ایسی جگہ ہے جہاں بیمار لوگ رہتے ہیں۔'' صوفیہ نے جواب دیا۔

'' یہی وہ جگہ ہے جہاں تمہارا علاج کیا جائے گا۔'' ڈاکٹر محسن نے کہا۔'' آنکھیں بند کر کے چشم تصور سے اس جگہ کا جائزہ لو تو اس جگہ کے بارے میں تمہارے ذہن میں کیا خیال آتا ہے؟''

'' ہوگراتھ۔ جو پاگل خانے اور ایسی ہی خوفناک چیزیں پینٹ کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔''

'' میں چاہتا ہوں کہ تم ایسی خوفناک چیزوں کے بارے میں نہ سوچو۔'' ڈاکٹر محسن نے کہا۔'' تمہیں کیا چیز پسند ہے؟ یہاں رہتے ہوئے کیا کام کرنا پسند کرو گی؟''

'' مجھے پینٹنگ پسند ہے۔'' صوفیہ نے جواب دیا۔

'' ہم تمہارے لئے کچھ چیزوں کا بندوبست کر دیں گے جس سے تم اپنا یہ ذوق پورا کر سکو.....''

'' نہیں!''

'' کیوں؟'' ڈاکٹر نے پوچھا۔

'' میں کچھ نہیں کرنا چاہتی۔ آرام کرنا چاہتی ہوں۔''

'' صوفیہ..... صوفیہ!'' ڈاکٹر محسن نے پکارا۔ عاشی کا چہرہ ایک بار پھر تبدیل ہونے لگا۔ صوفیہ جا چکی تھی۔ اس نے عاشی کو جگا دیا۔

'' آپ نے اپنا کام شروع نہیں کیا؟'' عاشی نے آنکھیں کھول کر پوچھا۔

'' کام تو ختم بھی ہوگیا۔'' ڈاکٹر محسن نے جواب دیا۔

'' اوہ! کیا رہا؟'' عاشی نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

'' پشپا اور صوفیہ سے میری بات ہوئی ہے۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔'' آغاز اچھا ہے۔ کامیابی بھی جلد ہی ہوگی۔''

اسی روز عاشی کو ڈیوڈ کا خط بھی ملا۔

''ڈیئر عاشی!

امید ہے تمہارا علاج شروع ہو چکا ہوگا اور تم بہت جلد ٹھیک ہو کر واپس آ جاؤ گی۔ یہ مت سوچنا کہ میں تمہیں بھول چکا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں تمہیں اکثر یاد کرتا ہوں۔ ہم دونوں نے قانون کی ایک طویل جنگ لڑی ہے اور یہ جنگ بڑی سخت تھی۔ قدم قدم پر رکاوٹیں تھیں لیکن آخر کار ہم جیت گئے۔

اور ہاں! تمہارے لئے ایک خوشخبری بھی ہے۔ عدالت نے مجھے یقین دہانی کرائی ہے کہ تمہارے خلاف بیڈفورڈ اور کیوبک میں ہونے والے قتل کے الزامات ختم کر دیے جائیں گے۔

میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بلا تکلف خط لکھ دینا۔

تمہاری صحت کے لئے دعا گو۔ ڈیوڈ۔''

اگلے روز صبح ایک بار پھر ڈاکٹر محسن، عاشی کو ہپناٹائز کر کے پشپا سے باتیں کر رہا تھا۔

''اب کیا بات ہے ڈاکٹر؟'' پشپا نے کھردرے لہجے میں پوچھا۔

''تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ دراصل میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔'' ڈاکٹر محسن نے کہا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے۔''

''لیکن مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے پشپا! تم سے کچھ سوالات کے جواب چاہتا ہوں۔ عاشی کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''

''لعنت بھیجو اس پر۔ میری زبان مت کھلواؤ ڈاکٹر!''

''تم اسے پسند نہیں کرتیں؟'' ڈاکٹر نے پوچھا۔

''بالکل نہیں!'' پشپا نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

''ناپسندیدگی کی کوئی وجہ تو ہوگی؟''

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر پشپا کی آواز سنائی دی۔ ''وہ ہر ایک کو زندگی کی خوشیوں سے دور رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ بڑی خشک قسم کی لڑکی ہے۔ اگر میں کبھی کبھار اس پر حاوی نہ ہوں تو ہماری زندگی بھی بوریت کا شکار ہو جائے۔ اسے نہ تو پارٹیوں میں جانا پسند ہے، نہ سیر و تفریح کا شوق ہے اور نہ ہی مردوں سے ملنا جلنا۔''

''اور تمہیں یہ سب پسند ہے؟'' ڈاکٹر محسن نے پوچھا۔

''کیوں نہیں۔'' پشپا نے جواب دیا۔ ''اسی کا نام تو زندگی ہے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ آدمی

سادھوؤں کی طرح گوشہ نشین ہو کر بیٹھ جائے۔ بلکہ آج کل تو سادھو اور پنڈت بھی عیش کرتے ہیں۔''

''تم لندن میں پیدا ہوئی تھیں پشپا! کیا تم اس سلسلے میں کچھ بتانا پسند کرو گی؟'' ڈاکٹر نے پوچھا۔

''میں صرف ایک بات بتا سکتی ہوں کہ کاش اس وقت بھی وہاں ہوتی۔'' اور پھر خاموشی چھا گئی۔ ڈاکٹر نے اسے دو تین مرتبہ پکارا۔ لیکن جواب نہیں ملا۔ پشپا جا چکی تھی۔

''اب میں صوفیہ سے بات کرنا چاہوں گا۔'' ڈاکٹر محسن نے عاشی کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ عاشی کے چہرے پر تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔ ''صوفیہ!'' ڈاکٹر نے آگے جھکتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

''یس!'' فوراً ہی جواب ملا۔

''تم نے میری اور پشپا کی باتیں تو سنی ہوں گی۔'' ڈاکٹر نے پوچھا۔

''ہاں!''

''کیا تم اور پشپا ایک دوسرے کو جانتی ہو؟''

''ہاں! بہت اچھی طرح۔'' جواب ملا۔

''لیکن عاشی تم دونوں میں سے کسی کو نہیں جانتی۔'' ڈاکٹر نے کہا۔ ''کیا تم عاشی کو پسند کرتی ہو؟ کیسی لڑکی ہے وہ؟''

''بس ٹھیک ہی ہے۔'' صوفیہ نے جواب دیا۔

''تم نے اس سے کبھی کوئی بات کیوں نہیں کی؟''

''پشپا نے منع کر رکھا ہے۔''

''کیا تم صرف پشپا کے کہنے پر چلتی ہو؟ تمہاری کوئی رائے نہیں ہے؟''

''پشپا میری دوست ہے۔ لیکن تم یہ پوچھنے والے کون ہوتے ہو؟'' صوفیہ نے جواب دیا۔

اس مرتبہ اس کے لہجے میں ہلکی سی ناگواری تھی۔

''میں بھی تمہارا دوست بننا چاہتا ہوں صوفیہ!'' ڈاکٹر محسن نے کہا۔ ''مجھے اپنے بارے میں کچھ بتاؤ۔ تم کہاں پیدا ہوئی تھیں؟''

''روم میں!''

''کیا روم تمہیں پسند ہے؟'' ڈاکٹر محسن نے پوچھا۔ اس کے ساتھ ہی عاشی کے چہرے کے تاثرات بدلنا شروع ہو گئے تھے۔ وہ رونے لگی۔ ڈاکٹر پریشان ہو گیا۔ وہ آگے کو جھکتے ہوئے

نرم لہجے میں بولا۔ ''گھبراؤ نہیں عاشی! تمہیں کچھ نہیں ہوا۔ اب تم بیدار ہو رہی ہو۔''
عاشی نے آنکھیں کھول دیں۔

''میں نے پشپا اور صوفیہ سے بات کی تھی۔'' ڈاکٹر محسن نے بتایا۔ ''وہ دونوں دوست ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ تم بھی ان کی دوست بن جاؤ۔''

اسی روز جب عاشی دوپہر کا کھانا کھا رہی تھی، ایک میل نرس اس کے کمرے میں داخل ہوا اور فرش پر ایک پینٹنگ پڑی دیکھ کر چونک سا گیا۔ یہ لینڈ اسکیپ تھا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے جھک کر پینٹنگ اٹھائی اور ڈاکٹر محسن رضا کے دفتر میں پہنچ گیا۔

☆

''کیا صورت حال ہے ڈاکٹر محسن؟'' ڈاکٹر لیوی سن نے ڈاکٹر محسن سے پوچھا۔ وہ اس وقت ڈاکٹر لیوی سن کے دفتر میں بیٹھے ہوئے تھے۔

''میں نے عاشی کے اندر کی دونوں آلٹرز سے بات کی ہے۔'' ڈاکٹر محسن رضا نے جواب دیا۔ ''پشپا بالادست ہے۔ وہ لندن کی پیداوار ہے۔ لیکن اس سلسلے میں کوئی بات کرنے کو تیار نہیں۔ دوسری صوفیہ، روم میں پیدا ہوئی تھی اور وہ بھی اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ پشپا کا رویہ خاصا جارحانہ ہے۔ لیکن صوفیہ کسی قدر حساس اور دبلی ہوئی سی ہے۔ اسے پینٹنگ کا شوق ہے لیکن کچھ خوفزدہ بھی ہے اور میں یہی معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ایسا کیوں ہے؟''

''تو آپ کا خیال ہے کہ پشپا ہی عاشی کو اپنے کنٹرول میں رکھتی ہے؟'' ڈاکٹر لیوی سن نے پوچھا۔

''جی ہاں! پشپا ہی وقتاً فوقتاً عاشی پر حاوی ہو جاتی ہے۔'' ڈاکٹر محسن نے جواب دیا۔ ''عاشی ان دونوں کے وجود سے بالکل بے خبر ہے۔ لیکن پشپا اور صوفیہ ایک دوسرے کو جانتی ہیں اور یہ حیرت کی بات ہے پشپا کو گانے کا شوق ہے اور اس کی آواز بھی سریلی ہے۔ جب کہ صوفیہ میں ایک اچھے مصور کی صفات موجود ہیں۔'' اس نے وہ پینٹنگ دکھائی جو میل نرس، عاشی کے کمرے سے لے کر آیا تھا۔ ''میرا خیال ہے ان دونوں کا یہ ٹیلنٹ ہی ہمیں آگے بڑھنے کا راستہ فراہم کرے گا۔''

☆

عاشی کو ہر ہفتے اپنے ڈیڈی کا ایک خط ضرور ملتا تھا۔ خط پڑھنے کے بعد وہ گھنٹوں اپنے کمرے میں خاموش بیٹھی رہتی۔ اس دوران میں اگر اس سے کوئی بات بھی کی جاتی تو وہ کوئی جواب نہ دیتی۔

''یہ خطوط اس کے باپ سے رابطے کا واحد ذریعہ ہیں۔'' ڈاکٹر محسن رضا نے کہا۔ ''میرا خیال ہے ان خطوط کو پڑھنے کے بعد اس کے دل میں یہاں سے نکلنے اور ایک نارمل اور خوشگوار زندگی گزارنے کی خواہش شدید تر ہو جاتی ہے۔ اور ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں ہمارے لئے بڑی مددگار ثابت ہو سکتی ہیں۔''

☆

عاشی اپنے اردگرد کے ماحول سے بتدریج مانوس ہوتی جا رہی تھی۔ پھر دروازے اور راہداری میں اگرچہ محافظ اور خدمت گزار موجود رہتے تھے لیکن بیشتر مریض آزادی سے گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ البتہ میدان کی طرف نکلنے والے گیٹ ہر وقت بند رہتے تھے۔

اس عمارت میں ایک بہت بڑا ریکریشن روم بھی تھا جہاں ٹیلی ویژن کے علاوہ تفریح کا کچھ اور سامان بھی موجود تھا۔ ایک جمنازیم تھا اور ایک بہت بڑا ڈائننگ روم بھی تھا۔ ذہنی امراض کے اس ہسپتال میں بھانت بھانت کے لوگ بھرے ہوئے تھے۔ ان میں جاپانی بھی تھے، چینی بھی، فرانسیسی بھی اور جرمن بھی۔ اگرچہ ہر ممکن کوشش کی گئی تھی کہ یہ عمارت بیمار خانہ نظر نہ آئے۔ لیکن عاشی جب اپنے کمرے میں جاتی اور دروازہ باہر سے بند کر دیا جاتا تو اس کا یہ احساس شدید تر ہو جاتا کہ وہ ہسپتال میں نہیں، کسی جیل میں ہے۔

''یہ ہسپتال نہیں ہے۔'' پشپا نے صوفیہ سے شکایت کی۔ ''جیل ہے۔ یہاں مریضوں کو قیدیوں کی طرح بند رکھا جاتا ہے۔''

''لیکن ڈاکٹر محسن کا خیال ہے کہ وہ عاشی کا علاج کر سکتا ہے۔ اس کے بعد تو ہم یہاں سے نکل سکیں گے۔'' صوفیہ نے کہا۔

''پاگلوں جیسی باتیں مت کرو صوفیہ!'' پشپا نے اسے جھڑک دیا۔ ''کیا اتنی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی کہ عاشی کے کامیاب علاج کے لئے ہم سے نجات حاصل کرنا ضروری ہو گا۔ ہمیں تحلیل کرنے سے ہی عاشی صحت یاب ہو سکتی ہے دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لو کہ عاشی کی دماغی صحت کے لئے ہمیں مرنا ہو گا اور میں کسی صورت میں یہ نہیں ہونے دوں گی۔''

''تو پھر تم کیا کرو گی؟'' صوفیہ نے پوچھا۔

''ہمیں یہاں سے فرار ہونا ہو گا۔'' پشپا نے جواب دیا۔ ''ہمارے زندہ بچنے کا صرف یہی ایک راستہ ہے۔''

اگلے روز صبح ایک خدمت گزار، عاشی کو اس کے کمرے میں چھوڑنے جا رہا تھا۔ اس نے عاشی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آج تو آپ بہت مختلف نظر آ رہی ہیں مس عاشی!''

''کیا واقعی؟ تم مجھے بنا تو نہیں رہے مسٹر بل؟''

''بالکل نہیں مس عاشی!'' بل نے کہا۔ ''آپ کی آواز بھی کچھ بدلی ہوئی سی ہے۔ اس میں سریلا پن.....''

''یہ سب تمہاری وجہ سے ہے مسٹر بل!'' عاشی نے جواب دیا۔ وہ عاشی نہیں، پشپا بول رہی تھی۔

''کیا مطلب؟'' بل اچھل پڑا۔

''میرے اندر اس تبدیلی کی وجہ تم ہو۔'' عاشی نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''جب میں تمہیں اپنے قریب دیکھتی ہوں تو اپنے آپ میں کچھ عجیب سا محسوس کرنے لگتی ہوں۔''

''اب آپ مجھے بنا رہی ہیں مس عاشی!'' بل کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

''نہیں بل! تم کتنے سمارٹ ہو؟ تمہیں دیکھ کر جسم میں سنسناہٹ سی ہونے لگتی ہے اور دماغ میں نشہ سا طاری ہو جاتا ہے۔ تم شادی شدہ ہو؟''

''تھا! میری بیوی نے مجھ سے طلاق لے لی تھی۔'' بل نے جواب دیا۔

''وہ دنیا کی سب سے احمق عورت تھی جس نے تمہیں چھوڑ دیا۔ ویسے تم یہاں کب سے کام کر رہے ہو بل؟'' اس نے پوچھا۔ لہجے میں بے پناہ لگاوٹ تھی۔

''پانچ سال سے۔'' بل نے جواب دیا۔

''پانچ سال بڑی لمبی مدت ہوتی ہے۔ کیا تم نے کبھی یہاں سے باہر جانے کے لئے نہیں سوچا؟''

''کبھی کبھی خیال آتا ہے۔''

''تمہیں اب تک اندازہ ہو گیا ہو گا کہ مجھے کوئی ذہنی مرض نہیں ہے۔'' پشپا نے قدرے مدھم لہجے میں کہا۔ ''جب میں یہاں آئی تھی تو معمولی سی ذہنی الجھن تھی لیکن اب میں بالکل ٹھیک ہو چکی ہوں۔ میں بھی یہاں سے نکلنا چاہتی ہوں اور تم اس معاملے میں میری مدد کر سکتے ہو۔ اگر ہم دونوں یہاں سے نکل جائیں تو میں تمہیں خوش کر دوں گی۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میرا مطلب ہے.....''

''بالکل آسان ہے۔'' پشپا نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''تمہیں صرف اتنا کرنا ہے کہ رات کو جب سب لوگ سو جائیں تو مجھے یہاں سے نکال دو۔ ہم دونوں ساتھ جائیں گے۔''

اس نے بات کرتے ہوئے اپنا بوجھ بل پر ڈال دیا اور خواب آگیں لہجے میں بات جاری رکھتے

ہوئے بولی۔ ''میرے ساتھ جو شاندار زندگی گزرے گی، تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔''
''مجھے سوچنے کا موقع دو مس عاشی!'' بل نے کہا۔
''ہاں ہاں! سوچ لو۔'' پشپا نے کہا۔ ''لیکن یہ کام جتنی جلدی ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے۔
بل عاشی کو چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ پشپا صوفیہ کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔ ''خوش ہو جاؤ صوفیہ! ہم بہت جلد اس پاگل خانے سے نکلنے والے ہیں۔''
اگلی صبح عاشی کو ڈاکٹر محسن رضا کے دفتر میں بلا لیا گیا۔
''ہیلو! کیسی ہو عاشی؟'' ڈاکٹر نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا۔
''آپ کیسے ہیں ڈاکٹر؟'' عاشی بھی مسکرا دی۔
''آج ہم تمہارا سوڈیم ٹیسٹ لیں گے۔ پہلے کبھی یہ ٹیسٹ ہوا ہے؟'' ڈاکٹر نے پوچھا۔
عاشی نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ڈاکٹر نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ پنا ٹائنز سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔ تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔''
اور پھر دس منٹ بعد ڈاکٹر محسن، پشپا سے بات کر رہا تھا۔
''یہاں کیسا لگ رہا ہے پشپا؟''
''بہت اچھا!'' پشپا نے جواب دیا۔ ''سچی بات تو یہ ہے کہ اب میں اس جگہ کو پسند کرنے لگی ہوں۔ بالکل گھر جیسا سکون مل رہا ہے۔''
''تو پھر تم یہاں سے فرار کیوں ہونا چاہتی ہو؟'' ڈاکٹر نے پوچھا۔
''کیا؟'' پشپا اُچھل پڑی۔
''بل نے بتایا تھا کہ تم نے اس سے فرار ہونے کے لئے مدد مانگی تھی۔'' ڈاکٹر محسن نے کہا۔
''کتیا کا پلا!'' پشپا چیخی۔ وہ اُچھل کر کرسی سے کھڑی ہو گئی۔ بجلی کے کوندے کی طرح لپک کر میز کے قریب پہنچی اور بھاری پیپر ویٹ اٹھا کر ڈاکٹر پر دے مارا۔
ڈاکٹر محسن بڑی پھرتی سے نیچے جھک گیا۔ اگر ایک لمحہ کی بھی تاخیر ہو جاتی تو اس کا سر پھٹ جاتا۔
''میں مار ڈالوں گی تمہیں۔ قتل کر دوں گی۔ زندہ نہیں چھوڑوں گی تمہیں۔'' پشپا زخمی شیرنی کی طرح غراتی ہوئی ڈاکٹر پر حملہ آور ہوئی۔
ڈاکٹر نے بڑی پھرتی سے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔ ''پشپا..... پشپا!'' وہ اسے بری طرح جھنجوڑنے لگا۔ اور پھر اچانک عاشی کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہونے لگے۔ اس کی مزاحمت ختم ہو گئی۔ اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ پشپا جا چکی تھی اور اب وہ عاشی تھی۔ ڈاکٹر کا دل اب

بھی بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا۔ ''عاشی..... عاشی!'' وہ ہولے ہولے عاشی کو پکارنے لگا۔
عاشی نے آنکھیں کھول دیں اور متوحش سی نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔ اسے حیرت تھی کہ ڈاکٹر نے اس کے دونوں ہاتھ کیوں پکڑے ہوئے تھے۔
''کیا ہوا ڈاکٹر! کیا بات ہے؟'' اس نے پوچھا۔
''پشپا نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔'' ڈاکٹر محسن نے اس کے ہاتھ چھوڑ کر کرسی پر بٹھا دیا۔ ''وہ یہاں سے فرار ہونے کا منصوبہ بنا رہی ہے۔ اور جب یہ بات میں نے اس سے پوچھی تو وہ مجھ سے اُکھڑ گئی اور مجھ پر حملہ کر دیا۔''
''مجھے افسوس ہے ڈاکٹر!'' عاشی بولی۔ ''میں تو یکی کیفیت میں بھی اپنے آپ میں بے چینی سی محسوس کر رہی تھی۔ نجانے یہ احساس کیوں تھا کہ کوئی گڑبڑ ہو رہی ہے۔''
''سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' ڈاکٹر نے کہا۔ ''میں تمہیں، پشپا اور صوفیہ کو ایک جگہ اکٹھا کرنا چاہتا ہوں۔''
''نہیں!'' عاشی جلدی سے بولی۔
''کیوں نہیں؟'' ڈاکٹر نے اسے گھورا۔
''مم..... مجھے ڈر لگتا ہے۔'' عاشی نے کہا۔ ''میں ان سے نہیں ملنا چاہتی۔ آپ سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے ڈاکٹر؟ وہ حقیقی تو نہیں ہیں جنہیں سمجھایا بجھایا جا سکے۔ وہ تو ایک خیال ہیں جیسے..... بدروحیں ہوتی ہیں۔''
''جلد یا بدیر تمہیں ان سے ملنا ہی ہوگا۔'' ڈاکٹر نے کہا۔ ''تمہارے علاج کے لئے تم تینوں کا ایک دوسرے سے واقف ہونا بہت ضروری ہے۔''
''میں اپنے کمرے میں واپس جانا چاہتی ہوں۔'' عاشی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔
ایک خدمت گزار کو بلا کر عاشی کو اس کے حوالے کر دیا گیا جس نے عاشی کو اس کے کمرے میں پہنچا دیا۔ خدمت گزار کمرے سے باہر نکل کر دروازہ بند کر رہا تھا اور عاشی کمرے کے وسط میں کھڑی بے بسی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بے پناہ مایوسی تھی۔ دروازہ بند ہو گیا اور عاشی گہرے سانس لیتے ہوئے سوچنے لگی۔ میں یہاں سے کبھی باہر نہیں جا سکوں گی۔ یہ سب لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ میرا علاج نہیں کر سکتے۔
وہ اس حقیقت کا سامنا کرنے کو تیار نہیں تھی کہ اس کے اندر دو پراسرار شخصیات موجود ہیں جن کے بارے میں کہا گیا تھا کہ وہ پانچ آدمیوں کو موت کے گھاٹ اُتار چکی ہیں۔ پانچ

خاندان تباہ ہو چکے ہیں۔ میں ہی کیوں؟ وہ سسکیاں بھرنے لگی۔ میں نے اس کا کیا بگاڑا تھا؟ انہوں نے میرا ہی انتخاب کیوں کیا؟ وہ بیڈ کی پٹی پر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی۔ ''میں اس طرح زندہ نہیں رہ سکتی۔ اس کربناک صورتحال سے نجات پانے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور مجھے جو کچھ بھی کرنا ہے، ابھی کرنا ہوگا۔ ابھی اور اسی وقت۔''

وہ اٹھ کر کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اسے کسی تیز دھار چیز کی تلاش تھی۔ لیکن ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ ہسپتال کی انتظامیہ نے اس بات کا خاص طور پر دھیان رکھا تھا کہ کسی کمرے میں ایسی کوئی چیز موجود نہیں ہونی چاہئے جس سے مریض اپنے آپ کو نقصان پہنچا سکیں۔ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے عاشی کی نظریں کمرے کے ایک کونے میں پڑے ہوئے کینوس، رنگوں کے ڈبوں اور برشوں پر جم گئیں۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی قریب پہنچ گئی اور ایک برش اٹھا کر اس کا لکڑی کا دستہ ایک زوردار جھٹکے سے بیچ میں سے توڑ دیا۔ اس طرح ٹوٹا ہوا برش ایک تیز دھار آلہ بن گیا تھا۔

عاشی نے برش کا ٹوٹا ہوا حصہ اپنی کلائی پر رکھ کر زوردار جھٹکا دیا۔ اس کی نس کٹ گئی اور خون اُبلنے لگا۔ عاشی نے اسی پر اکتفا نہیں کیا اس نے برش کا کنارہ دوسری کلائی پر رکھا اور وہی عمل دوہرایا۔ اس کلائی سے بھی خون فوارے کی طرح اچھلنے لگا۔

وہ بے حس وحرکت کھڑی کلائیوں سے بہنے والے خون کو قالین پر گرتے دیکھتی رہی۔ چند منٹ بعد اس کے لئے کھڑے رہنا مشکل ہوگیا۔ وہ اپنے جسم کو ٹھنڈا ہوتا ہوا محسوس کرنے لگی۔ جیسے بدن کی حرارت آہستہ آہستہ زائل ہو رہی ہو۔ اس کی ٹانگیں کپکپانے لگیں۔ وہ دھڑام سے نیچے گر گئی اور اس کی آنکھوں کے سامنے تاریکی کی سیاہ چادر پھیلتی چلی گئی۔

☆

یہ خبر ڈاکٹر محسن رضا پر بجلی بن کر گری۔ اطلاع ملتے ہی اس نے کلینک کی طرف دوڑ لگا دی۔ عاشی بستر پر پڑی تھی۔ اس کی دونوں کلائیوں پہ پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ آئندہ اس قسم کا واقعہ نہیں ہونا چاہئے۔

''یہ کیا حماقت تھی؟'' ڈاکٹر محسن نے کہا۔ ''اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہ کرتا۔''

''مجھے افسوس ہے ڈاکٹر!'' عاشی کے ہونٹوں پر زخمی سی مسکراہٹ آگئی۔ ''لیکن ..... میں اس قدر مایوس .....''

''یہاں تم غلطی پر ہو۔'' ڈاکٹر محسن نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''عاشی! کیا تم چاہتی ہو کہ

ہم تمہاری مدد کریں اور تم اچھی ہو جاؤ؟''

''ہاں!'' عاشی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''پھر تمہیں مجھ پر اعتماد کرنا ہوگا۔'' ڈاکٹر نے کہا۔ ''میں یہ کام اکیلا نہیں کر سکتا۔ تمہیں میری مدد کرنی ہوگی۔''

''آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟'' عاشی نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد پوچھا۔

''سب سے پہلے تو تمہیں یہ وعدہ کرنا ہوگا کہ آئندہ اپنے آپ کو کسی بھی قسم کا نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کرو گی۔''

''ٹھیک ہے۔ میں وعدہ کرتی ہوں۔'' عاشی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں پشپا اور صوفیہ سے بھی یہ وعدہ لوں گا۔ ابھی اور اسی وقت میں تمہیں ٹرانس میں لے رہا ہوں۔''

اور پھر دس منٹ بعد ڈاکٹر محسن، پشپا سے بات کر رہا تھا۔

''اس خود غرض کتیا نے تو ہمیں بھی ختم کر ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔'' پشپا بھڑک اٹھی۔ ''اسے اپنے سوا کسی سے ہمدردی نہیں۔ وہ صرف اپنے بارے میں سوچتی ہے۔''

''پشپا!''

''میں یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکتی۔'' پشپا غرائی۔

''میری بات سنو گی یا نہیں؟'' ڈاکٹر نے قدرے غصے میں کہا۔

''سن رہی ہوں۔''

''میں تم سے وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ تم آئندہ عاشی کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گی۔''

''میں ایسا وعدہ کیوں کروں؟'' پشپا بدستور غصے میں تھی۔

''میں اس کی وجہ بتاتا ہوں۔'' ڈاکٹر محسن نے کہا۔ ''کیونکہ تم بھی اس کا ایک حصہ ہو۔ تم اس کے ذہنی کرب کے نتیجے میں پیدا ہوئی تھیں۔ میں اس کرب کی وجہ ابھی تک نہیں جان سکا لیکن یقیناً وہ کوئی بہت ہی خوفناک بات ہوگی۔ صوفیہ کی پیدائش بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہو سکتی ہے۔ تم تینوں میں بہت سی قدریں مشترک ہیں اس لئے تم تینوں کو ایک دوسرے سے نفرت کی بجائے ہمدردی ہونی چاہئے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے وعدہ کرو کہ آئندہ عاشی کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گی۔''

جواب میں خاموشی رہی۔

''پشپا.....!'' ڈاکٹر نے اسے پکارا۔

ٹھیک ہے۔ میں وعدہ کرتی ہوں۔'' پشپا کی آواز سنائی دی۔

''یہ! کیا اب تم انگلینڈ کے بارے میں کوئی بات کرنا چاہو گی؟''

''...ک!'' پشپا نے جواب دیا۔

''...فیہ..... صوفیہ! کیا تم بھی یہاں موجود ہو؟'' ڈاکٹر محسن نے اس مرتبہ صوفیہ کو مخاطب کیا۔

''...! تمہارے خیال میں مجھے اور کہاں ہونا چاہئے؟'' صوفیہ کی آواز سنائی دی۔

''...سا تم سے بھی وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ تم آئندہ عاشی کو کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کرو گی۔''

''...ہمیشہ اسی کے بارے میں سوچتے ہو۔ ہر وقت عاشی..... عاشی..... عاشی کی رٹ لگائے رکھتے ہو۔ ہمارے بارے میں کبھی نہیں سوچا۔''

''...فیہ!''

''...! میں وعدہ کرتی ہوں۔'' صوفیہ کی مردہ سی آواز سنائی دی۔ اور پھر خاموشی چھا گئی۔

☆

...گزر گئے۔ عاشی میں ابھی کسی بہتری کے آثار دکھائی نہیں دیئے تھے۔ ڈاکٹر محسن رضا اپنے دفتر میں بیٹھا اب تک تیار کی جانے والی رپورٹوں کا جائزہ لیتے ہوئے اس گتھی میں کوئی ایسا سرا تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو اب تک اس کی نظروں سے پوشیدہ تھا۔

...کے علاوہ نصف درجن دوسرے مریض بھی اس کے زیر علاج تھے لیکن وہ سب سے زیادہ توجہ عاشی پر ہی دے رہا تھا۔ عاشی جیسی معصوم اور بھولی بھالی لڑکی اور ان پراسرار طاغوتی قوتوں میں بڑا تضاد تھا جو اس کی زندگی پر قبضہ جمائے ہوئے تھیں۔ وہ جب بھی عاشی سے ملتا، طاغوتی قوتوں کے تسلط سے نجات دلانے کی خواہش شدید تر ہو جاتی۔ وہ میری بیٹی کی طرح ہے۔ ڈاکٹر محسن نے سوچا۔ کسے بیوقوف بنا رہے ہو؟ اس کے اندر سے ایک سرگوشی ابھری۔ کیوں نہیں کہتے کہ تم اس سے محبت کرنے لگے ہو۔

...تمام رپورٹس کا جائزہ لینے کے بعد وہ ڈاکٹر لیوی سن کے دفتر میں پہنچ گیا۔

''ایک الجھن پیدا ہوگئی ہے ڈاکٹر!'' وہ اس کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''...کن تو ہمارے مریضوں تک ہی محدود رہنی چاہئے۔'' ڈاکٹر لیوی سن مسکرایا۔

''اس الجھن کا تعلق ایک مریضہ سے ہی ہے۔'' ڈاکٹر محسن رضا نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ ''میں محسوس کر رہا ہوں کہ مجھے عاشی سے کچھ جذباتی لگاؤ سا ہو گیا ہے۔''

''یہ الٹی گنگا۔'' ڈاکٹر لیوی سن نے اسے گھورا۔ ''یہ صورت حال آپ دونوں کے لئے خطرناک ہو سکتی ہے ڈاکٹر محسن!''

''ہاں! میں سمجھتا ہوں۔''

''اگر آپ کو اس کا احساس ہے تو ذرا محتاط رہئے۔'' ڈاکٹر لیوی سن نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''میں آپ کی بات کا مطلب سمجھ رہا ہوں۔ مگر مطمئن رہئے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔'' ڈاکٹر محسن نے کہا اور اٹھ کر دفتر سے باہر چلا گیا۔

☆

وہ نومبر کا مہینہ تھا۔ ڈاکٹر محسن رضا نے ایک ڈائری عاشی کو دے دی۔ ''میری خواہش ہے کہ یہ ڈائری پشپا، صوفیہ اور تم مشترکہ طور پر استعمال کرو۔'' ڈاکٹر محسن نے کہا۔ ''یہ ڈائری یہیں رہے گی۔ جب بھی تم تینوں میں سے کسی کے ذہن میں کوئی خیال آئے، کوئی ایسا آئیڈیا جو زبانی طور پر مجھ سے نہ کہنا چاہو، اس ڈائری میں لکھ دینا۔''

''ٹھیک ہے ڈاکٹر!'' عاشی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ایک مہینے بعد ڈاکٹر محسن رضا نے اپنی ذاتی ڈائری میں لکھا۔

دسمبر۔

علاج میں ابھی کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ پشپا اور صوفیہ اب بھی اپنے ماضی کے بارے میں بات کرنے کو تیار نہیں۔ عاشی کو ہپناٹائز کرنا بھی اب مشکل ہوتا جا رہا ہے۔

مارچ۔

عاشی کو دی جانے والی ڈائری اب بھی کوری ہے۔ اس پر ایک لفظ نہیں لکھا گیا۔ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ اصل مزاحمت خود عاشی کی طرف سے ہو رہی ہے یا پشپا کی طرف سے۔ میں جب بھی عاشی کو ہپناٹائز کرتا ہوں، پشپا اور صوفیہ بہت کم وقت کے لئے آتی ہیں۔ وہ اب بھی اپنے ماضی کے بارے میں زبان نہ کھولنے کی ضد پر قائم ہیں۔

جون۔

میں عاشی سے باقاعدگی سے ملاقات کر رہا ہوں۔ لیکن کوئی پیش رفت محسوس نہیں ہوئی۔ کمرے میں رکھی ہوئی ڈائری کو ابھی تک چھوا بھی نہیں گیا۔ میں نے صوفیہ کو ایک ایزل، رنگ اور برش وغیرہ بھی فراہم کر دیئے ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ اس نے پینٹنگ شروع کر دی تو مجھے آگے بڑھنے کا راستہ مل جائے گا۔

جولائی۔

کچھ ہوا ضرور ہے۔ لیکن میں نہیں سمجھا کہ اسے پیش رفت کہا جا سکتا ہے یا نہیں۔ صوفیہ نے اسپتال کے مرغزار پر مشتمل ایک خوبصورت لینڈ اسکیپ پینٹ کیا ہے۔ میں نے پینٹنگ کی تعریف کی تو وہ بہت خوش ہوئی تھی۔ لیکن اسی شام وہ پینٹنگ پرزے پرزے کر دی گئی۔

☆

وہ دونوں ڈاکٹر لیوی سن کے دفتر میں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔

''میری اب تک کی ہر کوشش ناکام ہو چکی ہے۔'' ڈاکٹر محسن نے اچانک ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ ''اب میرا خیال ہے کہ میں گروپ تھراپی شروع کر دوں۔ شاید کوئی مثبت نتیجہ برآمد ہو سکے۔''

''تمہارے خیال میں اس گروپ تھراپی میں کتنے مریض ہونے چاہئیں؟'' ڈاکٹر لیوی سن نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''زیادہ سے زیادہ چھ!'' ڈاکٹر محسن رضا نے جواب دیا۔ ''میں چاہتا ہوں کہ وہ دوسرے لوگوں میں بھی کچھ گھل مل جائے۔ اب تک تو وہ اکیلی رہ رہی ہے۔ اس قید تنہائی سے آزادی اس پر مثبت اثر ڈال سکتی ہے۔''

''اچھا خیال ہے۔ تو پھر اس پر عمل شروع کر دو۔'' ڈاکٹر لیوی سن نے کہا۔ ڈاکٹر محسن رضا اس کی طرف دیکھتے ہوئے کافی کی چسکیاں لیتا رہا۔

☆

ڈاکٹر محسن رضا عاشی کے ساتھ میٹنگ روم میں داخل ہوا تو وہاں چھ افراد پہلے ہی موجود تھے۔

''میں تمہیں کچھ دوستوں سے ملانا چاہتا ہوں۔'' ڈاکٹر محسن نے عاشی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ کمرے میں گھوم پھر کر دوسروں سے اس کا تعارف کرانے لگا۔ لیکن عاشی اپنے ہی خیالوں میں الجھی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر محسن کے بتائے ہوئے نام اس کے ذہن میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔ وہ خالی خالی سی نظروں سے کمرے میں موجود لوگوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ایک بہت موٹی عورت تھی۔ اس سے آگے جو آدمی بیٹھا ہوا تھا وہ تو بالکل ہڈیوں کا ڈھانچہ لگ رہا تھا۔ اس کے ساتھ والی عورت گنجی تھی۔ سر پر استرا پھرا ہوا تھا۔ ایک لنگڑا آدمی، ایک چینی عورت اور ایک درمیانے قد والا جرمن..... وہ سب بہت خوش نظر آ رہے تھے۔

''بیٹھو!'' گنجی عورت نے عاشی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کافی پیو گی؟''

''شکریہ!'' عاشی کہتے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

''تمہارے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔'' جرمن نے کہا۔ ''بڑی مصیبتیں جھیلی ہیں تم نے۔''

عاشی محض سر ہلا کر رہ گئی۔

''ہم سب ہی کسی نہ کسی مصیبت سے دوچار ہیں۔'' ڈھانچہ نما آدمی نے کہا۔ ''لیکن یہاں آ کر ہم نے اپنے آپ میں بڑی تبدیلیاں محسوس کی ہیں۔ یہاں کے ڈاکٹروں نے ہماری بڑی مدد کی ہے۔ بڑی اچھی جگہ ہے یہ.....''

''میرا خیال ہے ان سے اچھے ڈاکٹر تو پوری دنیا میں نہیں ملیں گے۔'' چینی عورت نے بات آگے بڑھائی۔

عاشی باری باری ان سب کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ یہ لوگ کتنے نارمل ہو گئے ہیں۔ بالکل صحت مند۔ جیسے انہیں کوئی جسمانی یا ذہنی تکلیف نہ ہو۔

ڈاکٹر محسن رضا بھی ایک کرسی پر بیٹھا بڑی دلچسپی اور توجہ سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ تقریباً پینتالیس منٹ بعد وہ کرسی سے اٹھ گیا۔

''میرا خیال ہے اب چلنا چاہئے عاشی!''

عاشی بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''آپ لوگوں سے مل کر واقعی بہت خوشی ہوئی۔'' اس نے باری باری سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

لنگڑا امریکی پیر گھسیٹتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھا اور عاشی کی طرف جھکتے ہوئے بڑے رازدارانہ لہجے میں بولا۔ ''یہاں کا پانی مت پینا۔ اس میں زہر ملا ہوا ہے۔ یہ لوگ ہمیں مارنا چاہتے ہیں اور ہمارے علاج کے نام پر حکومت سے پیسے الگ اینٹھ رہے ہیں۔''

''شش..... شکریہ!'' عاشی ہکلائی۔ ''میں..... تمہاری بات کا خیال رکھوں گی۔''

میٹنگ روم سے نکل کر کشادہ راہداری میں چلتے ہوئے عاشی نے ڈاکٹر محسن سے پوچھا۔

''ان کے کیا مسائل ہیں ڈاکٹر؟''

''ان سب کو کوئی نہ کوئی ذہنی مرض لاحق تھا۔'' ڈاکٹر محسن نے جواب دیا۔ ''بعض کی بیماری تو بہت خطرناک تھی لیکن یہاں آنے کے بعد وہ بہت بہتر ہو گئے ہیں۔ وہ لوگ مکمل طور پر صحت یاب ہونے کے قریب ہیں۔ کیا تم ان سے روزانہ ملنا اور گپ شپ کرنا پسند کرو گی؟''

''نہیں!'' عاشی نے فوراً ہی جواب دیا۔

ڈاکٹر محسن عاشی کو اس کے کمرے میں چھوڑ کر ڈاکٹر لیوی سن کے دفتر میں آ گیا۔

''کوئی پیش رفت نہیں ہو رہی۔'' اس کے لہجے میں مایوسی تھی۔ ''گروپ تھراپی سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا اور ہپناٹزم کے سیشن بھی بالکل ناکام ہو رہے ہیں۔ میں ایک اور قدم اٹھانا چاہتا ہوں اور اس کے لئے آپ کی اجازت کی ضرورت ہے۔''

''کیا؟'' ڈاکٹر لیوی سن نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''میں عاشی کو ہسپتال سے باہر ڈنر پر لے جانا چاہتا ہوں۔'' ڈاکٹر محسن نے کہا۔

''میں تمہارے فیصلے کی حمایت نہیں کروں گا ڈاکٹر محسن!'' ڈاکٹر لیوی سن نے کہا۔ ''یہ خطرناک ہو سکتا ہے۔ وہ پہلے ہی.....''

''میں جانتا ہوں۔'' ڈاکٹر محسن نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''عاشی اس وقت مجھے اپنا دشمن نمبر ایک سمجھتی ہے۔ میں اس کے دل سے یہ نفرت نکال کر اسے اپنا دوست بنانا چاہتا ہوں۔''

''اس کی ایک دوہری شخصیت..... پشپا وہ ایک مرتبہ تمہیں قتل کرنے کی کوشش کر چکی ہے۔ اگر اس نے دوبارہ ایسی کوئی کوشش کر ڈالی تو؟''

''میں خیال رکھوں گا۔'' ڈاکٹر محسن نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے!'' ڈاکٹر لیوی سن نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا۔ ''اگر چاہو تو کسی اور کو بھی اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو۔ میرا مطلب ہے کوئی محافظ وغیرہ۔''

''نہیں! کسی اور کو ساتھ لے جانا مناسب نہیں ہوگا۔''

''تو کب جانا چاہتے ہو؟''

''آج رات!'' ڈاکٹر محسن نے جواب دیا۔

عاشی کو جب پتہ چلا تو وہ بہت خوش ہوئی۔ ڈاکٹر محسن کے ساتھ ہسپتال سے باہر کسی جگہ ڈنر پر جانے کا تصور ہی اس کے لئے بڑا سنسنی خیز تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ گھنٹے دو گھنٹے کے لئے تو اس آسیب زدہ ماحول سے نجات ملے گی۔

ہسپتال سے پانچ میل دور جاپانی ریستوران اوتانی گارڈن کا ماحول بڑا پرسکون تھا۔ ڈاکٹر محسن سوچ رہا تھا کہ اس نے عاشی کو یہاں لا کر بہت بڑا رسک لیا ہے۔ پشپا یا صوفیہ کسی بھی لمحے عاشی پر حاوی ہو سکتی تھیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر لیوی سن نے بھی اسے پہلے ہی خبردار کر دیا تھا۔ لیکن ڈاکٹر محسن کے خیال میں سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی تھی کہ عاشی اس پر اعتماد کرنا سیکھے، تاکہ اس کا علاج ہو سکے۔

''یہاں کتنا اچھا لگ رہا ہے ڈاکٹر!'' عاشی نے ریستوران میں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے

کہا۔ ''آپ نے ایک اور بات نوٹ کی؟''

''کیا؟'' ڈاکٹر محسن نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''یہاں کے لوگ بھی ہسپتال کے لوگوں جیسے ہیں۔ اِن میں اور اُن میں کوئی فرق نہیں۔'' عاشی نے کہا۔

''کوئی بھی انسان دوسرے سے مختلف نہیں ہوتا عاشی!'' ڈاکٹر محسن نے جواب دیا۔ ''سب انسان ایک ہی جیسے ہوتے ہیں اور ہر انسان کسی نہ کسی الجھن میں مبتلا ضرور ہوتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہسپتال میں رہنے والے اپنے طور پر الجھنوں پر قابو نہیں پا سکتے۔ اس سلسلے میں ہم ان کی مدد کرتے ہیں۔''

''مجھے یاد نہیں کہ میں کبھی کسی ذہنی الجھن میں مبتلا تھی۔ لیکن جب.....''

''جانتی ہو تمہیں کبھی اس کا احساس کیوں نہیں ہوا تھا؟'' ڈاکٹر محسن نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ''تم نے انہیں اپنے لاشعور میں دفن کر دیا تھا۔ تم مسائل کا سامنا کرنے کو تیار نہیں تھیں۔ صرف تم ہی نہیں، ہر شخص ایسا کرتا ہے۔ کسی خوفناک حقیقت کا سامنا کرنے کی بجائے اس سے بچنے کے لئے اسے نظر انداز کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جس سے نت نئے مسائل جنم لیتے ہیں اور جب اچانک ہی اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے تو.....'' وہ خاموش ہو گیا۔ چند لمحے وہ اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر موضوع بدلتے ہوئے بولا۔ ''کھانا کیسا ہے؟ پسند آیا؟''

''بہت لذیذ! بہت مزے کا ہے۔'' عاشی نے جواب دیا۔

اس روز عاشی واقعی بہت خوش تھی۔ اسے چند گھنٹوں کے لئے ہسپتال کے آسیب زدہ ماحول سے نجات مل گئی تھی۔ اس نے خوب انجوائے کیا تھا۔ اور پھر اس کے بعد یہ معمول بن گیا۔ ڈاکٹر محسن اسے ہفتے میں ایک بار ضرور باہر لے جاتا۔ کبھی کسی اطالوی ریستوران میں لنچ، کبھی چائنیز ریستوران میں رات کا کھانا۔ اس دوران میں پشپا یا صوفیہ میں سے کوئی بھی سامنے نہیں آئی تھی۔

ایک رات ڈاکٹر محسن، عاشی کو ایک چھوٹے سے نائٹ کلب لے گیا۔ عاشی دیر تک ڈانس سے لطف اندوز ہوتی رہی۔

''کیسا لگ رہا ہے؟'' ڈاکٹر محسن نے پوچھا۔

''بہت اچھا!'' عاشی مسکرائی۔ ''آپ دوسرے ڈاکٹروں سے بہت مختلف ہیں۔''

''کیا وہ میری طرح ڈانس نہیں کرتے؟'' ڈاکٹر محسن مسکرا دیا۔

''نہیں! میرا مطلب کچھ اور تھا اور آپ بخوبی سمجھ رہے ہیں۔'' عاشی بولی۔

ڈاکٹر محسن نے رقص کرتے ہوئے عاشی کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ اپنے آپ میں عجیب سی سنسناہٹ محسوس کرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے دماغ میں ڈاکٹر لیوی سن کے الفاظ گونجنے لگے۔ ''تمہارا یہ اقدام تم دونوں کے لئے خطرناک ہوسکتا ہے ڈاکٹر محسن!''

☆

''میں جانتی ہوں تم کیا چاہتے ہو ڈاکٹر! تم عاشی کو یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہے ہو کہ تم اس کے بہترین دوست ہو۔''

''میں واقعی اس کا دوست ہوں پشپا! اور تمہارا بھی۔'' ڈاکٹر محسن نے کہا۔

''نہیں! تم جھوٹ بولتے ہو۔'' پشپا نے تیز لہجے میں جواب دیا۔ ''تم سمجھتے ہو عاشی بہت اچھی ہے اور میں کچھ بھی نہیں۔''

''یہاں تم غلطی پر ہو۔'' ڈاکٹر محسن بولا۔ ''میں تمہارا اور صوفیہ کا بھی اتنا ہی احترام کرتا ہوں جتنا عاشی کا۔ تم تینوں میرے لئے اہم ہو۔''

''سچ کہہ رہے ہو؟'' پشپا کے لہجے میں بے یقینی کا عنصر تھا۔

''ہاں پشپا! جب میں نے تمہیں بتایا تھا کہ تمہاری آواز بہت سریلی ہے تو غلط نہیں کہا تھا۔ کیا تم کوئی ساز بھی بجا سکتی ہو؟''

''ہاں! میں پیانو بہت اچھا بجا لیتی ہوں۔''

''اگر میں ریکریشن روم میں پیانو کا بندوبست کر دوں تو کیا تم پیانو پر گانا پسند کرو گی؟''

''کوشش کر سکتی ہوں۔'' پشپا نے جواب دیا۔ اس کے لہجے میں عجیب سی سنسناہٹ تھی۔

''مجھے خوشی ہوگی۔ میں آج ہی پیانو کا بندوبست کرتا ہوں۔'' ڈاکٹر محسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر محسن رضا نے ایسا انتظام کر دیا تھا کہ پشپا روزانہ دوپہر کے وقت ریکریشن روم میں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پیانو پر بیٹھ کر گیت گاتی رہتی۔ پہلے تو ریکریشن روم کا دروازہ بند کر دیا جاتا تھا۔ کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں تھی لیکن پیانو اور گانے کی آواز سن کر دوسرے مریض اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے اور پھر صورت حال کچھ یوں نظر آنے لگی کہ پشپا پیانو پر کوئی گیت گا رہی ہوتی اور کمرہ لوگوں سے بھرا ہوتا۔ ہسپتال کے درجنوں مریض پشپا کی وجہ سے موسیقی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

☆

''اور صوفیہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' ڈاکٹر لیوی سن نے سوالیہ نگاہوں سے ڈاکٹر محسن کی طرف دیکھا۔

''میں نے ہسپتال کے پارک میں اس کے لئے پینٹنگ کا بندوبست کر دیا ہے۔'' ڈاکٹر محسن نے جواب دیا۔ ''اس کی نگرانی بھی کی جائے گی اور میرا خیال ہے یہ تھراپی اس کے لئے مفید ثابت ہوگی۔

☆

لیکن صوفیہ نے انکار کر دیا تھا۔

''صوفیہ!'' ڈاکٹر محسن نے ایک سیشن کے دوران میں کہا۔ ''میں نے تمہیں جو رنگ لا کر دیئے تھے، تم نے ابھی تک انہیں استعمال کیوں نہیں کیا؟ رنگ ضائع ہو جائیں گے اور پھر تمہارا ٹیلنٹ..... تمہاری صلاحیتوں کو زنگ لگ جائے گا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ تم پینٹنگ کرتے وقت بہت محظوظ ہوتی ہو؟''

''ہاں! یہ درست ہے۔''

''تو پھر تم پینٹنگ شروع کیوں نہیں کرتیں؟''

''کیونکہ میں اچھی مصورہ نہیں ہوں۔'' صوفیہ نے جواب دیا۔

''یہ تم سے کس نے کہہ دیا ہے؟''

''میری ماں کہتی تھی کہ میں ابھی اچھی مصورہ نہیں بن سکتی۔''

''تمہاری ماں کے بارے میں ابھی تک کوئی بات نہیں ہوئی۔ کچھ بتانا پسند کرو گی؟''

''بتانے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔'' صوفیہ نے کہا۔

''میں نے سنا ہے اس کا انتقال کسی حادثے میں ہوا تھا۔''

''ہاں!'' صوفیہ نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔ ''وہ ایک حادثے میں مر گئی تھی۔''

اگلے روز صوفیہ نے پینٹنگ شروع کر دی۔ پارک کی کھلی فضا میں بیٹھ کر کینوس پر رنگ بکھیرتے ہوئے وہ اپنے آپ میں عجیب سی سنسنی محسوس کرتی۔ بہت سے مریض اس کے آس پاس جمع ہو جاتے اور اسے پینٹنگ کرتے ہوئے دیکھتے رہتے۔ وہ جب صوفیہ کے کام کی تعریف کرتے تو وہ بہت خوش ہوتی۔

''تمہاری تصویروں کو تو کسی آرٹ گیلری میں جگہ ملنی چاہئے۔''

''تم تو واقعی بہت اچھی مصورہ ہو۔''

''اتنی اچھی پینٹنگ تم نے کہاں سے سیکھی؟''

''کاش میں بھی تصویریں بنا سکتا۔''

صوفیہ ایسی باتیں سن کر بہت خوش ہوتی۔ لیکن اس وقت اسے بڑا افسوس ہوتا جب اس کا پینٹنگ کا وقت ختم ہو جاتا اور اسے اس آسیب زدہ عمارت میں واپس جانا پڑتا۔

کئی روز گزر گئے۔ ایک روز ڈاکٹر محسن، عاشی سے ایک عورت کا تعارف کراتے ہوئے بولا۔ ''یہ لیزا ہے عاشی! آج یہ اپنے گھر واپس جا رہی ہے۔''

عاشی نے نظریں اٹھا کر لیزا کی طرف دیکھا۔ اس کی عمر پچپن کے لگ بھگ تھی۔ دبلی پتلی سی عورت تھی۔

''آج مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے کہ میں صحت یاب ہو کر واپس اپنے گھر جا رہی ہوں۔'' لیزا نے خوشی کا اظہار کیا۔ ''اور اس کے لئے میں ڈاکٹر محسن رضا کی احسان مند ہوں۔''

''لیزا بھی دوہری شخصیت کے مرض میں مبتلا تھی۔'' ڈاکٹر محسن نے عاشی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اور اس کے اندر تین متضاد شخصیات تھیں جنہیں نکال دیا گیا ہے۔ لیزا ایک سال کے دوران میں اس ہسپتال کی تیسری دوہری شخصیت کی مریضہ ہے جو صحت یاب ہو کر جا رہی ہے۔''

عاشی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ اس کے دل میں امید کی کرن نمودار ہونے لگی تھی۔

☆

ڈاکٹر محسن ایک ہمدرد انسان ہے۔'' صوفیہ کہہ رہی تھی۔ ''وہ واقعی ہمیں پسند کرتا ہے۔''

''تم دنیا کی سب سے بڑی احمق ہو۔'' پشپا نے اسے ڈانٹ دیا۔ ''دیکھتی نہیں یہاں کیا ہو رہا ہے۔ میں نے پہلے بھی تمہیں خبردار کیا تھا کہ وہ ہمیں بیوقوف بنا رہا ہے تاکہ ہم اس کی ہر بات مانتی رہیں۔ جانتی ہو وہ کیا کرنے والا ہے؟ وہ ہم تینوں کو ایک جگہ جمع کرنا چاہتا ہے اور پھر وہ عاشی کو یہ باور کرانے کی کوشش کرے گا کہ اب اسے ہماری ضرورت نہیں رہی اور جانتی ہو اس کے بعد کیا ہوگا؟ میں اور تم۔ ہم دونوں مر جائیں گی۔ اگر تم مرنا چاہتی ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن میرا ابھی مرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔''

''نہیں! میں بھی نہیں مرنا چاہتی'' صوفیہ بولی۔

''تو پھر میری بات غور سے سنو!'' پشپا نے کہا۔ ''ہم ڈاکٹر محسن کا ساتھ دیں گے۔ اسے باور کرانے کی کوشش کریں گے کہ ہم اس کی مدد کرنا چاہتے ہیں اور کر رہے ہیں۔ ہم اسے اسی طرح گھسیٹتے رہیں گے۔ ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے۔ اور میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ ایک نہ

ایک روز میں تمہیں بھی یہاں سے نکالنے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔''

''ٹھیک ہے پشپا!'' صوفیہ نے جواب دیا۔ ''میں وہی کروں گی جو تم کہو گی۔''

''گڈ!'' پشپا نے کہا۔ ''ہم اس ڈاکٹر کو اس خوش فہمی میں مبتلا رکھیں گے کہ سب ٹھیک ہو رہا ہے۔''

☆

''ڈیئر عاشی!

امید ہے تم پہلے سے بہت بہتر ہو گی اور بہت جلد مکمل طور پر صحت یاب ہو جاؤ گی۔ میں اپنے دو سالہ بیٹے کی تصویر بھیج رہا ہوں۔ تم خود دیکھو کتنا پیارا بچہ ہے۔ کوئی خاص بات تو نہیں ہے۔ یہ خط تمہیں اس لئے لکھا ہے کہ تمہیں یہ احساس رہے کہ ہم تمہیں بھولے نہیں ہے۔ سینڈرا بھی تمہیں بہت یاد کرتی ہے۔

ڈیوڈ۔''

عاشی بڑے غور سے تصویر کو دیکھ رہی تھی۔ کتنا پیارا بچہ ہے۔ اس نے سوچا۔ خدا کرے یہ زندگی بھر خوشیوں سے کھیلتا رہے۔

وہ دوپہر کا کھانا کھانے کے لئے ڈائننگ ہال میں چلی گئی اور جب واپس آئی تو بچے کی تصویر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی صورت میں فرش پر بکھری ہوئی تھی۔

☆

15 جون۔ ڈیڑھ بجے دوپہر۔

مریضہ عاشی جمیل۔ سوڈیم تھراپی سیشن۔ آلٹر۔ صوفیہ۔

''روم کے بارے میں کچھ بتاؤ صوفیہ!''

''روم دنیا کا سب سے خوبصورت شہر ہے۔ یہاں کئی بہت بڑے بڑے میوزیم ہیں۔ میں اکثر وہاں جایا کرتی تھی۔''

''تم مصورہ بننا چاہتی تھیں؟''

''ہاں!'' صوفیہ نے جواب دیا۔ ''کیا تمہارے خیال میں مجھے نرس بننا چاہئے تھا؟''

''تم نے فن مصوری کا مطالعہ بھی کیا ہوگا۔ باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہوگی؟''

''نہیں!'' صوفیہ نے مختصر سا جواب دیا۔

''شاید اس لئے کہ تمہاری ماں تمہیں اس قابل نہیں سمجھتی تھی۔''

''نہیں! میں نے خود ہی فیصلہ کیا تھا کہ میں کبھی اچھی مصورہ نہیں بن سکتی۔'' صوفیہ نے جواب دیا اور دل ہی دل میں پشپا کو مدد کے لئے پکارنے لگی۔

''کیا تم کبھی کسی ذہنی الجھن کا شکار ہوئی تھیں یا کوئی ایسی وجہ جس سے تمہیں شدید ذہنی صدمہ پہنچا ہو؟''

''نہیں! میری زندگی بڑی خوشگوار گزری ہے۔'' صوفیہ نے جواب دیا۔

15 اگست۔ صبح نو بجے۔

مریضہ عاشی جمیل۔ پنٹو تھراپی سیشن۔ آلٹر۔ پشپا۔

''کیا تم لندن کے بارے میں کوئی بات کرنا چاہتی ہو پشپا؟''

''ہاں! وہاں میری زندگی کے بہترین لمحات گزرے ہیں۔ لندن ایک تہذیب یافتہ شہر ہے۔ مجھ جیسے لوگوں کے لئے وہاں بڑی دلچسپیاں ہیں۔''

''وہاں تمہیں کبھی کوئی ذہنی الجھن پیش آئی تھی؟''

''ذہنی الجھن۔ نہیں! بالکل نہیں۔ میں تو لندن میں بہت خوش تھی۔''

''کوئی ناخوشگوار واقعہ جو تمہیں یاد ہو؟''

''کوئی نہیں۔'' پشپا نے جواب دیا۔ وہ دل ہی دل میں ڈاکٹر کو کوسنے لگی کہ یہ اتنی کرید کیوں کر رہا ہے۔

☆

ہر تھراپی سیشن کے ساتھ عاشی کی یادداشت بھی کچھ بہتر ہو رہی تھی۔ پرانی باتیں رفتہ رفتہ یاد آ رہی تھیں۔ تقریباً ہر رات وہ خواب دیکھتی جیسے گلوبل کمپنی میں اپنی ڈیوٹی پر جاتی ہے۔ وہاں علی نواز بھی موجود ہے اور اس کے کام کی تعریف کرتا ہے۔ ''تمہارے بغیر ہمارا کام نہیں چل سکتا عاشی! اسی لئے ہم تمہیں ڈیوٹی پر واپس لے رہے ہیں۔''

پھر منظر بدل جاتا اور وہ اپنے آپ کو جیل کی کوٹھری میں دیکھتی۔ علی نواز کہتا۔ ''مجھے کہتے ہوئے کچھ اچھا نہیں لگ رہا۔ لیکن کمپنی نے تمہیں ملازمت سے برخاست کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ کمپنی کسی سکینڈل میں ملوث نہیں ہونا چاہتی۔ تم میری بات سمجھ رہی ہو نا؟ ویسے ذاتی طور پر مجھے تم سے ہمدردی ہے۔''

اور صبح جب وہ بیدار ہوتی تو اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہوتا۔

☆

اس تھراپی سیشن سے صوفیہ اُداس ہو گئی تھی۔ اسے روم یاد آ گیا تھا۔ اور پھر مصور رچرڈ کی خوشگوار یادوں سے بھی اس پر اضمحلال سا طاری ہو گیا تھا۔ اگر یہ سب کچھ نہ ہوتا تو وہ ابھی خوشگوار زندگی گزار رہے ہوتے۔ لیکن اب تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔

پشپا کو بھی تھراپی سیشن سے نفرت تھی۔ کیونکہ ان سے کچھ افسوسناک واقعات کی یادیں تازہ ہو جاتی تھیں جن سے اس کی بے چینی بڑھ جاتی تھی۔ اس کے خیال میں اس نے جو کچھ بھی کیا تھا، عاشی اور صوفیہ کی بھلائی اور تحفظ کے لئے کیا تھا۔ لیکن اس کی تعریف کرنے کی بجائے اسے کسی مجرم کی طرح آہنی سلاخوں کے پیچھے بند کر دیا گیا تھا۔ ''لیکن میں یہاں سے نکل جاؤں گی۔'' پشپا نے اپنے آپ سے کہا۔ ''میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ یہاں سے نکل جاؤں گی۔''

☆

وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ پہلے ایک سال بیتا۔ پھر دوسرا سال بھی گزر گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر محسن رضا کی مایوسی بھی بڑھتی جا رہی تھی۔

''میں نے آپ کی تازہ ترین رپورٹس پڑھی ہیں۔'' ڈاکٹر لیوی سن نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا آپ کے خیال میں واقعی کوئی ایسی بات ہے یا وہ دونوں آپ کے ساتھ کوئی

کھیل ،کھیل رہی ہیں؟''

''وہ واقعی کھیل ،کھیل رہی ہیں۔'' ڈاکٹر محسن رضا نے جواب دیا۔ ''میرے خیال میں وہ سمجھ گئی ہیں کہ میں کیا کرنے جا رہا ہوں اور جان بوجھ کر میرے راستے میں روڑے اٹکا رہی ہیں۔ اس میں تو شبہ نہیں کہ عاشی واقعی میری مدد کرنا چاہتی ہے۔ لیکن وہ دونوں اسے کوئی موقع نہیں دے رہیں۔ پشپا آہنی اعصاب کی مالک ہے۔ اور وہ زیادہ خطرناک ثابت ہو رہی ہے۔''

''خطرناک!'' ڈاکٹر لیوی سن نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں!'' ڈاکٹر محسن مسکرایا۔ ''آپ خود سوچیں کہ جو عورت بے دردی سے پانچ آدمیوں کو قتل کر سکتی ہے، وہ کتنی خطرناک اور آہنی اعصاب کی مالک ہوگی۔''

سال کا باقی حصہ بھی زیادہ امید افزا ثابت نہیں ہوا تھا۔

ڈاکٹر محسن کو دوسرے مریضوں کے سلسلے میں اگرچہ خاصی کامیابی ہوئی تھی لیکن عاشی کے معاملے میں ذرا سی پیش رفت بھی نہیں ہوئی تھی۔ ڈاکٹر کا یہ احساس شدید تر ہوتا جا رہا تھا کہ پشپا اس کے ساتھ بلی چوہے کا کھیل ،کھیل رہی ہے۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ ڈاکٹر اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اور پھر اچانک ہی غیر متوقع طور پر ایک موقع مل گیا اور اس کی شروعات ڈاکٹر سلطان جمیل کے ایک خط سے ہوئی تھی۔

پانچ جون۔

ڈیئر عاشی! میں چند روز بعد ایک ضروری کام سے نیویارک جانے والا ہوں۔ واپسی پر تم سے ملوں گا۔ میں ڈاکٹر لیوی سن سے بھی فون پر بات کروں گا۔ اگر اسے ہماری ملاقات پر کوئی اعتراض نہ ہو تو اس ماہ کی پچیس تاریخ کو میں تمہارے پاس ہوں گا۔''

تمہارا ڈیڈی۔

لیکن تین دن بعد ڈاکٹر لیوی سن ٹی وی پر ڈاکٹر سلطان جمیل کی ہلاکت کی خبر سن کر اچھل پڑا۔ ڈاکٹر سلطان جمیل سان فرانسسکو سے اپنی کار پر ایک مریض کو دیکھنے کے لئے اسکارامنٹو جا رہا تھا۔ بارش کی وجہ سے سڑک پر پھسلن تھی۔ ایک پہاڑی موڑ پر وہ اپنی کار پر قابو نہ رکھ سکا اور کار سینکڑوں فٹ گہرے کھڈ میں جا گری۔

اخبارات نے بھی ڈاکٹر جمیل کی ہلاکت کو شہ سرخیوں سے شائع کیا تھا۔ عاشی سے اس خبر کو چھپانا ناممکن نہیں تھا۔ میٹنگ میں بہت بحث و غور کے بعد آخر کار عاشی کو اس نئی صورت حال

سے آگاہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور یہ ذمہ داری بھی ڈاکٹر محسن ہی کو سونپی گئی تھی۔

عاشی پر یہ خبر بجلی بن کر گری۔ اس وقت وہ اپنے حواس میں نہیں تھی۔ باپ کی موت کی خبر سن کر وہ دہاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ دنیا میں باپ ہی اس کے لئے سب کچھ تھا۔ اور اب وہ عزیز ترین ہستی بھی اس سے چھن گئی تھی۔

تین چار دن تک عاشی حواس باختہ سی رہی اور پھر وہ بتدریج پرسکون ہوتی چلی گئی۔ اس دوران میں ڈاکٹر محسن اس پر گہری نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ اس عرصے میں پشپا یا صوفیہ نے اس پر حاوی ہونے کی کوشش نہیں کی تھی ورنہ صورت حال بگڑنے کا اندیشہ ہوتا۔

اس کے تقریباً دو مہینے بعد ڈاکٹر لیوی سن کو فون پر پیٹرسن نامی ایک شخص نے بتایا کہ وہ عاشی کا ماموں ہے اور اس سے ملنے کے لئے ایک دو روز میں آ رہا ہے۔

عاشی کو بھی پیٹرسن کے بارے میں بتا دیا گیا۔ لیکن اس نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ اور پھر اس کے چوتھے روز عاشی کا ماموں پیٹرسن پہنچ گیا۔ وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ وکٹوریہ نام کی ایک جوان اور حسین عورت اور تین سال کی ایک بچی بھی تھی۔ وکٹوریہ پیٹرسن کی دوست تھی اور بچی اس کی تھی۔ انہیں ڈاکٹر لیوی سن کے دفتر میں پہنچا دیا گیا۔ ڈاکٹر ان کے استقبال کے لئے کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''ہیلو مسٹر پیٹرسن!'' ڈاکٹر لیوی سن اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔ ''اچھا ہوا آپ آ گئے۔ آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔''

''شکریہ!'' پیٹرسن مسکرایا۔ ''یہ وکٹوریہ ہے اور یہ اس کی بیٹی ایلس۔'' اس نے ان دونوں کا تعارف بھی کرا دیا۔ ''میں ان دونوں کو بھی اس لئے ساتھ لے آیا ہوں کہ انہیں دیکھ کر شاید اس کے ذہن پر کچھ اچھا اثر پڑے۔''

''بہت اچھا کیا آپ نے۔'' ڈاکٹر لیوی سن نے کہا۔ ''عاشی اس وقت ڈاکٹر محسن کے ساتھ تھراپی سیشن میں ہے۔ وہ فارغ ہوتی ہے تو اسے بلوا لیتے ہیں۔''

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر پیٹرسن اپنے بارے میں بتانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔

''ڈاکٹر سلطان کی موت کی اطلاع ملی تو میں لاس اینجلس میں تھا جہاں کافی عرصے سے میں نے اپنا کاروبار سیٹ کر رکھا ہے۔ بہرحال ڈاکٹر سلطان کی موت کی اطلاع پا کر مجھے سان فرانسسکو آنا پڑا۔ ان کے بعد میں اس کا واحد قریبی رشتے دار ہوں۔ ڈاکٹر سلطان کی چھوڑی ہوئی جائیداد کا مسئلہ تھا۔ عاشی کی ذہنی کیفیت ایسی نہیں کہ اسے یہ لمبی چوڑی جائیداد سونپی جا سکے۔ عدالت نے مجھے ٹرسٹی مقرر کیا ہے۔ اس وقت تک جب تک عاشی ذہنی طور پر صحت یاب

نہیں ہو جاتی۔ اب عاشی کیسی ہے؟ کوئی پیش رفت!'' پیٹرسن نے خاموش ہو کر سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''میں آپ سے تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہوں مسٹر پیٹرسن!'' ڈاکٹر بولا۔ اور پھر وکٹوریہ کی طرف مڑ گیا۔ ''اگر آپ برا نہ مانیں تو اس بچی کو لے کر پارک میں چلی جائیں۔ مسٹر پیٹرسن بھی تھوڑی دیر بعد عاشی کے ساتھ وہیں پہنچ جائیں گے۔''

''ہاں ہاں! کیوں نہیں؟'' وکٹوریہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور ایلس کو لے کر باہر چلی گئی۔

''میں آپ سے کوئی بات چھپانا نہیں چاہتا مسٹر پیٹرسن!'' ان کے جانے کے بعد ڈاکٹر لیوی سن نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''عاشی کے معاملے میں کچھ زیادہ پیش رفت نہیں ہو رہی۔ عاشی کہتی ہے کہ وہ اپنے علاج کے لئے ہماری مدد کرنا چاہتی ہے۔ لیکن وہ ہم سے تعاون نہیں کر رہی۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ مزاحمت کر رہی ہے۔''

''کیوں؟'' پیٹرسن نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''یہ کوئی غیر معمولی بات بھی نہیں ہے۔'' ڈاکٹر لیوی سن نے جواب دیا۔ ''ایم پی ڈی کے مریض کسی نہ کسی سطح پر اپنے اندر کی دوہری شخصیات سے ملنے سے ڈرتے ہیں۔ انہیں خوف ہوتا ہے کہ ان کے ذہن میں بسنے والی وہ پراسرار شخصیات مکمل طور پر ان پر قابض ہو جائیں گی اور پھر وہ انہی کے رحم و کرم پر ہوں گے۔ آپ سوچیں یہ صورت حال کس قدر تباہ کن ہو سکتی ہے؟''

''ہاں!'' پیٹرسن نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''عاشی کے سلسلے میں ایک بات اب تک ہماری سمجھ میں نہیں آ سکی۔'' ڈاکٹر لیوی سن نے کہا۔ ''ایسے ذہنی مسائل عام طور پر مریض کی نوعمری میں جذباتی یا جنسی قسم کی چھیڑ چھاڑ سے شروع ہوتے ہیں۔ عاشی کے کیس میں ہمیں ایسی کوئی بات نہیں ملتی۔ اس لئے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ عاشی کا دماغی خلل کب اور کیسے شروع ہوا۔''

''اس سلسلے میں، میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں ڈاکٹر!'' پیٹرسن نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔ ''قصور ہمارا ہی ہے کہ ہم نے اس سلسلے میں اب تک کسی کو کچھ بتایا ہی نہیں۔ بات ہی ایسی ہے کہ آسانی سے زبان نہیں کھولی جا سکتی۔''

ڈاکٹر لیوی سن گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پیٹرسن چند لمحے خاموش رہا۔ پھر کہنے لگا۔ ''عاشی اس وقت چھ سال کی تھی۔ ڈاکٹر سلطان کو اپنے کام کے سلسلے میں انگلینڈ جانا پڑا۔ عاشی کی والدہ الزبتھ جو میری سگی بہن نہیں، فرسٹ کزن تھی بیمار ہونے کی وجہ سے اس کے

ساتھ نہیں جا سکی تھی۔ لیکن ڈاکٹر سلطان بہر حال عاشی کو اپنے ساتھ لے گئے۔ ان دنوں عاشی کا ایک اور رشتے کا ماموں جو لندن میں رہائش پذیر تھا، ڈاکٹر سلطان نے اس کے ہاں قیام کیا تھا۔ ڈاکٹر سلطان کو علم نہیں تھا کہ جون جنسی مریض ہے۔ ایک روز ڈاکٹر سلطان کو ایک ہسپتال میں لیکچر دینے کے لئے جانا تھا۔ اتفاق سے جون اس کے ہاں آیا ہوا تھا۔ اس نے پیشکش کی کہ ڈاکٹر کی واپسی تک وہ عاشی کے پاس رہے گا۔ لیکن جب ڈاکٹر سلطان واپس آیا تو جون وہاں موجود نہیں تھا۔ البتہ عاشی کی حالت بہت بری تھی۔ وہ ہسٹریائی انداز میں چیخ رہی تھی۔ اس نے کسی کو قریب نہیں آنے دیا۔ وہ ایک کونے میں بیٹھی روتی رہتی۔ ایک ہفتے بعد پولیس نے بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کے الزام میں جون کو گرفتار کر لیا۔'' پیٹرسن خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر کرب کے تاثرات اُبھر آئے تھے۔ ''ڈاکٹر سلطان جمیل کے بارے میں آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس نے کس کرب میں زندگی گزاری ہو گی۔ وہ اپنی بیٹی کو بہت چاہتا تھا۔ اس نے اپنی بیٹی اور اپنی رسوائی کے خوف سے کبھی کسی کے سامنے زبان نہیں کھولی۔''

اس مرتبہ خاموشی قدرے طول پکڑ گئی اور آخر کار ڈاکٹر ہی نے زبان کھولی۔ ''بے حد افسوس ہوا۔ لیکن میرے خیال میں آپ کی باتوں سے ہمیں اس سوال کا جواب مل گیا ہے جس کی ہمیں تلاش تھی۔ اب ڈاکٹر محسن کو عاشی کے علاج میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئے گی۔''

''ڈاکٹر سلطان! اس سلسلے میں کبھی ایک لفظ اپنی زبان پر نہیں لایا تھا۔ لیکن آپ نے عاشی کا مسئلہ بیان کیا تو مجھے بے شرم بن کر یہ سب کچھ بتانا پڑا۔'' پیٹرسن نے کہا۔

''میں آپ کی کیفیت کو سمجھ رہا ہوں مسٹر پیٹرسن!'' ڈاکٹر لیوی سن نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میرا خیال ہے آپ بھی باہر پارک میں چل کر بیٹھیں۔ میں عاشی کو وہیں بھیج دوں گا۔''

''شکریہ ڈاکٹر!'' پیٹرسن کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

ڈاکٹر لیوی سن اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اور پھر وہ اٹھ کر تیزی سے دفتر سے نکل گیا۔

☆

''عاشی سے ملاقات ہوئی؟'' وکٹوریہ نے پیٹرسن کو دیکھتے ہی پوچھا۔

''عاشی ابھی تھراپی سیشن میں ہے۔ چند منٹ بعد وہ اسے یہیں بھیج دیں گے۔'' پیٹرسن نے اس کے قریب بینچ پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔ ''بڑی اچھی جگہ ہے یہ۔'' وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

اسی دوران میں ایلس بھی دوڑتی ہوئی وہاں پہنچ گئی اور پیٹرسن کو پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ ''مجھے جھولا جھلا ئیے۔ یوں اوپر اچھال کر۔''

پیٹرسن اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایلس کو دونوں بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اوپر ہوا میں اچھال دیا۔ وہ جب ذرا نیچے آئی تو دوبارہ اسی طرح اوپر اچھال دیا۔

''اوپر.....اور اوپر!'' ایلس ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔

پیٹرسن نے اس مرتبہ اسے کچھ اور اوپر اچھال دیا۔

''ایک بار پھر اور اوپر.....زیادہ اوپر۔'' ایلس خوشی سے چیخ رہی تھی۔

پیٹرسن کی پشت عمارت کی طرف تھی۔ وہ ایلس کو بار بار ہوا میں اچھال رہا تھا۔ اس طرح وہ عاشی اور ڈاکٹر محسن کو برآمدے میں نمودار ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکا تھا۔

''اوپر.....اور اوپر!'' ایلس چیخ رہی تھی۔

عاشی برآمدے میں بے حس و حرکت کھڑی رہ گئی۔ وہ اپنے ماموں کو بچی کے ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اس کے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ اور پھر اسے یوں لگا جیسے وقت سے بہت پیچھے چلی گئی ہو۔ آواز، حرکات ہر چیز جیسے سلوموشن میں آ گئی تھی۔ وہ چشم تصور سے وہ منظر دیکھنے لگی۔ ایک چھوٹی لڑکی کو اسی طرح ہوا میں اچھالا جا رہا تھا۔

''اوپر.....اور اوپر ماموں!''

لڑکی کو اور اوپر ہوا میں اُچھالا گیا۔ وہ خوشی سے چیخ رہی تھی۔ اور پھر اچانک ہی اسے بستر پر پٹخ دیا گیا۔

''اب دیکھنا۔ تمہیں پہلے سے زیادہ مزہ آئے گا۔''

ایک آدمی کا ہیولہ اس کے ساتھ بستر پر لیٹ گیا۔ اس نے لڑکی کے کپڑے اُتار دیئے اور وحشیوں کی طرح اسے بھنبھوڑنے لگا۔ لڑکی چیخ رہی تھی۔

''نہیں.....نہیں چھوڑ دو مجھے.....پلیز نہیں!''

اس آدمی کا چہرہ دھند میں لپٹا ہوا تھا۔ اس نے لڑکی کو دبوچ رکھا تھا اور لڑکی مزاحمت کرتے ہوئے مسلسل چیخ رہی تھی۔ مگر اس آدمی پر لڑکی کی چیخوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

اور پھر اچانک دھند چھٹ گئی۔ اس آدمی کا چہرہ اب عاشی کو صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ اس کا ماموں جون پیٹرسن تھا۔

اور اب وہی جون پیٹرسن اس کے سامنے پارک میں اس بچی کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ عاشی کے چہرے پر وحشت سی چھا گئی۔ اور پھر اس نے زور زور سے چیخنا شروع کر دیا۔

جون پیٹرسن اور وکٹوریہ چیخوں کی آواز سن کر تیزی سے اس طرف گھوم گئے اور حیرت سے عاشی کو دیکھنے لگے۔ جون پیٹرسن تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا قریب پہنچ گیا۔

''مجھے افسوس ہے۔'' ڈاکٹر محسن نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آج کا دن ہی کچھ منحوس ثابت ہو رہا ہے۔ صبح سے کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہوتی جا رہی ہے۔ پلیز! آپ لوگ پھر کسی دن آ جایئے۔'' وہ عاشی کو پکڑ کر اندر لے گیا۔ عاشی کو فوری طور پر ایمرجنسی روم میں پہنچا دیا گیا۔

''نبض خطرناک حد تک تیز ہو رہی ہے۔'' ڈاکٹر محسن بولا اور عاشی پر جھک گیا۔ ''تمہیں کسی چیز سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تم بالکل محفوظ ہو۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ میری آواز سنو۔ صرف میری آواز! اپنے اعضاء ڈھیلے چھوڑ دو۔ تمہیں نیند آ رہی ہے.....تم سو رہی ہو۔

عاشی کو ہپناٹائز کرنے میں آدھا گھنٹہ لگ گیا۔

''کیا ہوا تھا عاشی؟ تم اس قدر پریشان کیوں ہو گئی تھیں؟''

''ماموں اور وہ چھوٹی بچی۔''

''کیا ہوا انہیں؟ وہ تو ٹھیک ہیں۔ تم کیوں پریشان ہو گئی تھیں؟'' ڈاکٹر محسن نے پوچھا۔

اور اس مرتبہ پشپا نے جواب دیا۔ ''عاشی یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکتی۔ اسے ڈر ہے کہ اس کا ماموں اس بچی کے ساتھ وہی کچھ کرے گا جو اس کے ساتھ کیا تھا۔''

''کیا؟'' ڈاکٹر محسن نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ''اس نے عاشی کے ساتھ کیا، کیا تھا؟''

''یہ لندن کی بات ہے۔ وہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی کہ ماموں بھی اس کے ساتھ لیٹ گیا اور اسے گدگدانے لگا۔ عاشی ہنس رہی تھی۔ بستر پر لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔ پھر ماموں نے اسے دبوچ لیا۔ اس کے کپڑے اتار دیئے۔ عاشی سہم گئی اور پھر چیخنے لگی۔ نہیں نہیں! مجھے چھوڑ دو۔ پلیز نہیں! وہ چیختی رہی۔ لیکن وہ نہیں رُکا۔ عاشی اس کے شکنجے میں پھڑپھڑاتی رہی۔''

''کیا ایسا پہلی مرتبہ ہوا تھا پشپا؟'' ڈاکٹر محسن نے پوچھا۔

''ہاں! اور اس وقت عاشی کی عمر چھ سال تھی۔'' پشپا نے جواب دیا۔

''اور اس وقت عاشی کے ذہن میں تم نے جنم لیا تھا؟''

''ہاں! عاشی کو شدید ذہنی صدمہ پہنچا تھا اور وہ ذہنی طور پر صورت حال کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ اسے کرب سے بچانے کے لئے میں آ گئی تھی۔''

''اس کے بعد کیا ہوا؟''

''عاشی کو چپ سی لگ گئی تھی۔'' پشپا کہہ رہی تھی۔ ''اس کا باپ صورت حال سمجھ گیا تھا۔ اس نے رسوائی کے خوف سے پولیس کو بھی اس واقعے کی اطلاع نہیں دی تھی۔ جب وہ امریکہ

واپس آئے تو عاشی نے اپنی ماں کو سب کچھ بتا دیا۔ ماں اس سے ہمدردی کا اظہار کرنے کے بجائے اُلٹا اسی پر برس پڑی۔ وہ اپنے بھائی پر یہ الزام برداشت نہیں کر سکی تھی۔

''ڈاکٹر سلطان، بیٹی کو بہت چاہتا تھا۔ یہ صدمہ تو اس نے برداشت کر لیا تھا لیکن اس بات پر بیوی سے اکثر جھگڑا رہنے لگا۔ ماں اپنے بھائی کی حماقت پر بولتی تو باپ کو غصہ آ جاتا۔ ان دونوں کے جھگڑوں سے عاشی ہر وقت سہمی سہمی سی رہنے لگی۔ نجانے اسے یہ احساس کیوں رہنے لگا تھا کہ اس سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔ لیکن کہاں اور کیا غلطی ہوئی ہے؟ اس کا اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ ماں بھی اس سے نفرت کرنے لگی تھی۔ اسے بات بات پر بری طرح جھڑک دیا جاتا۔''

''اور اس کے بعد؟'' ڈاکٹر محسن نے پوچھا۔

''دو سال بعد عاشی جب آٹھ سال کی تھی تو ایک بار پھر ایسا ہی واقعہ پیش آیا اور.....'' پشپا کہتے کہتے رُک گئی۔

''بولتی رہو پشپا! میں سن رہا ہوں۔'' ڈاکٹر بولا۔

عاشی کے چہرے کے تاثرات بدل گئے اور اب ڈاکٹر کے سامنے کرسی پر صوفیہ بیٹھی ہوئی تھی اور وہ کہہ رہی تھی۔ ''ممی نے چھٹیوں میں روم جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ ڈیڈی ان دنوں کسی ریسرچ میں مصروف تھے۔ وہ ساتھ نہیں جا سکے۔ عاشی اور ممی اکیلی روم چلی گئیں اور وہاں جون پیٹرسن سے ملاقات ہو گئی۔''

''لیکن وہ تو لندن میں تھا اور شاید جیل میں۔'' ڈاکٹر بولا۔

''لندن میں اسے اٹھارہ مہینوں کی سزا ہوئی تھی اور پھر رہائی ملتے ہی اٹلی چلا گیا تھا۔'' صوفیہ نے جواب دیا۔ ''روم میں ممی سے اس کی ملاقات ہوئی تو پہلے تو ان دونوں میں خوب جھگڑا ہوا۔ پھر جون پیٹرسن نے اپنی بہن کو یقین دلا دیا کہ اس پر جھوٹا الزام لگایا گیا تھا۔''

''پھر کیا ہوا صوفیہ؟'' ڈاکٹر محسن نے پوچھا۔

''اور پھر ایک رات وہی ہوا۔'' صوفیہ نے جواب دیا۔ ''عاشی کو ایک بار پھر شدید ذہنی صدمہ پہنچا تھا۔ اگر میں اس کی مدد کو نہ آتی تو وہ یقیناً پاگل ہو جاتی۔''

''تو اس طرح تم نے اس کے ذہن میں جنم لیا۔'' ڈاکٹر بولا۔ ''بہر حال! اس رات کیا ہوا تھا؟''

''ممی کو ان دنوں کچھ بے خوابی کی شکایت تھی اور وہ سونے کے لئے خواب آور گولیاں لیا کرتی تھی۔ اس رات بھی وہ نیند کی گولیاں لے کر سوئی تھی۔ عاشی دوسرے کمرے میں سو رہی

تھی۔ آدھی رات کے بعد اس کا ماموں جون پیٹرسن اس کے کمرے میں گھس آیا۔ عاشی کی آنکھ کھل گئی۔ لیکن جون پیٹرسن نے اسے بے بس چڑیا کی طرح دبوچ لیا۔ عاشی چیختی چلاتی رہی۔ لیکن وہ شیطان اسے نوچتا کھسوٹتا رہا۔ اس نے عاشی کو دھمکی دی تھی کہ وہ کسی کو کچھ نہیں بتائے گی۔ اگر اس نے زبان کھولی تو وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔''

عاشی سسکیاں بھر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ ڈاکٹر محسن کا دل چاہا کہ اسے بانہوں میں سمیٹ لے اور اسے بتائے کہ وہ اسے بہت چاہتا ہے اور اسے بتائے کہ آئندہ اس کے ساتھ ایسا نہیں ہونے دیا جائے گا۔ لیکن وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ نہیں پہنا سکا۔ وہ اس کا معالج تھا، عاشق نہیں۔

ڈاکٹر محسن رضا، ڈاکٹر لیوی سن کے دفتر میں پہنچا تو پیٹرسن اور وکٹوریہ جا چکے تھے۔

''ہمیں اس سوال کا جواب مل گیا ہے جس کی ہمیں تلاش تھی۔'' ڈاکٹر محسن کہہ رہا تھا۔ ''ہمیں بریک تھرو مل گیا ہے۔ میں نے یہ معلوم کر لیا ہے کہ پشپا اور صوفیہ نے اس کے ذہن میں کب جنم لیا تھا اور اب بہت جلد وہ صورت حال پر قابو پانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ بہت جلد کچھ تبدیلیاں ہمارے سامنے آئیں گی۔''

ڈاکٹر محسن رضا کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ بہت جلد تبدیلیاں رونما ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ ہپنوتھراپی کا سیشن شروع ہو چکا تھا۔ اس مرتبہ عاشی کو مکمل طور پر ٹرانس میں لانے میں خاصی دشواری پیش آئی تھی۔

''عاشی!'' ڈاکٹر محسن نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''گوپال داس کے بارے میں بتاؤ! تمہارا اس سے کیا تعلق تھا؟''

''میں گوپال سے محبت کرتی تھی۔ ہم دونوں شادی کرنا چاہتے تھے اور ہم نے گھر سے بھاگنے کا پروگرام بنایا تھا.....''

''پھر.....؟'' ڈاکٹر نے پوچھا۔

''اس رات ہم گریجویشن پارٹی سے واپس آ رہے تھے تو گوپال نے مجھے اپنے ساتھ گھر چلنے کو کہا تھا۔ لیکن..... لیکن میں نے انکار کر دیا۔ اور جب ہم واپس پہنچے تو ڈیڈی دروازے ہی میں کھڑے میرا انتظار کر رہے تھے۔ وہ بہت غصے میں تھے۔ انہوں نے گوپال کو بری طرح ڈانٹ دیا اور دھمکی دی کہ آئندہ مجھ سے دور ہی رہے۔''

''اور پھر..... اس کے بعد کیا ہوا؟'' ڈاکٹر محسن نے پوچھا۔

''میں نے گوپال کے پاس جانے کا فیصلہ کر لیا۔'' عاشی نے جواب دیا۔ ''میں نے اپنا

سامان سوٹ کیس میں رکھا اور گوپال کے ہاں جانے کے لئے گھر سے نکل گئی۔" وہ ایک لمحے کو جھجکی۔ پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "لیکن آدھے راستے میں، میں نے اپنا ارادہ بدل دیا اور اپنے گھر واپس آ گئی۔ میں..... میں....."

عاشی کے چہرے پر اچانک ہی تبدیلی رونما ہونے لگی۔ اس نے کرسی پر پہلو بدلا اور کچھ ایزی ہو کر بیٹھ گئی۔ اب وہ عاشی نہیں، پشپا تھی۔

"عاشی جھوٹ بول رہی ہے ڈاکٹر!" پشپا نے کہا۔ "یہ اپنے گھر واپس نہیں آئی تھی۔ گوپال کے گھر گئی تھی۔

"جب وہ گوپال کے مکان پر پہنچی تو اندر اندھیرا تھا۔ گوپال نے اسے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اس کے والدین تعطیلات منانے گئے ہوئے ہیں۔ عاشی نے دروازے کی اطلاعی گھنٹی بجائی۔ چند منٹ بعد گوپال داس نے دروازہ کھول دیا۔ وہ اس وقت صرف پاجامہ پہنے ہوئے تھا۔

"اوہ، عاشی!" " گوپال کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ "مجھے یقین تھا تم ضرور آؤ گی۔ آؤ! اندر آ جاؤ۔" اس نے عاشی کا ہاتھ پکڑ کر اندر کھینچ لیا۔

"میں اس لئے آئی ہوں کہ....."

"مجھے اس سے غرض نہیں کہ تم کیوں آئی ہو۔ مجھے تو خوشی اس بات کی ہے کہ تم آ گئیں۔"

گوپال نے اپنا ایک بازو اس کے کندھے پر رکھ دیا اور بوسہ لینے کے لئے اپنی طرف کھینچنے لگا۔

عاشی نے بڑی آہستگی سے اپنے آپ کو پیچھے ہٹا لیا۔

"ایک پیگ ڈرنک کے بارے میں کیا خیال ہے؟" گوپال نے پوچھا۔

"تم جانتے ہو میں شراب نہیں پیتی۔ البتہ ایک گلاس پانی..... میرا حلق خشک ہو رہا ہے۔"

عاشی نے کہا۔ وہ اچانک ہی کچھ سہم سی گئی تھی۔

"کیوں نہیں؟ آؤ میرے ساتھ آؤ!" وہ اسے ہاتھ سے پکڑ کر کچن میں لے گیا اور پانی کا گلاس اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ عاشی نے گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔ "تم کچھ نروس سی ہو رہی ہو؟" گوپال اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"نہیں..... میں....." عاشی ہکلا کر رہ گئی۔

"گھبرانے یا ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔" گوپال نے کہا۔ "میرے گھر والے تعطیلات پر گئے ہوئے ہیں۔ آج رات ان کی واپسی کی کوئی توقع نہیں ہے۔ ہم دونوں یہاں اکیلے ہیں۔ آؤ! اوپر والے کمرے میں چلتے ہیں۔"

"نہیں گوپال..... میرا خیال ہے....."

گوپال نے عاشی کو پکڑ کر اس کی پشت اپنے سینے سے لگا لی اور اپنے دونوں ہاتھ اس کے سینے پر رکھ دیئے۔

"نہیں گوپال....." عاشی ہکلائی۔

گوپال نے اسے بانہوں سے پکڑ کر اپنی طرف گھما لیا اور بوسہ لینے کے لئے اپنا چہرہ اس کے چہرے پر جھکانے لگا۔ عاشی پیچھے ہٹتی ہوئی کچن کے سلیب سے جا لگی۔

"اب میں تمہیں زندگی کا ایک نیا مزہ چکھاؤں گا۔" عاشی کو لگا جیسے یہ الفاظ گوپال نے نہیں، اس کے ماموں جون پیٹرسن نے کہے تھے۔

عاشی ایک لمحے کو جیسے منجمد سی ہو کر رہ گئی۔ گوپال اسے سلیب کے ساتھ دبائے اسے بے بس کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عاشی جیسے ہوش میں آ گئی۔ وہ مزاحمت کرنے لگی۔ اس کے کپڑے پھٹ گئے۔ وہ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے چیخ رہی تھی۔ اور پھر اسے ایک کیبنٹ میں رکھی ہوئی گوشت کاٹنے کی چھری نظر آ گئی۔ اس نے بڑی پھرتی سے چھری اٹھا لی اور گوپال کے سینے پر پے در پے وار کرنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی وہ ہسٹریائی انداز میں چیخ رہی تھی۔ "مجھے چھوڑ دو..... چھوڑ دو مجھے ماموں! خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو ماموں....."

اور پھر اس نے نظریں جھکا کر نیچے دیکھا۔ گوپال داس اس کے قدموں میں فرش پر پڑا تھا۔ اس کے جسم کے ہر حصے سے خون اُبل رہا تھا۔

"تت..... تم..... شیطان!" وہ چیخی۔ "آئندہ تم کسی لڑکی کے ساتھ ایسی حرکت نہیں کرو گے۔ میں تمہیں اس قابل چھوڑوں گی ہی نہیں۔" وہ گوپال داس پر جھک گئی اور ہاتھ میں پکڑی ہوئی خون آلود چھری سے اس کی مردانگی کی علامت کو کاٹ کر پھینک دیا۔

☆

عاشی صبح چھ بجے ریلوے سٹیشن پہنچ گئی۔ اسے گوپال داس کا انتظار تھا لیکن گوپال کو نہ آنا تھا وہ نہ آیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی پریشانی میں بھی اضافہ ہونے لگا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ گوپال داس کو کیا ہوا ہو گا۔ وہ آیا کیوں نہیں؟ دور سے ٹرین کے وسل کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ سات بج رہے تھے۔ ٹرین پلیٹ فارم میں داخل ہو رہی تھی۔ عاشی اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور متوحش نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔ گوپال کے ساتھ یقیناً کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آ گیا ہے۔ اس نے سوچا اور ایک بار پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ ٹرین ایک منٹ رُک کر آگے جانے کے لئے روانہ ہو گئی تھی۔ عاشی پلیٹ فارم پر کھڑی ٹرین کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی جو اس کے ارمانوں کو کچلتی ہوئی چلی گئی تھی۔

ٹرین کے آنے کے بعد بھی وہ تقریباً آدھا گھنٹہ وہاں کھڑی رہی۔ اور پھر سٹیشن سے نکل کر بوجھل بوجھل سے قدموں سے اپنے گھر کی طرف چلنے لگی اور پھر اس روز دوپہر کے وقت وہ اپنے ڈیڈی کے ساتھ جہاز پر سوار لندن جا رہی تھی۔



تھراپی سیشن ختم ہو رہا تھا۔

ڈاکٹر محسن رضا گنتی گن رہا تھا۔

"چار..... پانچ..... اب تم بیدار ہو رہی ہو عاشی..... آنکھیں کھول دو۔"

عاشی نے آنکھیں کھول دیں۔ "کیا رہا ڈاکٹر؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔

"پشپا نے مجھے بتا دیا ہے کہ اس نے گوپال واس کو کیسے قتل کیا تھا۔ وہ تمہاری عزت پر حملہ کرنے جا رہا تھا۔" ڈاکٹر نے بتایا۔

عاشی کا چہرہ ایک دم دھواں ہو گیا۔ "میں..... میں اپنے کمرے میں جانا چاہتی ہوں۔"

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ڈاکٹر محسن، ڈاکٹر لیوی سن کے دفتر میں بیٹھا ہوا اسے بتا رہا تھا۔

"اب کچھ حقیقی پیش رفت شروع ہوئی ہے۔" اس سے پہلے قدم قدم پر رکاوٹوں کا سامنا تھا ان تینوں میں سے کوئی بھی پہل کرنے کو تیار نہیں تھی۔ لیکن اب ان کا خوف کسی قدر کم ہوا ہے۔ ہم صحیح رُخ پر جا رہے ہیں۔ البتہ عاشی حقیقت کا سامنا کرنے سے ڈر رہی ہے۔"

"کیا اسے کوئی اندازہ نہیں کہ قتل کی یہ وارداتیں کس طرح ہوئی تھیں؟" ڈاکٹر لیوی سن نے پوچھا۔

"بالکل نہیں!" ڈاکٹر محسن نے جواب دیا۔ "اس سلسلے میں اس کا ذہن بالکل تاریک ہے۔ اور پھر باتوں کے دوران میں ہی پشپا اس پر حاوی ہو گئی تھی۔"

یہ اس کے دو دن بعد کی بات ہے۔ عاشی ٹرانس میں تھی اور ڈاکٹر محسن اس سے پوچھ رہا تھا۔

"میں ستیش مہتہ کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ کیا وہ تمہارا دوست تھا؟"

"ستیش مہتہ اور میں ایک ہی کمپنی میں کام کرتے تھے۔ ہم میں دوستی وغیرہ نہیں تھی۔"

عاشی نے جواب دیا۔

"پولیس رپورٹ کے مطابق مہتہ کے فلیٹ میں تمہاری انگلیوں کے نشان ملے تھے۔"

''یہ درست ہے۔'' عاشی نے جواب دیا۔ ''میں اس کے فلیٹ میں گئی تھی۔ وہ کسی مسئلے پر مجھ سے مشورہ لینا چاہتا تھا۔''

''پھر کیا ہوا؟'' ڈاکٹر نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ہم تقریباً پانچ منٹ تک باتیں کرتے رہے۔ پھر اس نے مجھے کولڈ ڈرنک دیا تھا جس میں کوئی نشہ آور چیز ملی ہوئی تھی۔''

''اس کے بعد تمہیں کچھ یاد ہے؟''

''میں ہوش میں آئی تو شکاگو کے ایک ہوٹل میں تھی۔'' عاشی نے جواب دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے پر تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔ اور پھر وہ عاشی نہیں، پشپا تھی۔ ''کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ اس رات اصل واقعہ کیا ہوا تھا؟''

''ہاں پشپا..... میں متوجہ ہوں۔ بولتی رہو'' ڈاکٹر نے کہا۔

وہ بتانے لگی۔ ''ستیش مہتہ نے شراب کی ایک بوتل اٹھا لی اور اسے لے کر بیڈ روم میں آ گیا۔ اس نے بوتل ایک طرف رکھ دی اور عاشی کو دونوں بانہوں سے پکڑ لیا۔

''مہتہ...... یہ...... یہ تم.... کیا کر رہے ہو؟'' عاشی سہم سی گئی۔

وہی کرنے جا رہا ہوں جو تم چاہتی ہو'' مہتہ نے جواب دیا اور زبردستی اس کے کپڑے اتارنے کی کوشش کرنے لگا۔ ''تم یہاں آئی ہی اس لئے ہو۔ میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔ میں.... میں تو خود بھی تمہارے لئے تڑپ رہا ہوں ڈیئر! آج میں تمہیں بتاؤں گا کہ میں کیا ہوں.....''

''چھوڑ دو..... چھوڑ دو مجھے مہتہ.....'' عاشی اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔

''آج تو تم قابو میں آئی ہو۔ کیسے چھوڑ دوں تمہیں؟ آج تمہیں پتہ چلے گا کہ کسی مرد کو ٹھکرانے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔'' مہتہ کے حلق سے غراہٹیں نکل رہی تھیں۔

ستیش مہتہ نے اسے دھکا دے کر بستر پر گرا دیا اور اس کے کپڑے نوچنے لگا۔ ساتھ ہی وہ غراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''آج میں تمہیں زندگی کی ایک نئی لذت سے روشناس کراؤں گا۔''

عاشی کو یوں لگا جیسے وہ ستیش مہتہ کی نہیں، اس کے ماموں جون پیٹرسن کی آواز تھی۔ عاشی اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے چیخ رہی تھیں۔ ''نہیں نہیں..... ماموں چھوڑ دو مجھے.....'' اور پھر عاشی کی نظر شراب کی بوتل پر پڑ گئی۔ اس نے بوتل کو گردن سے پکڑ کر زور سے میز کے کنارے پر مارا۔ بوتل ٹوٹ کر ایک خوفناک ہتھیار کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ عاشی نے ٹوٹی ہوئی بوتل سے ستیش مہتہ کی پشت پر وار کیا۔ ستیش مہتہ کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اس

نے اٹھنا چاہا مگر عاشی نے ایک ہاتھ سے اسے بالوں سے پکڑے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے اس پر ٹوٹی ہوئی بوتل سے وار کرتی رہی۔ اس پر جنون سا طاری ہو گیا تھا۔ ستیش مہتہ فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔

''رُک جاؤ.....'' وہ چیخا۔ ''معاف کر دو مجھے.....''

''تمہیں وعدہ کرنا ہو گا کہ آئندہ کسی لڑکی کے ساتھ ایسی حرکت نہیں کرو گے۔'' عاشی نے کہا۔ پھر بولی۔ ''تمہارے وعدے کا کوئی بھروسہ نہیں۔ مجھے ہی بندوبست کرنا پڑے گا۔'' اس نے شیشے کا ایک ٹکڑا اٹھایا اور ستیش کے قریب جھک کر بیٹھ گئی اور دوسرے ہی لمحے اس نے ستیش مہتہ کے ناف کے نیچے گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹ کر پھینک دیا۔''

ڈاکٹر محسن بڑی توجہ سے پشپا کی باتیں سن رہا تھا۔

''اس کے بعد تم نے کیا، کیا پشپا؟'' اس کے خاموش ہونے پر ڈاکٹر نے پوچھا۔

''میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ پولیس کے آنے سے پہلے مجھے وہاں سے نکل جانا چاہئے۔'' پشپا نے جواب دیا۔ ''مجھے اعتراف ہے کہ میں اس وقت کچھ ڈر گئی تھی۔ میں عاشی کی زندگی سے چند روز کے لئے نکل جانا چاہتی تھی۔ میں نے اپنی ایک دوست کے پاس شکاگو جانے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن وہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ وہ کہیں اور گئی ہوئی ہے۔ میں نے وہاں کچھ شاپنگ کی اور شہر کی سیر کرتی رہی۔''

''اور اس کے بعد کیا ہوا؟'' ڈاکٹر نے پوچھا۔

''میں ایک ہوٹل میں چلی گئی اور کمرے میں گھستے ہی سو گئی۔'' پشپا نے جواب دیا۔ ''اور اس کے بعد جو کچھ بھی ہوا وہ عاشی کا مسئلہ ہے۔''

عاشی کی آنکھ کھلی تو اس کا سر بوجھل ہو رہا تھا۔ اسے فوراً ہی کسی گڑبڑ کا احساس ہو گیا۔ اسے یہ بھی فوراً ہی احساس ہو گیا کہ اسے کوئی نشہ آور چیز پلائی گئی تھی۔ اس نے اپنے اطراف کا جائزہ لیا اور اس کے ساتھ ہی اس کی بے چینی بڑھ گئی۔ وہ کسی بہت ہی گھٹیا سے ہوٹل کا کمرہ تھا۔ اور وہ بستر پر برہنہ پڑی ہوئی تھی۔ اسے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ یہ ہوٹل کہاں ہے اور وہ یہاں کیسے پہنچی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کا سر دکھ رہا تھا اور چکر آ رہے تھے۔

وہ بستر سے اٹھ کر باتھ روم میں گھس گئی اور شاور کے نیچے کھڑی ہو کر جسم کو مل مل کر نہانے لگی۔ اور جب وہ نہا کر باتھ روم سے نکلی تو اسے اپنے کپڑے نہیں مل رہے تھے۔ ایک الماری کے شیلف میں سیاہ چمڑے کا منی اسکرٹ، مختصر سا بلاؤز اور اونچی ایڑی والے سینڈل رکھے ہوئے تھے۔ اس نے مجبوراً یہ کپڑے پہن لئے اور آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا جائزہ لینے

لگی۔ اس لباس میں وہ کوئی طوائف ہی لگ رہی تھی۔ اس نے اپنے ڈیڈی کو فون کیا۔

''ڈیڈی میں.....''

''کیا بات ہے؟ پریشان کیوں ہو؟''

''میں اس وقت شکاگو میں ہوں اور.....''

''شکاگو! تم وہاں کیا کر رہی ہو؟''

''پپ..... پتہ نہیں۔ میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔ مجھے سان جوز کا ایئر ٹکٹ چاہیے۔ کیا آپ میری مدد کر سکتے ہیں ڈیڈی؟''

''کیوں نہیں! امریکن ایئر لائن کا ایک جہاز صبح دس چالیس پر وہاں سے پرواز کرنے والا ہے۔ فلائٹ نمبر 407 ہے۔ ایئر پورٹ پر چیک ان کاؤنٹر سے تم اپنا ٹکٹ لے لینا۔''

☆

''صوفیہ..... کیا تم میری آواز سن رہی ہو صوفیہ.....؟''

''یس..... میں یہاں موجود ہوں ڈاکٹر محسن!'' جواب ملا۔

''میں رچرڈ کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ وہ تمہارا دوست تھا؟'' ڈاکٹر نے پوچھا۔

''ہاں..... میں اسے پسند کرتی تھی۔''

''کیا وہ بھی تمہیں پسند کرتا تھا؟''

''میرا خیال ہے ہاں! وہ ایک مصور تھا۔ ہم دونوں اکٹھے مختلف میوزیمز میں جاتے اور تصاویر دیکھتے تھے۔ جب میں اس کے ساتھ ہوتی تھی تو اپنے آپ کو زندہ محسوس کرتی تھی۔ بہت خوش رہتی تھی۔ میرا خیال ہے اگر کسی نے اسے قتل نہ کر دیا ہوتا تو ہم شادی کر لیتے۔''

''رچرڈ سے آخری ملاقات کے بارے میں بتاؤ۔'' ڈاکٹر محسن نے کہا۔

''اس روز جب ہم میوزیم سے باہر نکلے تو رچرڈ نے کہا کہ آج اس کا دوست کسی پارٹی میں گیا ہوا ہے۔ رات کو دیر سے آئے گا۔ میں اس کے ساتھ چلوں۔ وہ اپنے فلیٹ میں رکھی ہوئی کچھ تصاویر مجھے دکھانا چاہتا تھا۔ لیکن میں نے انکار کر دیا۔ البتہ اگلے ویک اینڈ پر اس کے ساتھ جانے کا وعدہ کر لیا۔ اس کے بعد میں چلی گئی تھی اور یہ آخری موقع تھا جب میں نے اسے دیکھا تھا۔ اس کے بعد.....''

وہ خاموش ہو گئی۔ ڈاکٹر محسن کو اس کے چہرے پر تبدیلیاں محسوس ہونے لگیں اور اس طرح چند سیکنڈ بعد صوفیہ کی جگہ پشپا لے چکی تھی۔

''وہ یہی سمجھتی ہے کہ وہاں سے چلی گئی تھی۔'' پشپا نے کہا۔ ''لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہوا تھا۔''

''تو پھر کیا ہوا تھا؟'' ڈاکٹر محسن نے پوچھا۔

''وہ رچرڈ کے ساتھ اس کے فلیٹ میں گئی تھی۔ فلیٹ اگرچہ مختصر سا تھا، مگر رچرڈ کی تصویروں نے اسے خوبصورت بنا دیا تھا۔''

پھر وہ تفصیل بتانے لگی.....

''تمہاری تصویروں سے تو اس فلیٹ میں بہت رونق ہو رہی ہے رچرڈ!''

''شکریہ صوفیہ!'' رچرڈ نے کہتے ہوئے اسے اپنی بانہوں میں لے لیا۔ ''تم بہت حسین ہو۔ میں بہت دنوں سے کسی ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھا۔ لگتا ہے کہ تم نے بڑی خشک زندگی گزاری ہے۔ آج میں تمہیں ایک نیا مزہ.....''

اسے رچرڈ کے الفاظ میں اپنے ماموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ کانپ کر رہ گئی۔ اسے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ رچرڈ اسے بستر پر لٹا کر اس کے کپڑے اُتار چکا تھا۔

وہ چیخ اٹھی۔ ''رُک جاؤ ماموں..... چھوڑ دو مجھے..... پلیز! چھوڑ دو۔'' اور پھر جنون اس کے خوف پر غالب آ گیا۔ اسے یاد نہیں کہ وہ چاقو کہاں سے ملا تھا، لیکن وہ جنونی انداز میں اس کے جسم پر پے در پے وار کر رہی تھی۔ ساتھ ہی وہ ہسٹریائی انداز میں چیخ رہی تھی۔ ''میں نے کہا تھا نا رُک جاؤ..... چھوڑ دو مجھے۔ لیکن تم نہیں مانے۔ اب میں تمہیں کسی قابل نہیں چھوڑوں گی۔''

عاشی کرسی پر ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں سے کراہیں سی خارج ہو رہی تھیں۔

''ڈرو نہیں عاشی! سب ٹھیک ہے۔'' ڈاکٹر محسن نے کہا۔ ''تم بالکل محفوظ ہو اور اب تم جاگ رہی ہو۔ میں پانچ کہوں گا تو تم آنکھیں کھول دو گی۔''

اور پھر عاشی نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ اب بھی ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔

''کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی؟ سب ٹھیک ہے نا ڈاکٹر؟'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔

''پشپا، رچرڈ کے بارے میں بتا رہی تھی۔ وہ تمہاری عزت لوٹنے کی کوشش کر رہا تھا اور تم سمجھ رہی تھیں وہ تمہارا ماموں ہے۔ اور.....''

''میں اور کچھ نہیں سننا چاہتی ڈاکٹر!'' عاشی دونوں ہاتھ کانوں پر رکھتے ہوئے چیخی۔

☆

''آخر کار ہمیں آگے بڑھنے کا راستہ مل ہی گیا۔'' ڈاکٹر محسن، ڈاکٹر لیوی سن کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''یہ سب کچھ اگرچہ عاشی کے لئے بہت اذیت ناک ہے لیکن آخر کار ہم انجام کے قریب پہنچ رہے ہیں۔ بہر حال! ابھی دو آدمیوں کے قتل کے بارے میں معلوم ہونا باقی ہے۔''

''اور اس کے بعد؟'' ڈاکٹر لیوی سن نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''اس کے بعد میں عاشی، پشپا اور صوفیہ کو ایک جگہ پر لاؤں گا۔'' ڈاکٹر محسن نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

☆

''پشپا..... پشپا..... کیا تم میری آواز سن رہی ہو؟'' ڈاکٹر محسن نے کہا۔ اور اس کے ساتھ ہی عاشی کے چہرے پر تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔

''میں یہاں موجود ہوں ڈاکٹر!'' پشپا کی آواز سنائی دی۔

''جم کے بارے میں کچھ بتانا پسند کرو گی؟''

''میں نے اسے سمجھنے میں بہت بڑی غلطی کی تھی۔''

''کیا مطلب؟'' ڈاکٹر محسن نے اسے گھورا۔

''پہلے تو وہ بہت شریف لگتا تھا۔ وہ روزانہ مجھے کہیں نہ کہیں لے جاتا تھا۔ کبھی کلب میں، کبھی کسی ریستوران میں۔ بہت اچھا وقت گزر رہا تھا۔ میرا خیال تھا وہ دوسروں سے بہت مختلف ہے۔ لیکن..... یہ انکشاف بڑا تکلیف دہ ثابت ہوا کہ وہ بھی ہوس کا غلام ہے۔ وہ بھی مجھ سے وہی کچھ چاہتا تھا جو.....''

''سمجھ گیا۔'' ڈاکٹر بولا۔

''اس نے مجھے ایک بہت خوبصورت اور قیمتی انگوٹھی دی تھی اور شاید یہ سمجھا تھا کہ انگوٹھی دے کر اس نے مجھے خرید لیا ہے۔ اس رات وہ مجھے اپنے گھر لے گیا تھا۔''

پشپا نے بتایا..... سرخ اینٹوں سے بنا ہوا وہ دو منزلہ مکان بڑا خوبصورت تھا۔ اس کا ساز و سامان بھی بہت قیمتی تھی اور بہت سی ایسی چیزیں نظر آ رہی تھیں جن کا شمار نوادرات میں کیا جا سکتا تھا۔

''بہت خوبصورت گھر ہے۔ اور یہ چیزیں تو.....''

''اوپر..... بیڈ روم میں ایک اور خاص چیز بھی ہے، جو میں تمہیں دکھانا چاہتا ہوں۔'' جم نے کہا اور اسے بازو سے پکڑ کر اوپر لے جانے لگا۔ وہ کوشش کے باوجود مزاحمت نہیں کر سکی تھی۔ وہ دونوں بیڈ روم میں آ گئے۔ جم نے اسے بانہوں میں لے لیا اور اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ ''یہاں ہم دونوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔ کپڑے اتار دو.....''

''نہیں جم! میں.....''

''جو کہتا ہوں وہ کرو۔'' جم نے اس کی بات کاٹ دی۔ اور پھر زبردستی اس کے کپڑے اتار دیئے اور اسے ساتھ لے کر بستر پر گر گیا۔

وہ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کراہ رہی تھی..... ''نہیں! نہیں! مت کرو جانوں..... مجھے چھوڑ دو پلیز.....''

لیکن جم نے کوئی توجہ نہیں دی۔ وہ اسے قابو میں کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ وہ مزاحمت کرتے ہوئے ہسٹریائی انداز میں چیخنے لگی۔ اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا اسٹیل کے بلیڈ والا پیپر کٹر، چاقو اٹھا لیا اور پوری قوت سے اس کے سینے میں پیوست کر دیا۔ اور پھر تو جیسے اس پر جنون طاری ہو گیا۔ وہ پے در پے اس پر حملے کرتی رہی۔

''اب تم کسی کے ساتھ ایسی حرکت نہیں کر سکو گے۔'' وہ چیخی اور چاقو سے اس کی مردانگی کی علامت کو کاٹ کر پھینک دیا۔ اس کے بعد اس نے بڑے اطمینان سے باتھ روم میں غسل کیا، کپڑے پہنے اور اپنے ہوٹل واپس چلی گئی۔

''عاشی!'' ڈاکٹر محسن نے اسے مخاطب کیا۔ ''اب تم جاگ جاؤ۔''

عاشی نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں اور ڈاکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''پھر وہی پشپا؟''

''ہاں! جم سے اس کی ملاقات انٹرنیٹ پر ہوئی تھی۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔ ''ایک بات بتاؤ عاشی! جب تم کیوبک گئی تھیں تو کیا تمہیں کبھی یہ احساس ہوا تھا کہ..... کہ جیسے تمہارا وقت کھو گیا ہو؟ میرا مطلب ہے گھنٹے، دو گھنٹے یا ایک دن بعد تمہیں اچانک ہی یہ احساس ہوا ہو کہ وقت کہاں چلا گیا؟''

''ہاں!'' عاشی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''مجھے کئی مرتبہ اس قسم کا احساس ہوا ہے۔''

''گڈ!'' ڈاکٹر محسن مسکرایا۔ ''یہی وہ موقع ہوتا ہے جب پشپا تمہارے ذہن پر قابض ہوتی ہے۔''

''اور..... اور..... ایسے ہی موقعوں میں اس نے..... وہ ہکلا کر رہ گئی۔

''ہاں! تم ٹھیک سمجھ رہی ہو۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

☆

اگلے چند مہینوں کے دوران میں کوئی خاص واقعہ رونما نہیں ہوا۔ ڈاکٹر محسن اکثر دوپہر کے وقت پشپا کو پیانو بجاتے اور گاتے ہوئے سنتا اور صوفیہ کو پارک میں پینٹنگ کرتے ہوئے دیکھتا۔ صرف ایک قتل کے بارے میں معلوم کرنا باقی رہ گیا تھا لیکن ڈاکٹر چاہتا تھا کہ اس پر کام شروع کرنے سے پہلے عاشی کچھ آرام کر لے۔

عاشی کو اس نفسیاتی ہسپتال میں آئے ہوئے پانچ سال ہو چکے تھے اور ڈاکٹر محسن کے خیال میں وہ بڑی حد تک صحت یاب ہو چکی تھی۔ ایک دو معمولی سی الجھنیں باقی رہ گئی تھیں اور ڈاکٹر محسن کو یقین تھا کہ ان پر بھی جلد ہی قابو پا لیا جائے گا۔''

وہ پیر کی صبح تھی۔ ڈاکٹر محسن نے ایک اٹینڈنٹ کو عاشی کو لینے کے لئے بھیج دیا۔ عاشی جب دفتر میں داخل ہوئی تو اس کے چہرے پر پیلاہٹ نمایاں تھی۔ جیسے وہ جانتی ہو کہ کیا ہونے والا ہے۔

''ہیلو عاشی! کیسی ہو؟'' ڈاکٹر نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا۔

''نروس۔'' عاشی نے جواب دیا۔ ''میرا خیال ہے آخری کیس رہ گیا ہے۔''

''ہاں! اگر تم تیار ہو تو ڈپٹی دلیر سنگھ کے بارے میں کچھ باتیں کر لی جائیں۔ وہ تمہارے فلیٹ میں کیوں آیا تھا؟''

''اسے میں نے بلایا تھا'' عاشی نے جواب دیا۔ ''کسی نے میرے باتھ روم کے آئینے پر لکھ دیا تھا۔ 'تمہیں مرنا ہوگا۔' مجھے نہیں معلوم یہ حرکت کس نے کی تھی۔'' میرا خیال تھا کہ کوئی مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔ میں نے پولیس کو فون کیا تو ڈپٹی دلیر سنگھ تفتیش کے لئے آیا تھا۔ اس کا طرزِ عمل بہت ہمدردانہ تھا۔''

''کیا تم نے اسے رُکنے کے لئے کہا تھا؟''

''ہاں! مجھے اکیلے میں ڈر لگ رہا تھا۔ میرے کہنے پر وہ رات رہنے پر آمادہ ہو گیا تھا اور کہا تھا کہ کل صبح سے چوبیس گھنٹے میری حفاظت کا بندوبست کر دیا جائے گا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ وہ بیڈروم میں سو جائے، میں باہر کوچ پر سو جاؤں گی لیکن اس نے کوچ پر سونے کو ترجیح دی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس نے دروازہ اور کھڑکیاں چیک کی تھیں اور دروازے کو ڈبل بولٹ کر دیا تھا۔ اس نے اپنا پستول ہولسٹر سے نکال کر کوچ کے قریب چھوٹی میز پر رکھ دیا تھا۔ میں اسے شب بخیر کہہ کر کمرے میں آ گئی اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔''

''پھر کیا ہوا؟''

''میں..... مجھے بس اتنا یاد ہے کہ میری آنکھ گلی میں کسی کے چیخنے کی آواز سے کھلی تھی۔ اس کے کچھ دیر بعد شیرف نے مجھے بتایا کہ ڈپٹی شیرف دلیر سنگھ عقبی گلی میں مردہ پایا گیا ہے۔'' وہ خاموش ہو گئی۔ اس کے چہرے پر پیلاہٹ کچھ اور گہری ہو گئی تھی۔

''ٹھیک ہے!'' ڈاکٹر نے کہا۔ ''اب میں تمہیں سلانے جا رہا ہوں۔ اپنی آنکھیں بند کر لو اور جسم کے اعضاء ڈھیلے چھوڑ دو۔'' دس منٹ بعد عاشی ٹرانس میں آ چکی تھی۔

''پشپا.....'' ڈاکٹر نے اسے مخاطب کیا۔

''یس ڈاکٹر!'' پشپا کی آواز فوراً ہی سنائی دی۔ ''تم یہ جاننا چاہتے ہو نا کہ اصل واقعہ کیا تھا؟ میں بتاتی ہوں۔ عاشی بیوقوف تھی کہ اس نے ڈپٹی شیرف دلیر سنگھ کو رات بھر کے لئے اپنے فلیٹ پر روک لیا تھا۔ مجھے عاشی کو پہلے ہی خبردار کر دینا چاہئے تھا کہ وہ بدبخت کیا کرنے والا ہے۔''

دلیر سنگھ نے بیڈروم سے چیخنے کی آواز سنی تو اچھل کر کھڑا ہو گیا اور سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا پستول اٹھا لیا۔ وہ تیزی سے بیڈروم کی طرف بڑھا اور دروازے کے قریب رُک کر اندر سے کسی قسم کی آواز سننے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن اندر خاموشی تھی۔ چیخنے کی وہ آواز شاید اس کا واہمہ تھی۔ لیکن جیسے ہی وہ واپس جانے کے لئے مڑا، اس نے وہ آواز پھر سنی۔ اس نے ایک ہاتھ سے پستول سنبھالے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے دھکا دے کر دروازہ کھول دیا۔

عاشی اپنے بستر پر سو رہی تھی۔ اس کے جسم پر شب خوابی کا لباس تھا جو سمٹا ہوا تھا۔ ڈپٹی دلیر سنگھ نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ کمرے میں اور کوئی نہیں تھا۔ عاشی کے منہ سے ہلکی ہلکی کراہیں سی خارج ہو رہی تھیں۔ دلیر سنگھ پلنگ کے قریب پہنچ گیا۔ وہ عجیب سی نظروں سے عاشی کو دیکھ رہا تھا۔ عاشی اسے پہلے سے کہیں زیادہ حسین لگی۔ عاشی کے منہ سے اب بھی کراہنے کی ہلکی ہلکی آوازیں نکل رہی تھیں، جیسے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہی ہو۔ اچانک اس نے کروٹ بدلی۔ شب خوابی کا لباس کچھ اور سمٹ گیا۔

ڈپٹی دلیر سنگھ کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اُبھر آئی۔ کانوں کی لویں تپنے لگیں اور دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ دوسرے ہی لمحے وہ عاشی کے قریب بستر پر لیٹ گیا اور اس کی پشت پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف کھینچنے لگا۔ اس کی کنپٹیاں سلگنے لگی تھیں۔

عاشی کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے بدحواس ہو کر پیچھے ہٹنا چاہا مگر ڈپٹی دلیر سنگھ کی گرفت سخت ہو گئی۔ ''ڈرو نہیں۔ میں ہوں..... تمہیں کچھ نہیں ہوگا..... بلکہ خوش ہو جاؤ گی۔ یہ تمہاری زندگی

کے یادگار لمحات ہوں گے۔''

''نہیں، نہیں! ماموں..... چھوڑ دو مجھے.....'' وہ مزاحمت کرتے ہوئے چیخنے لگی۔

ڈپٹی دلیر سنگھ اسے شکنجے میں جکڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ عاشی چیختے ہوئے بیڈ کے کنارے پر آ گئی۔ اور پھر اس نے بیڈ سائیڈ ٹیبل کی دراز کھول کر اس میں رکھی ہوئی تیز دھار چھری نکالی اور دلیر سنگھ کے جسم پر پے در پے وار کرنے لگی۔

''اسے قتل کرنے کے بعد کیا ہوا تھا؟'' ڈاکٹر محسن نے پوچھا۔

''عاشی نے اس کی لاش ایک چادر میں لپیٹی اور اسے گھسیٹتی ہوئی فلیٹ سے نکال کر لفٹ میں لے گئی اور پھر نیچے جا کر گیراج کی طرف سے اسے پچھلی گلی میں ڈال دیا۔''

☆

.....اور پھر.....'' ڈاکٹر، عاشی کو بتا رہا تھا۔ ''پشپا نے اس کی لاش ایک چادر میں لپیٹی اور اسے گھسیٹتی ہوئی فلیٹ سے نکال کر لفٹ میں لے گئی اور پھر نیچے جا کر گیراج کی طرف سے اسے پچھلی گلی میں ڈال دیا۔''

عاشی متوحش نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ اس طرح سفید ہو رہا تھا جیسے سارا خون نچڑ گیا ہو۔ ''وہ..... وہ کوئی عفریت.....'' وہ ہکلا کر رہ گئی۔

''نہیں عاشی!'' ڈاکٹر محسن نے کہا۔ ''تمہیں یاد ہے، پشپا نے تمہارے ذہنی کرب سے جنم لیا تھا۔ تمہیں اس اذیت سے بچانے کے لئے صوفیہ کے بارے میں بھی یہی بات کہی جا سکتی ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ اس قصے کو ختم کر دیا جائے۔ میں تمہیں ان سے ملانا چاہتا ہوں۔ تمہارے علاج کے لئے یہ بہت ضروری ہے۔''

''ٹھیک ہے ڈاکٹر!'' عاشی نے آنکھیں سختی سے بند کر لیں۔ ''تو پھر یہ کب ہو گا؟''

''کل صبح!'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

☆

عاشی مکمل طور پر ٹرانس میں تھی اور ڈاکٹر محسن کہہ رہا تھا۔ ''پشپا..... میں چاہتا ہوں کہ تم اور صوفیہ، عاشی سے بات کرو۔''

''یہ تم نے کیسے سمجھ لیا کہ وہ ہمیں برداشت کر لے گی؟'' پشپا نے کہا۔

''وہ برداشت کر لے گی۔''

''ٹھیک ہے! تم کہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' پشپا نے جواب دیا۔

''صوفیہ..... کیا تم عاشی سے ملنے کو تیار ہو؟'' ڈاکٹر نے اس مرتبہ صوفیہ کو مخاطب کیا۔

''پشپا کہتی ہے تو مجھے بھی کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔'' صوفیہ نے جواب دیا۔

ڈاکٹر محسن نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے عاشی کو مخاطب کیا۔ ''عاشی! پشپا اور صوفیہ کو ہیلو کہو۔''

''ہیلو پشپا..... ہیلو صوفیہ.....'' عاشی نے کہا۔

''ہیلو عاشی!'' پشپا اور صوفیہ نے بھی باری باری کہا۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم سب ایک دوسرے کے بارے میں جان لو۔'' ڈاکٹر نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''تم تینوں ایک ہی جیسے ذہنی کرب سے گزری ہو۔ ان ذہنی صدموں نے تمہیں ایک دوسرے سے الگ کر دیا تھا۔ لیکن اب الگ رہنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اب تم تینوں ایک ہی شخصیت کا روپ اختیار کرنے جا رہی ہو۔ صحت مند شخصیت۔ یہ سفر اگرچہ کسی قدر طویل ہے۔ لیکن تم پہلا قدم اٹھا چکی ہو۔ کٹھن ترین مرحلہ ختم ہو چکا ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں، تم لوگ جلد ہی ایک ہو جاؤ گی۔''

☆

صورت حال بڑی تیزی سے بہتری کی طرف جا رہی تھی۔ عاشی کے علاج میں حائل بہت سی دشواریاں تقریباً ختم ہو چکی تھیں۔ عاشی اور اس کے اندر کی شخصیات، پشپا اور صوفیہ میں روزانہ بات چیت بھی ہوتی تھی۔

''مجھے تمہاری حفاظت تو کرنی ہی تھی۔'' پشپا کچھ باتوں کی وضاحت کرتے ہوئے عاشی کو بتا رہی تھی۔ ''میں جب بھی کسی آدمی کو موت کے گھاٹ اتارتی، یہ تصور کر لیتی کہ ماموں جون پیٹرسن کو قتل کر رہی ہوں۔ سارے فساد کی اصل جڑ تو وہی ہے۔''

''میں بھی تمہاری حفاظت کی کوشش کرتی رہی ہوں۔'' صوفیہ نے بھی ان کی باتوں میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

''میں..... میں تم دونوں کی بے حد شکر گزار ہوں۔'' عاشی نے کہا اور ڈاکٹر محسن رضا کی طرف متوجہ ہو گئی۔ ''اب میں سب کی سب ایک ہوں..... میرے اندر کوئی اور نہیں ہے۔ صرف میں ہی میں ہوں۔ اور لگتا ہے میں اپنے آپ سے باتیں کر رہی ہوں۔''

''اپنے آپ سے نہیں۔ تم اپنے اندر کی دو مختلف شخصیتوں سے باتیں کر رہی ہو۔'' ڈاکٹر محسن نے تصحیح کی۔ ''اب وقت آ گیا ہے کہ تم تینوں متحد ہو کر ایک ہو جاؤ۔''

''میں تو بالکل تیار ہوں۔'' عاشی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

اور پھر اسی روز دوپہر کے وقت ڈاکٹر محسن، ڈاکٹر لیوی سن کے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔

''آپ کی رپورٹس کافی امید افزا ہیں ڈاکٹر محسن! میرا خیال ہے ہم بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔'' ڈاکٹر لیوی سن نے کہا۔

''عاشی کی پروگریس بہت شاندار اور قابل تعریف ہے۔'' ڈاکٹر محسن نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ ''میرا خیال ہے چند مہینوں میں وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی اور اسے یہاں سے رخصت کر دیا جائے گا۔ بعد میں وہ کسی بھی اچھے ماہر نفسیات سے وقتاً فوقتاً اپنا چیک اپ کروا سکتی ہے۔''

''بہت خوشی کی بات ہے اور یہ آپ کی بہت بڑی کامیابی ہے۔ میں آپ کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں ڈاکٹر محسن!'' ڈاکٹر لیوی سن نے کہا۔

ڈاکٹر محسن رضا کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ عاشی چلی جائے گی۔ اور وہ..... اس کے بغیر اپنے آپ کو ادھورا سمجھے گا!

☆

''ڈاکٹر سنتوش شرما کی کال ہے مسٹر ڈیوڈ!''

''ٹھیک ہے۔ لائن ملاؤ۔'' ڈیوڈ نے کہتے ہوئے انٹرکام کا ریسیور رکھ کر فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ اپنی سیکرٹری سے ڈاکٹر سنتوش شرما کا نام سن کر اسے واقعی حیرت ہوئی تھی۔ پچھلے کئی برسوں سے ان میں کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا۔

''ہیلو ڈاکٹر شرما! کیسے ہیں آپ؟' ڈیوڈ نے اس کی آواز سن کر کہا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' ڈاکٹر شرما نے جواب دیا۔ ''تمہارے لئے ایک دلچسپ اطلاع ہے اور یہ اطلاع عاشی کے بارے میں ہے۔''

ڈیوڈ عاشی کے نام پر چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ ''کیسی اطلاع ڈاکٹر؟'' اس نے دل کی تیز ہوتی ہوئی دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''تمہیں یاد ہے نا کہ ہم نے عاشی کے ذہنی صدمے کی اصل وجہ معلوم کرنے کی سرتوڑ کوشش کی تھی مگر کامیاب نہیں ہوئے تھے۔'' ڈاکٹر شرما نے کہا۔

''مجھے اچھی طرح یاد ہے۔'' ڈیوڈ نے جواب دیا۔ ''اسی ایک بات نے عدالت میں ان کے کیس کو خاصا کمزور کر دیا تھا۔''

''اب مجھے اس کا جواب مل گیا ہے۔'' ڈاکٹر شرما نے کہا۔ ''کچھ دیر پہلے کنگٹی کٹ نفسیاتی ہسپتال کے سربراہ ڈاکٹر لیوی سن کا فون آیا تھا۔ تمہیں بتایا تھا نا کہ وہ میرا دوست ہے اس زنجیر کی گمشدہ کڑی عاشی کا ماموں جون پیٹرسن ہے۔ یہی وہ شخص ہے جس نے نوعمری میں عاشی کے ساتھ زیادتی کی تھی اور اسے شدید ذہنی صدمہ پہنچا تھا۔''

''کیا.....؟'' ڈیوڈ اچھل پڑا۔ اسے ڈاکٹر شرما کی بات پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

''ڈاکٹر لیوی سن کو بھی یہ بات حال ہی میں معلوم ہوئی ہے۔'' ڈاکٹر سنتوش شرما نے کہا۔

ڈاکٹر شرما بولتا رہا اور ڈیوڈ سنتا رہا۔ اس کا ذہن کئی سال پیچھے چلا گیا تھا جب وہ اپنی ماں کے علاج کا احسان چکانے کے لئے ڈاکٹر سلطان جمیل کے لئے صبح اور شام ڈرائیور کی حیثیت سے خدمت انجام دیا کرتا تھا۔ ان دنوں ایک مرتبہ باتوں ہی باتوں میں ڈاکٹر سلطان نے اپنے سالے جون پیٹرسن کے بارے میں بھی بتایا تھا۔ پیٹرسن دراصل ان کی بیوی کا کزن تھا جو اکثر ان کے ہاں آتا رہتا تھا۔ یہ ان کی شادی کے دو سال بعد کی بات تھی۔ ایک روز ڈاکٹر سلطان نے جون پیٹرسن کو گھر میں چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا۔ ڈاکٹر اسے پولیس کے حوالے کرنا چاہتا تھا لیکن اپنی بیوی کی مداخلت پر اسے چھوڑ دیا اور وارننگ دے دی کہ آئندہ وہ ان کے گھر نہیں آئے گا۔ اس کے بعد جون نظر نہیں آیا۔ اور پھر تقریباً پانچ سال بعد جون سے ڈاکٹر کی ملاقات لندن میں ہوئی تھی۔ جون پتہ نہیں کب اور کیسے لندن پہنچ گیا تھا مگر لندن میں کئی سال بعد ہونے والی ملاقات خوشگوار ثابت نہیں ہوئی تھی۔ وہ کیا بات تھی؟ ڈاکٹر سلطان نے کچھ نہیں بتایا تھا۔ اس کے بعد جون ایک بار پھر کئی سال کے لئے غائب ہو گیا تھا اور پھر لاس اینجلس میں اس کی موجودگی کی اطلاع ملی۔ اب وہ لاس اینجلس کا ایک کامیاب بزنس مین تھا۔

جون پیٹرسن کے بارے میں عاشی نے بھی ایک دو مرتبہ ڈیوڈ کو بتایا تھا۔ عاشی کے کہنے کے مطابق اس نے تقریباً بیس سال سے جون پیٹرسن کو نہیں دیکھا تھا۔ اور یہی عاشی کا وہ ماموں تھا جس کے بارے میں ڈاکٹر سنتوش شرما سنسنی خیز انکشافات کر رہا تھا۔

''ہیلو! کہاں چلے گئے ڈیوڈ؟''

ڈاکٹر شرما کی آواز سن کر وہ چونک گیا۔ ''میں..... میں سن رہا ہوں ڈاکٹر!'' وہ جلدی سے بولا۔

وہ تقریباً بیس پچیس منٹ تک باتیں کرتے رہے۔ پھر ڈیوڈ نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فون بند کر دیا۔ ''کتے کا بچہ!'' وہ بڑبڑایا۔ یہ الفاظ اس نے جون پیٹرسن کی شان میں کہے تھے۔

☆

اس روز عاشی ریکریشن ہال سے گزر رہی تھی کہ ایک میز پر ''ویسٹ پورٹ نیوز'' اخبار پڑے ہوئے دیکھ کر رک گئی۔ شاید ہسپتال کے عملے کا کوئی آدمی یہ اخبار یہاں بھول گیا تھا۔ اخبار کے اوپر والے صفحے پر اس کے ماموں جون پیٹرسن، اس کی دوست وکٹوریہ اور ایلس کی رنگین تصویر تھی۔ عاشی یہ تصویر دیکھ کر ہی ٹھٹکی تھی۔ عاشی نے اخبار اٹھا لیا اور تصویر کے ساتھ وہ خبر پڑھنے لگی۔

''لاس اینجلس کا معروف بزنس مین اور ڈاکٹر سلطان جمیل کی جائیداد کا ٹرسٹی جون پیٹرسن عنقریب ایک معروف سماجی شخصیت وکٹوریہ ہالٹ سے شادی کرنے والا ہے۔ وکٹوریہ کی اپنے پہلے شوہر سے ایک بچی بھی ہے۔ جون پیٹرسن کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ اپنا کاروباری ہیڈ کوارٹر مین ہٹن منتقل کر رہا ہے اور ان دونوں نے لانگ آئی لینڈ پر مستقل رہائش کے لئے ایک بہت بڑا مکان بھی خرید لیا ہے اور وہ بہت جلد.....''

عاشی نے اخبار ہٹا دیا۔ اس کے اندر نفرت کی ایک لہر سی اٹھی اور اس کا چہرہ غصے کی شدت میں لال بھبوکا ہو گیا۔

''میں اس کتے کے بچے کو قتل کر دوں گی۔ زندہ نہیں چھوڑوں گی اسے۔'' اس کے اندر سے پشپا چیخی۔ ''مار ڈالوں گی اس حرامی کو..... قتل کر دوں گی.....''

عاشی ہتھے سے اکھڑ گئی تھی۔ وہ کسی طرح قابو میں نہیں آ رہی تھی۔ چار پانچ محافظوں نے بڑی مشکل سے گرفت میں لے کر اسے ایک ایسے کمرے میں بند کر دیا جس کی دیواروں اور فرش پر موٹے فوم لگے ہوئے تھے تاکہ وہ اپنے آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں پہنا دی گئی تھیں۔ جب اٹینڈنٹ کھانا وغیرہ لے کر آتے تو وہ ان پر حملہ کر دیتی۔ انہیں مارنے کی کوشش کرتی۔ ہسپتال کے ملازمین اب اس کے زیادہ قریب جانے سے بھی ڈرنے لگے تھے۔ پشپا نے مکمل طور پر عاشی کو اپنے کنٹرول میں لے لیا تھا۔ اس نے ڈاکٹر محسن کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تو چیخ اٹھی۔ ''مجھے یہاں سے نکالو حرامزادے! ابھی اور اسی وقت..... ورنہ..... ورنہ میں تمہیں مار ڈالوں گی.....''

''ٹھیک ہے۔ ہم تمہیں یہاں سے نکال دیں گے۔'' ڈاکٹر محسن نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ ''لیکن پہلے اپنے آپ پر قابو پاؤ۔ سکون اختیار کرو۔''

''میں قابو میں ہوں۔'' پشپا چیخی۔ ''مجھے جانے دو یہاں سے۔''

ڈاکٹر محسن اس کے قریب فرش پر بیٹھ گیا۔ ''پشپا.....!'' وہ نرم لہجے میں بولا۔ ''اخبار میں اپنے ماموں کی تصویر دیکھ کر تم نے چیخ چیخ کر کہا تھا کہ اسے قتل کر دو گی اور.....''

''ہاں میں نے کہا تھا۔'' پشپا چیخی۔ ''میں اسے جان سے مار ڈالوں گی۔''

''قتل و غارت گری تو بہت ہو چکی۔'' ڈاکٹر محسن بولا۔ ''تم نے کئی آدمیوں کو چاقوؤں اور چھریوں سے قتل کیا ہے۔ لیکن اب یہ سلسلہ.....''

''میں اسے خنجر یا چھری سے نہیں ماروں گی۔'' پشپا نے غراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔ ''ہائیڈرو کلورک ایسڈ کے بارے میں سنا ہے؟ یہ زہر کسی بھی چیز میں کھلایا جا سکتا ہے۔ انتظار کرو ڈاکٹر..... میں اس حرامی کو.....''

''پشپا..... میں نہیں چاہتا کہ اب تم ایسی باتیں سوچو۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو ڈاکٹر!'' پشپا بولی۔ ''آرسن..... ہاں! آرسن بہتر رہے گا۔ یہ زہر ایسا ہے کہ وہ تڑپ تڑپ کر جان دے گا اور اسے یہ زہر اس طرح دوں گی کہ کسی کو مجھ پر شبہ بھی نہیں ہوگا اور.....''

''بھول جاؤ یہ سب کچھ پشپا..... ایسی باتوں کو ذہن سے نکال دو۔''

''ٹھیک ہے! میں کوئی اور طریقہ سوچوں گی۔'' پشپا نے کہا۔ ''کوئی ایسا طریقہ جس سے وہ تڑپ تڑپ کر..... سسک سسک کر اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دے۔''

''اتنی غصے میں کیوں ہو پشپا؟'' ڈاکٹر نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''تمہیں نہیں معلوم؟'' پشپا کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''میرا خیال تھا کہ تم بہت بڑے ڈاکٹر ہو۔ بہت سمجھ دار ہو۔ مگر تم تو کوڑھ مغز نکلے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وہ ایک ایسی عورت سے شادی کرنے والا ہے جس کی ایک چھوٹی بیٹی بھی ہے۔ جانتے ہو اس چھوٹی سی معصوم لڑکی کے ساتھ کیا ہوگا؟ وہی جو عاشی کے ساتھ ہوا تھا۔ جس سے آج کی عاشی کی یہ حالت ہو رہی ہے..... نہیں ڈاکٹر! اس سلسلے کو اب ختم کرنا ہوگا..... میں اسے ختم کر دوں گی۔''

''میرا خیال تھا تمہارے دل سے نفرت ختم ہو چکی ہے۔'' ڈاکٹر بولا۔

''نفرت!'' پشپا غرائی۔ ''جانتے ہو نفرت کیا ہوتی ہے۔ میں تمہیں بتاتی ہوں۔''

..... تیز بارش ہو رہی تھی۔ کار کی ونڈ سکرین پر پانی کی چادر سی پھیلی ہوئی تھی۔ وائپر مسلسل

چل رہے تھے لیکن ونڈ سکرین مسلسل پانی کی چادر سے ڈھکی ہوئی تھی۔ وہ کبھی کار سے باہر دیکھنے کی کوشش کرتی اور کبھی کار ڈرائیو کرتی ہوئی اپنی ماں کو دیکھنے لگتی۔ سامنے سڑک پر پانی پھیلا ہوا تھا۔ وہ بہت خوشگوار موڈ میں تھی اور پھر اس نے اپنا پسندیدہ گیت گنگنانا شروع کر دیا۔

ماں نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ ''تم اپنی چونچ بند نہیں رکھ سکتیں؟'' وہ چیخی۔

''میں کئی مرتبہ کہہ چکی ہوں کہ تمہارا گیت گانا مجھے بالکل پسند نہیں ہے اور اس گیت سے تو مجھے نفرت ہے۔ تمہیں گاتے دیکھ کر مجھے اختلاج ہونے لگتا ہے۔ کتنی بے سری اور بھونڈی ہے تمہاری آواز......''

اس کے بعد یوں لگا جیسے سب کچھ سلوموشن میں ہو رہا ہو۔ کار کی رفتار خاصی تیز تھی۔ ایک موڑ کاٹتے ہوئے ماں اسٹیئرنگ پر قابو نہ رکھ سکی۔ کار سڑک سے اتر کر ایک درخت سے ٹکرا گئی۔

تصادم زوردار تھا۔ جھٹکے سے اس کی طرف کا دروازہ کھلا اور وہ اچھل کر باہر جا گری۔ وہ کانپ کر رہ گئی۔ اتفاق سے اسے کوئی گزند نہیں پہنچا تھا۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ کار کے اندر سے اس کی ماں کی چیخوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس کی طرف سے دروازہ جام ہو گیا تھا اور اس کی ٹانگیں اسٹیئرنگ کے نیچے پھنس گئی تھیں۔ وہ لہولہان ہو چکی تھی۔

''مجھے باہر نکالو۔'' ماں چیخ رہی تھی۔ ''بچاؤ...... بچاؤ مجھے......''

وہ ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کار سے دور ہٹتی چلی گئی۔ اور پھر کار ایک زوردار دھماکے سے پھٹ گئی۔ کار کے ساتھ اس کی ماں کے بھی پرخچے اڑ گئے تھے۔

''نفرت!'' پیشپا نے کہا۔ ''نفرت کے بارے میں اور جاننا چاہتے ہو؟''

والٹر کہہ رہا تھا۔ ''میری بیٹی ایک پیشہ ور مصورہ ہے۔ وہ محض شوقیہ طور پر یہ کام نہیں کرتی۔ ہم اس کے بنائے ہوئے پورٹریٹ کو مسترد نہیں کر سکتے۔ ہمیں اس کا انتخاب کرنا ہوگا۔ ہم فادر کو یا تو یہی میری بیٹی کا بنایا ہوا پورٹریٹ پیش کریں گے یا سرے سے اسے کچھ نہیں دیا جائے گا۔

وہ سڑک کے موڑ پر کار میں بیٹھی ہوئی تھی۔ انجن چل رہا تھا۔ اس نے والٹر کو چرچ والی گلی سے نکلتے دیکھا تو سنبھل کر بیٹھ گئی۔ والٹر اس گیراج کی طرف جا رہا تھا جہاں وہ اپنی کار کھڑی کیا کرتا تھا۔

اس نے دونوں ہاتھ مضبوطی سے اسٹیئرنگ پر جما دیئے۔ انجن کو گیئر میں ڈالا اور ایکسی لیٹر پر پیر کا دباؤ ڈال دیا۔ کار ایک زوردار جھٹکے سے اچھل کر آگے بڑھی۔

والٹر نے تیز رفتار کار کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اچھل پڑا۔ وہ کار سے بچنے کے لئے تیزی سے مڑا۔

والٹر کے چہرے پر بے پناہ خوف کے تاثرات دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے ایکسی لیٹر پر پیر کا دباؤ کچھ اور بڑھا دیا۔ تیز رفتار کار والٹر سے ٹکرائی۔ والٹر ٹکر لگنے سے نیچے گرا۔ کار اسے کچلتی ہوئی نکل گئی۔ اس حادثے کا کوئی چشم دید گواہ نہیں تھا۔ قدرت بھی اس کی مدد کر رہی تھی۔

''اسے کہتے ہیں نفرت ڈاکٹر!'' پیشپا نے کہا۔ ''دلوں کو جلا کر راکھ کر دینے والی نفرت۔''

ڈاکٹر محسن کانپ کر رہ گیا۔ ایسی نفرت تھی بیٹی کو ماں سے۔ جب وہ عاشی کے کمرے سے نکلا تو دل و دماغ پر عجیب سا بوجھ محسوس کر رہا تھا۔ اس نے دوسرے مریضوں سے آج کی تمام ملاقاتیں بھی منسوخ کر دیں اور اپنے دفتر میں بند ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے تنہائی چاہتا تھا۔

اگلے روز جب وہ عاشی کے کمرے میں داخل ہوا تو صوفیہ عاشی کے دماغ پر قابض تھی۔

''تم نے مجھے یہاں کیوں قید کر رکھا ہے ڈاکٹر محسن؟'' صوفیہ نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ ''مجھے یہاں سے باہر کیوں نہیں جانے دیتے؟''

''تمہارے باہر جانے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن......'' ڈاکٹر نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ''پہلے مجھے پیشپا کے بارے میں بتاؤ۔ اس نے تم سے کیا کہا تھا؟''

''اس نے کہا تھا کہ ہم یہاں سے فرار ہو جائیں گے اور سب سے پہلے ماموں جون پیٹرسن کو قتل کر دیں گے۔'' صوفیہ نے جواب دیا۔

''ہیلو ڈاکٹر!'' ڈاکٹر کے بولنے سے پہلے ہی پیشپا کی آواز سنائی دی۔ ''اب تو ہم ٹھیک ہیں۔ تم ہمیں یہاں سے جانے کیوں نہیں دیتے؟''

ڈاکٹر محسن جواب دینے کی بجائے اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ کتنی سرد مہری اور سفاکی تھی ان آنکھوں میں۔ اس جنونی کی طرح، جو کسی کی جان لینے پر تلا ہوا ہو۔

☆

''جو کچھ بھی ہوا، مجھے اس کا افسوس ہے ڈاکٹر محسن!'' ڈاکٹر لیوی سن نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''سب کچھ ٹھیک ٹھاک جا رہا تھا کہ یکایک اور غیر متوقع طور پر یہ گڑبڑ ہو گئی۔''

''اور اب تو صورت حال یہ ہے کہ میں براہ راست عاشی سے بھی بات نہیں کر سکتا۔'' ڈاکٹر محسن نے بھی گہرا سانس لیا۔ ''وہ دونوں اس کے دماغ پر قابض ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے کہ سب کچھ نئے سرے سے شروع کرنا ہوگا۔'' ڈاکٹر لیوی سن نے کہا۔

''نہیں ڈاکٹر!'' ڈاکٹر محسن نے جواب دیا۔ ''اب ہم اس نہج پر پہنچ چکے ہیں جہاں تینوں آلٹرز سے ملاقات ہو چکی ہے اور وہ ایک دوسرے کے بارے میں جان چکی ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا بریک تھرو تھا۔ میرا اگلا قدم یہ ہوتا کہ ان تینوں کو ایک کر دیا جائے۔ بہرحال! میں مایوس نہیں ہوں۔ ہمیں آگے بڑھنے کا کوئی نہ کوئی راستہ مل ہی جائے گا۔''

''اخبار میں وہ تصویر اور خبر.....''

''یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ پشپا نے وہ تصویر اور خبر دیکھ لی۔'' ڈاکٹر محسن نے اس کی بات کاٹ دی۔

''خوش قسمتی؟'' ڈاکٹر لیوی سن نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں! اس سے ہمیں پتہ چل گیا ہے کہ پشپا کے اندر کس قدر شدید نفرت بھری ہوئی ہے۔ ہم اس پر کام کر سکتے ہیں بلکہ میں ایک تجربہ کرنا چاہتا ہوں۔'' ڈاکٹر محسن نے کہا۔ ''اگر یہ تجربہ کامیاب رہا تو ہماری کامیابی کے امکانات بھی واضح ہو جائیں گے۔ لیکن اگر تجربہ ناکام رہا تو.....'' وہ چند لمحوں کو خاموش رہا۔ پھر مدھم لہجے میں بولا۔ ''ایسی صورت میں عاشی کو باقی زندگی یہیں گزارنی پڑے گی۔''

''آپ کیا تجربہ کرنا چاہتے ہیں ڈاکٹر؟'' ڈاکٹر لیوی سن نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''عاشی کے ماموں جون پیٹرسن کو دوبارہ اس کے سامنے لانا مناسب نہیں رہے گا۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ کسی ایسی نیشنل کلپنگ ایجنسی کی خدمات حاصل کر لی جائیں جو جون پیٹرسن کے بارے میں شائع ہونے والی ہر خبر کا تراشہ مجھے بھیجتی رہے۔ کاروباری حلقے میں وہ ایک معروف شخصیت ہے۔ پہلے بھی اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ چھپتا رہتا ہوگا لیکن ہم نے کبھی توجہ نہیں دی۔ اب میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ بھی چھپے، اس کا تراشہ میرے پاس پہنچ جائے۔''

''تمہارے ذہن میں کیا ہے؟'' ڈاکٹر لیوی سن نے پوچھا۔

''میں وہ تمام تراشے پشپا کو دکھاؤں گا۔ اس طرح اس کے اندر چھپی ہوئی نفرت سامنے آتی رہے گی۔ میں اس کا مشاہدہ کرتا رہوں گا اور اس کے ساتھ ہی اس کی نفرت کو کنٹرول کرنے کی کوشش کروں گا۔''

''اس میں تو لمبا عرصہ لگ جائے گا۔'' ڈاکٹر لیوی سن بولا۔

''کم سے کم ایک سال۔ ممکن ہے زیادہ بھی لگ جائے۔ لیکن ہمارے پاس صرف یہی ایک راستہ ہے۔''

☆

پانچ دن بعد عاشی اپنے حواس میں آ چکی تھی۔ ڈاکٹر محسن جیسے ہی اس کے کمرے میں داخل ہوا، وہ اسے دیکھتے ہی بولی۔ ''ہیلو ڈاکٹر! جو کچھ بھی ہوا مجھے اس کا افسوس ہے۔''

''میرے خیال میں اچھا ہی ہوا۔'' ڈاکٹر محسن نے کہا۔ ''اس طرح تمہارے جذبات اور احساسات سامنے آ گئے اور مجھے بات کو سمجھنے کا موقع مل گیا۔'' اس نے کہا۔ پھر مڑ کر دروازے میں کھڑے ہو کر محافظ کو اشارہ کیا کہ عاشی کی بیڑیاں اور ہتھکڑیاں کھول دی جائیں۔

بیڑیاں اور ہتھکڑیاں کھلتے ہی عاشی اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور کلائیاں سہلانے لگی۔ ''ان کی وجہ سے مجھے بڑی تکلیف اٹھانی پڑی۔'' وہ کمرے سے نکل کر راہداری میں آ گئے۔ ''پشپا بہت غصے میں ہے۔'' عاشی نے ڈاکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اسے غصے میں ہونا ہی چاہئے۔ لیکن وہ بھی بہت جلد اپنے غصے پر قابو پا لے گی۔ میرا منصوبہ یہ ہے کہ.....''

☆

جون پیٹرسن کے بارے میں ہر مہینے تین چار خبریں یا مختصر سے مضامین ضرور چھپتے تھے۔

''جون پیٹرسن اس جمعہ کو لانگ آئی لینڈ میں اپنی دوست وکٹوریہ ہالٹ سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جائے گا۔ لاس اینجلس میں اس کے دوست بھی شادی میں شرکت کے لئے لانگ آئی لینڈ جائیں گے۔''

ڈاکٹر محسن نے پشپا کو اس خبر کا تراشہ دکھایا تو وہ بھڑک گئی۔ ''یہ شادی زیادہ عرصہ نہیں رہ سکے گی۔''

''کیوں.....؟ یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟'' ڈاکٹر بولا۔

''کیونکہ اس کی موت اسے گھیرنے والی ہے۔'' پشپا نے جواب دیا۔

''معروف بزنس مین جون پیٹرسن نے اپنا کاروباری ہیڈ کوارٹر مین ہٹن منتقل کر دیا۔''

''تاکہ وہ خبیث وہاں کی نوعمر لڑکیوں کی عزت لوٹ سکے۔'' پشپا چیخی۔

''بزنس مین جون پیٹرسن نے بزنس کا سب سے بڑا ایوارڈ حاصل کر لیا۔ یہ ایوارڈ اگلے ہفتے وائٹ ہاؤس میں ہونے والی ایک پروقار تقریب میں دیا جائے گا۔''

''اس حرامی کو تو پھانسی کے تختے پر لٹکا دینا چاہئے۔'' پشپا پھر چیخی۔

☆

ڈاکٹر محسن نے یہ بندوبست کر دیا تھا کہ جون پیٹرسن کے بارے میں اخباروں میں چھپنے والی ہر خبر پشپا تک پہنچتی رہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ بڑی گہری نظروں سے اس کا مشاہدہ بھی کر رہا تھا۔ یہ بات اس نے خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پشپا کے غصے کی شدت میں کمی آتی جا رہی تھی۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ جون پیٹرسن کے حوالے سے اس کے جذبات سرد پڑنے لگے تھے۔ شدید نفرت پہلے غصے میں تبدیل ہوئی اور پھر رفتہ رفتہ یہ غصہ بھی فرو ہوتا چلا گیا اور آخر کار اس نے صورت حال کو جیسے قابو کر لیا تھا۔ اب وہ جون پیٹرسن کے بارے میں کوئی خبر پڑھ کر کسی ردعمل کا اظہار نہیں کرتی تھی۔

''بزنس مین جون پیٹرسن اپنی نو بیاہتا بیوی کے ساتھ مین ہٹن کے عالی شان مکان میں منتقل ہو گئے لیکن انہوں نے ہیمپٹن میں ایک اور مکان بھی خرید لیا ہے جہاں وہ گرمیوں کی چھٹیاں گزاریں گے۔ ان کی بیٹی ایلس بھی ان کے ساتھ ہو گی۔''

یہ خبر پڑھ کر پشپا سسکیاں بھرنے لگی۔ ''وہ ہمارے ساتھ یہ ظلم کیوں کر رہا ہے ڈاکٹر؟'' وہ ڈاکٹر محسن کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''پشپا.....'' ڈاکٹر بولا۔ ''کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ وہ بچی تمہاری جگہ.....''

''میں.....میں کچھ نہیں جانتی۔'' پشپا ایک بار پھر سسکیاں بھرنے لگی۔

☆

ایک سال اور گزر گیا۔

ہفتے میں تین مرتبہ عاشی کی سائیکو تھراپی ہوتی تھی۔ صوفیہ بھی تقریباً ہر روز پینٹنگ کرتی لیکن پشپا نے پیانو بجانے یا گانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

کرسمس کے موقع پر ڈاکٹر محسن نے پشپا کو ایک نیا اخباری تراشہ دکھایا۔ جون پیٹرسن، وکٹوریہ اور ایلس کی رنگین تصویر چھپی تھی اور اس کے نیچے لکھا ہوا تھا۔ ''بزنس مین جون پیٹرسن اپنی بیوی اور بچی کے ساتھ کرسمس ہیمپٹن میں منائیں گے۔''

''ماموں اتنا برا نہیں تھا۔'' پشپا نے افسردہ سے لہجے میں کہا۔ ''مجھے یاد ہے، جب میں بہت چھوٹی سی تھی تو اس نے کرسمس کے موقع پر مجھے بہت سے تحائف لا کر دیئے تھے۔''

ڈاکٹر محسن دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ یہ ایک نئے بریک تھرو کا پہلا اشارہ تھا۔

☆

ایک روز ڈاکٹر محسن رضا ریکریشن ہال کے سامنے سے گزر رہا تھا تو اندر سے پیانو اور پشپا

کے گانے کی آواز سن کر ٹھٹک گیا۔ وہ اندر آ گیا۔ اسے بڑی خوشگوار حیرت ہوئی۔ پشپا پوری لگن سے آنکھیں بند کیے گیت گا رہی تھی۔ اس کی مخروطی انگلیاں بڑی مہارت سے پیانو پر چل رہی تھیں۔

اگلے روز تھراپی سیشن میں ڈاکٹر محسن، پشپا سے بات کر رہا تھا۔ ''پشپا! تمہارا ماموں بوڑھا ہو رہا ہے۔ اگر اس کا انتقال ہو جائے تو تمہارے احساسات کیا ہوں گے؟''

''اس کے مرنے سے مجھے کوئی خوشی نہیں ہو گی۔'' پشپا نے جواب دیا۔ ''میں نے اس کے بارے میں جو کچھ کہا تھا، غصے میں کہا تھا۔ میں اس سے سخت ناراض تھی۔''

''تو اب تمہاری ناراضگی ختم ہو گئی؟'' ڈاکٹر نے پوچھا۔

''میں ناراض نہیں ہوں۔'' پشپا نے ایک لمحے کی خاموشی کے بعد جواب دیا۔ ''مم..... مجھے دکھ پہنچا ہے۔ تم نے ٹھیک ہی کہا تھا ڈاکٹر! مجھے لگ رہا ہے کہ وہ چھوٹی لڑکی میری جگہ لینے جا رہی ہے۔'' اس نے چہرہ اُوپر اٹھا کر ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔ ''دراصل میں کچھ کنفیوژ ہو گئی تھی۔ ماموں کو پورا حق حاصل ہے کہ وہ جس طرح چاہے اپنی زندگی گزارے۔''

ڈاکٹر محسن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ وہ صحیح رُخ پر جا رہے تھے۔

☆

اب وہ تینوں بڑے بے تکلفانہ انداز میں آپس میں باتیں کر لیتی تھیں۔ ڈاکٹر محسن سے بات کرتے ہوئے بھی ان میں کوئی جھجک نہیں رہی تھی۔

''عاشی!'' ڈاکٹر محسن اس روز کہہ رہا تھا۔ ''تمہیں پشپا اور صوفیہ کی ضرورت ہے کیونکہ ان کے بغیر تم ذہنی کرب برداشت نہیں کر سکتیں۔ ویسے اب تمہارے جون پیٹرسن کے بارے میں کیا احساسات ہیں؟''

چند لمحے خاموشی رہی، پھر عاشی نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔ ''اس نے میرے ساتھ جو کچھ بھی کیا ہے، میں اسے کبھی نہیں بھول سکوں گی۔ لیکن میں اسے معاف کرنے کو تیار ہوں۔ میں ماضی کی تلخیاں بھول کر ایک نئی زندگی شروع کرنا چاہتی ہوں۔''

''اس کے لئے ضروری ہے کہ تم تینوں کو ایک قالب میں ضم کر دیا جائے۔ ویسے صوفیہ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

''فوراً ہی صوفیہ کی آواز سنائی دی۔ ''اگر میں عاشی ہوں تو کیا میں اپنی پینٹنگ جاری رکھ سکتی ہوں؟''

''کیوں نہیں!'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ مجھے عاشی میں ضم ہونے میں کوئی اعتراض نہیں۔"

"اور پشپا تم.....؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"عاشی کے روپ میں آنے کے بعد میں اپنا شوق جاری رکھ سکوں گی؟ یعنی پیانو بجانا اور گیت گانا؟" پشپا نے پوچھا۔

"تمہیں کوئی نہیں روکے گا۔"

"اور عاشی تم؟" اس مرتبہ ڈاکٹر نے عاشی سے پوچھا۔

"میں تینوں کے ایک ہونے کے لئے تیار ہوں۔" عاشی نے جواب دیا۔ "ویسے میں ان دونوں کی بے حد شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ہر مشکل وقت پر میری مدد کی۔"

صوفیہ اور پشپا نے بھی اس کے لئے اسی قسم کے جذبات کا اظہار کیا تھا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ آخری مرحلے پر عملدرآمد شروع کر دیا جائے۔

"ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر بولا۔ "اب میں تمہیں ہپناٹائز کرنے جا رہا ہوں عاشی! اب تم پشپا اور صوفیہ کو خدا حافظ کہہ دو۔"

عاشی نے انہیں خدا حافظ کہا۔ جواب میں ان دونوں نے بھی اسے وش کیا۔ دس منٹ بعد عاشی ٹرانس میں آ چکی تھی اور ڈاکٹر محسن کہہ رہا تھا۔ "اب کسی بات سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں عاشی! تمہارے تمام دکھ پیچھے رہ گئے ہیں۔ اب اپنی حفاظت کے لئے تمہیں کسی اور کی ضرورت نہیں رہی۔ تم اپنی مرضی کی مالک ہو اور اپنے آپ کو سنبھال سکتی ہو۔ کسی بھی قسم کی صورت حال کا مقابلہ کرنے کی تمام صلاحیتیں تم میں موجود ہیں۔ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ غلط تو نہیں۔ کیا تم مجھ سے اتفاق کرتی ہو؟"

"ہاں ڈاکٹر....." عاشی نے جواب دیا۔ "میں مستقبل کے خوشگوار سفر پر اپنا پہلا قدم رکھنے کو تیار ہوں۔"

"پشپا....." ڈاکٹر نے پکارا۔ کوئی جواب نہیں ملا۔ "پشپا....." ڈاکٹر نے دوبارہ اس کا نام لیا۔ اس مرتبہ بھی خاموشی رہی۔ ڈاکٹر محسن نے دو تین مرتبہ صوفیہ کو بھی پکارا مگر اس کی طرف سے بھی کوئی جواب نہیں ملا۔

"وہ دونوں جا چکی ہیں عاشی! اب تم مکمل طور پر ایک ہو۔ تمہارے اندر کوئی دوہری شخصیت نہیں رہی۔ اب تم صحت یاب ہو چکی ہو۔" ڈاکٹر نے کہا۔ عاشی کا چہرہ دمک اٹھا۔ "میں پانچ تک گنوں گا تو تم جاگ جاؤ گی۔" "ایک..... دو..... تین....."

عاشی نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔ "میں.....

میں ٹھیک ہو گئی ہوں.....!" وہ چہکی۔

"ہاں..... مبارک ہو۔" ڈاکٹر محسن رضا مسکرا دیا۔

"اب میں آزاد ہوں۔ بہت شکریہ ڈاکٹر..... یوں لگتا ہے جیسے میرے ذہن پر پڑا ہوا تاریکی کا پردہ ہٹ گیا ہو۔"

"تمہیں بتا نہیں سکتا کہ آج میں کتنا خوش ہوں۔" ڈاکٹر محسن نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ "اگلے چند مہینوں میں تمہارے کچھ اور ٹیسٹ ہوں گے۔ اگر نتیجہ ہماری توقع کے مطابق نکلا تو تم اپنے گھر جا سکو گی۔ تم جس شہر میں بھی جاؤ گی، میں وہاں کے کسی اچھے ماہر نفسیات کا پتہ بتا دوں گا۔ تم وقتاً فوقتاً اس سے چیک اپ کرواتی رہنا۔"

عاشی نے کچھ کہنا چاہا۔ مگر اس کے ہونٹ کپکپا کر رہ گئے۔ فرط جذبات سے اس سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔

☆

اگلے چند مہینوں کے دوران میں ڈاکٹر لیوی سن نے مختلف اوقات میں تین معروف ماہرین نفسیات سے عاشی کو چیک کروایا تھا۔ انہوں نے سوڈیم تھراپی بھی استعمال کی تھی اور ہپنو تھراپی بھی۔

"ہیلو عاشی! میں ڈاکٹر موٹ فورٹ ہوں۔ تم سے چند سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ اب تم اپنے آپ میں کیا محسوس کرتی ہو؟"

"ونڈر فل!" عاشی نے جواب دیا۔ "لگتا ہے جیسے کسی طویل بیماری سے صحت یاب ہوئی ہوں۔ ذہنی طور پر آسودہ اور اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرتی ہوں۔"

"کیا تم سمجھتی ہو کہ تم اچھی لڑکی نہیں ہو؟"

"نہیں! مجھے احساس ہے کہ کچھ ناخوشگوار باتیں رونما ہوئی تھیں۔ لیکن میں اپنے آپ کو ان کی ذمہ دار نہیں سمجھتی۔"

"کسی سے نفرت کرتی ہو؟"

"نہیں!" عاشی نے مختصر جواب دیا۔

"اپنے ماموں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا تمہارے دل میں اب بھی اس کے لئے نفرت ہے؟"

"پہلے میں اس سے نفرت کرتی تھی۔ لیکن اب نہیں۔"

"کیا دوبارہ اس سے ملنا چاہو گی؟"

”میں مناسب نہیں سمجھتی۔ وہ اپنی زندگی گزار رہا ہے اور میں بھی ایک نئی اور خوشگوار زندگی شروع کرنا چاہتی ہوں۔“

”عاشی! میں ڈاکٹر وف ہوں۔ کچھ باتوں کا جواب دینا پسند کرو گی؟ سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ تمہیں صوفیہ اور پشا یاد نہیں؟“

”ہاں..... یاد ہیں۔ لیکن اب تو وہ جا چکی ہیں۔“

”ان کے بارے میں تم کیا سوچتی ہو؟“

”پہلے تو میں ان سے بہت ڈرتی تھی۔ لیکن اب پتہ چلا کہ وہ میری ضرورت تھیں۔ بہرحال! اب تو وہ جا چکی ہیں۔“

”مجھے اپنے پچھلے خواب بتاؤ۔“ ڈاکٹر وف نے کہا۔

”وہ بڑے ڈراؤنے خواب تھے۔ جیسے کوئی میرا پیچھا کر رہا ہو۔ مجھے ہر وقت یہ خوف رہتا تھا کہ جیسے کوئی مجھے قتل کر دینا چاہتا ہو۔“

”کیا اب بھی کبھی ایسے خواب دیکھتی ہو؟“

”نہیں!“ عاشی نے جواب دیا۔ ”اب میں بہت پرسکون اور سہانے سپنے دیکھتی ہوں۔ شوخ رنگ، مسکراتے ہوئے چہرے۔ گزشتہ رات میں نے خواب میں دیکھا کہ برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑوں کے دامن میں اسکائنگ کر رہی ہوں۔ حالانکہ میں پہلے ٹھنڈے موسم سے ڈرتی تھی لیکن اب نہیں ڈرتی۔“

”اپنے ماموں کے بارے میں تمہارے کیا احساسات ہیں؟“

”میں چاہتی ہوں وہ اپنی جگہ خوش رہے۔ میں اپنی جگہ خوش رہنا چاہتی ہوں۔“ عاشی نے جواب دیا۔

”عاشی! میں ڈاکٹر ہولڈ روف ہوں۔ ان لوگوں نے تو مجھے بتایا ہی نہیں تھا کہ تم اتنی پیاری اور اتنی حسین ہو۔ کیا تم نے بھی کبھی سوچا ہے کہ تم کتنی خوبصورت ہو؟“

”بس! یہ احساس ہے کہ میرے اندر کوئی کشش ہے۔“

”سنا ہے تمہاری آواز بہت سریلی ہے اور تم گاتی بہت اچھا ہو۔“

”لوگ یہی کہتے ہیں۔“ عاشی نے جواب دیا۔ ”میں نے موسیقی کی باقاعدہ تعلیم تو حاصل نہیں کی لیکن سنا یہی ہے کہ میں بہت اچھا گا لیتی ہوں۔“

”اور تم مصورہ بھی بہت اچھی ہو؟“

”ہاں! میں رنگوں کا استعمال جانتی ہوں۔“ عاشی نے جواب دیا۔

ڈاکٹر ہولڈ روف گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ ”کوئی ایسا مسئلہ جس پر تم مجھ سے کوئی بات کرنا چاہتی ہو؟“

”میرے خیال میں تو ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ یہاں میرا بہت اچھا علاج ہوا ہے اور بہت خیال رکھا جاتا ہے۔“ عاشی نے جواب دیا۔

”یہاں سے جانے کا خیال تو کچھ عجیب سا لگ رہا ہوگا۔“

”ہاں! میں نے بھی کئی مرتبہ سوچا ہے۔“ عاشی نے کہا۔ ”ملی جلی کیفیت ہے۔ خوف بھی محسوس ہوتا ہے اور تجسس اور سنسنی بھی۔“ وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی۔ پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ ”میں ایک نئی اور خوشگوار زندگی شروع کرنا چاہتی ہوں۔ میں کمپیوٹر کی ماہر ہوں۔ مجھے اسی کمپنی میں دوبارہ ملازمت مل سکتی ہے جہاں میں پہلے کام کرتی تھی۔ اگر وہاں نہ ہوا تو کسی بھی کمپنی میں کام مل سکتا ہے۔“

”شکریہ عاشی!“ ڈاکٹر ہولڈ روف نے کہا۔ ”تم سے بات کر کے بہت خوشی ہوئی۔ میری دعا ہے کہ تم ایک پرسکون اور شاندار زندگی گزارو۔“

☆

وہ سب ڈاکٹر لیوی سن کے دفتر میں جمع تھے۔ ڈاکٹر لیوی سن ان کی رپورٹوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ چند منٹ بعد اس نے کاغذات ایک طرف رکھ دیے اور ڈاکٹر محسن کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔

”مبارک ہو ڈاکٹر محسن!“ اس نے کہا۔ ”یہ تمام رپورٹیں مثبت ہیں۔ آپ نے واقعی ایک بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔“

”عاشی بہت اچھی لڑکی ہے۔“ ڈاکٹر محسن نے جواب دیا۔ ”مجھے خوشی ہے کہ وہ معمول کی زندگی کی طرف لوٹ آئی ہے۔ میری دعائیں اُس کے ساتھ ہیں۔“

”ہم سب کی دعائیں اس کے ساتھ ہیں۔“ ڈاکٹر ہولڈ روف نے کہا۔

”ٹھیک ہے ڈاکٹر محسن۔“ ڈاکٹر لیوی سن بولا۔ ”میں آج اس کے کاغذات تیار کرا دوں گا۔ اس کے بعد وہ جب چاہے، یہاں سے رخصت ہو سکتی ہے۔“

☆

دو دن بعد عاشی، ڈاکٹر لیوی سن کے دفتر میں داخل ہوئی تو ڈاکٹر محسن رضا بھی وہاں موجود تھا۔ عاشی کو آج اس نفسیاتی ہسپتال سے چھٹی ملنے والی تھی۔ یہاں سے رخصت ہو کر وہ کو پرٹینو چلی جاتی جہاں وہ ایک ماہر نفسیات سے وقتاً فوقتاً اپنا چیک اپ کراتی رہتی۔

''ہاں تو عاشی۔'' ڈاکٹر لیوی سن اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''آج تم ایک نئی زندگی شروع کرنے جا رہی ہو۔ کیسا لگ رہا ہے؟''

''بہت اچھا..... بہت سنسنی خیز..... بہت..... میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس موقع پر مجھے کیا کہنا چاہئے۔ اس پرندے کی دلی کیفیت کیا ہوگی جسے آزاد کیا جا رہا ہو۔ میں..... میں اپنے آپ کو ہوا میں اُڑتا ہوا محسوس کر رہی ہوں۔'' عاشی نے جواب دیا۔ اس کا چہرہ فرطِ جذبات سے سرخ ہو رہا تھا۔

''مجھے خوشی ہے کہ آج تم یہاں سے جا رہی ہو۔ لیکن..... لیکن میں تمہیں بہت مس کروں گا۔ بہت یاد آؤ گی تم.....'' ڈاکٹر محسن نے کہا۔

''آپ بھی مجھے بہت یاد آئیں گے ڈاکٹر محسن!'' عاشی نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کا شکریہ کس طرح ادا کروں۔ مجھے وہ الفاظ نہیں مل رہے.....'' اس کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''آپ نے مجھے ایک نئی زندگی دی ہے ڈاکٹر..... میں آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔'' وہ ڈاکٹر لیوی سن کی طرف گھوم گئی۔ ''کیلی فورنیا میں مجھے کسی نہ کسی کمپیوٹر کمپنی کی ملازمت مل جائے گی اور آپ سے رابطہ رکھوں گی اور اپنے چیک اپ اور تھراپی کے بارے میں بتاتی رہوں گی۔ بس آپ دعا کیجئے کہ آئندہ زندگی میں مجھے کوئی ایسا دکھ نہ اٹھانا پڑے۔''

''تم ٹھیک رہو گی۔ بس اپنا خیال رکھنا۔'' ڈاکٹر لیوی سن نے کہا۔

اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد عاشی اس نفسیاتی ہسپتال سے رخصت ہو رہی تھی۔

☆

وہ جون کی ایک خوشگوار اور روشن صبح تھی۔

عاشی نیویارک کے میڈیسن ایونیو پر گھوم رہی تھی۔ لوگ مڑ مڑ کر اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ پہلے سے کہیں زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔ آج وہ بہت خوش تھی۔ ایسی حقیقی خوشی اس نے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ اس کے سامنے ایک شاندار زندگی تھی اور وہ سب کچھ تھا جو وہ کرنے جا رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا تھا اس سے اس کی زندگی برباد ہو سکتی تھی۔ انجام خوفناک بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن اس سانحے کا اختتام بڑا خوشگوار ہوا تھا اور وہ اس کے لئے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کر رہی تھی۔

وہ پنسلوانیا ریلوے سٹیشن پر آ گئی۔ یہ امریکہ کا مصروف ترین ریلوے سٹیشن تھا۔ ہر پلیٹ

فارم پر رش تھا۔ لوگ ٹرینوں سے اتر رہے تھے۔ ٹرینوں پر سوار ہونے کے لئے دوڑ رہے تھے اور اسے ہر چہرے پر ایک دلچسپ کہانی نظر آ رہی تھی۔ ''یہ لوگ اپنی اپنی کہانیوں کے ساتھ مختلف مقامات کی طرف جا رہے ہیں۔'' عاشی سوچ رہی تھی۔ ''ہر شخص اپنی زندگی کا مالک و مختار ہے۔ ہر شخص اپنی مرضی کی زندگی گزار رہا ہے۔ اور آج میں بھی اپنی مرضی کی زندگی شروع کر رہی ہوں۔''

اس نے ایک مشین بوتھ سے ٹکٹ خریدا۔ اس کی ٹرین اس وقت پلیٹ فارم میں داخل ہو رہی تھی۔

اتنا رش ہونے کے باوجود کوئی افراتفری نہیں تھی۔ وہ بڑے اطمینان سے ایک بوگی میں سوار ہو کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ وہ جو کچھ کرنے جا رہی تھی اس کا تصور کرتے ہوئے اپنے آپ میں ایک عجیب سی کھلبلی اور سنسنی محسوس کر رہی تھی۔

ہلکا سا جھٹکا لگا اور ٹرین حرکت میں آ گئی۔ رفتار آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔ ''آخر کار مجھے اپنا راستہ مل ہی گیا۔'' وہ سوچتے ہوئے مسکرا دی۔ اس نے غیر ارادی طور پر اپنا ہینڈ بیگ کھول لیا۔ اس میں چند دوسری چیزوں کے علاوہ چمکتے ہوئے پھل والی تیز دھار چھری دیکھ کر اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ اس نے بیگ بند کر دیا۔

ٹرین تیز رفتاری سے ہیمپٹن کی طرف اُڑی جا رہی تھی جہاں اس کا ماموں جون پیٹرسن تعطیلات منا رہا تھا۔ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر وہ گیت آ گیا جو پشپا گنگنایا کرتی تھی۔

(ختم شد)